رحمٰن کے خاص بندے

"عباد الرحمٰن" کی امتیازی صفات سے متعلق مستند تشریحات پر مبنی ایک مبسوط اور جامع تحریر

مرتب

مفتی محمد سلمان منصورپوری

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر

المرکز العلمی للنشر والتحقیق، لال باغ مرادآباد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا، الخ.

[الفرقان، جزء آیت: ٦٣]

رحمٰن کے خاص بندے

''عبادالرحمٰن'' کی اِمتیازی صفات سے متعلق مستند تشریحات پر مبنی ایک مبسوط اور جامع تحریر

مرتب:

(مفتی) محمد سلمان منصورپوری

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر:

المرکز العلمی للنشر والتحقیق مرادآباد

تقسیم کار:

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دہلی

[سلسلہ ''نظروفکر'' نمبر:۵]

○ اِشاعت کی عام اجازت ہے۔

○ نام کتاب : رحمٰن کے خاص بندے اور اُن کی امتیازی صفات
○ ترتیب : مفتی محمد سلمان منصور پوری
○ کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفر نگری
○ ناشر : المركز العلمي للنشر والتحقيق، لال باغ مرادآباد
○ تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دریا گنج دہلی

011-23289786 - 23289159

○ اِشاعتِ اَول : رجب المرجب ۱۴۴۲ھ مطابق فروری ۲۰۲۱ء
○ صفحات : ۵۱۲
○ قیمت :

رابطہ:

محمد ابوبکر صدیق منصور پوری 6395055757

محمد اسجد قاسمی 9058602750

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

عرضِ مرتب

الحمد للّٰہ رب العالمین، أشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، وأشھد أن محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلی اٰلہ وأصحابہ وذریاتہ أجمعین. أما بعد:

اللہ تعالیٰ کا نہایت فضل وکرم اور احسان ہے کہ اُس نے قرآنِ کریم، اَحادیث شریفہ اور سلف صالحین کی تصریحات کی روشنی میں ''عباد الرحمٰن'' (رحمٰن کے خاص بندوں) کی اِمتیازی صفات کی مبسوط شرح کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ بلا شبہ یہ اُس کی ذرہ نوازی اور کرم گستری ہے کہ نالائقی اور نااہلی کے باوجود اِس سعادت سے بہرہ ور فرمایا، جس پر بدن کا رواں رواں شکر کے جذبات سے معمور ہے، فالحمد للہ۔

اِس اِصلاحی مضمون کی ابتداء آج سے تقریباً ۵؍سال قبل کی گئی تھی، اِس درمیان بلا ناغہ ہر ماہ ''ندائے شاہی'' کے اِدارتی کالم میں اِس کی قسط وار اِشاعت ہوتی رہی۔

احقر کی ترتیب کے مطابق کل ملا کر ۵۹؍قسطوں میں یہ مضمون بفضلِ خداوندی تکمیل کو پہنچا، اِس لئے اَب اُسے نظر ثانی کے بعد ''رحمٰن کے خاص بندے اور اُن کی صفات'' کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔

اِس تحریر میں جمع شدہ مضامین اِس قابل ہیں کہ اُن کو مسلسل مطالعہ میں رکھا جائے؛ بلکہ دینی مجالس میں پڑھ کر سنایا جائے؛ تاکہ نیکیوں کا جذبہ اُبھرے اور برائیوں سے نفرت دل میں پیدا ہو۔

اللہ کا شکر ہے کہ حضراتِ اَساتذۂ کرام کی توجہات اور والدین محترمین مدظلہما کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ بظاہر اَسباب ماہنامہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد کی ترتیب کی ذمہ داری کی برکت سے قبل اَزیں اِس طرح کے مضامین کے متعدد مجموعے شائع ہوچکے ہیں۔ جن میں ''اللہ سے شرم کیجئے!'' ''اللہ والوں کی مقبولیت کا راز'' ''ایک جامع قرآنی وعظ'' ''دعوتِ فکر وعمل'' ''لمحاتِ فکریہ'' اور ''مشعلِ راہ'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

الحمد یہ سب کتابیں ملک وبیرونِ ملک میں متعدد کتب خانوں سے شائع ہورہی ہیں، اُمید ہے کہ یہ نئی کتاب بھی اِس سلسلے کی ایک سنہری کڑی ثابت ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اِس طرح کے مجموعہ مضامین کی اِشاعت کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ عوام وخواص بالخصوص ائمہ مساجد کے لئے یکجا طور پر معتبر اِصلاحی مواد مہیا کردیا جائے، جو بوقت ضرورت کام آسکے، اور موقع بموقع اُمت کے سامنے دین کی مستند باتیں آتی رہیں۔ الحمدللہ مذکورہ کتابوں سے یہ مقصد بخوبی پورا ہورہا ہے؛ چناں چہ بہت سے قارئین اپنے عوامی بیانات میں اُن سے فائدہ اُٹھاتے ہیں؛ بلکہ بعض مساجد میں کسی نماز کے بعد بالترتیب اُنہیں سنایا بھی جاتا ہے، فالحمدللہ علی ذلک۔

بہرحال اِس عاجزانہ کاوش کو قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے؛ خاص طور پر اِس دعا کی گذارش ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کہنے سننے اور لکھنے سے زیادہ اِن باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں، اور کوتاہیوں سے درگذر فرمائیں؛ کیوں کہ متفرق باتوں کو جمع کرنا تو نسبۃً آسان ہے؛ لیکن صفاتِ حسنہ کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھالنا بہت مشکل ہے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

اِشاعت سے قبل اِس مضمون کو حضراتِ اکابر مدظلہم کی خدمت میں برائے اِصلاح پیش کیا گیا، سبھی حضرات نے اُسے بغور ملاحظہ فرمایا، مناسب مشورے دیئے، اور حوصلہ اَفزا قیمتی کلمات سے نوازا، جو کتاب کے شروع میں درج ہیں۔ فادام اللہ برکاتہم ومدت فیوضہم

کتاب کی تصحیح وتنقیح کے سلسلے میں محبِّ مکرم جناب مولانا مفتی ابوجندل صاحب قاسمی

زیدعلمہ شیخ الحدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ ضلع مظفرنگر یوپی نے بہت توجہ اور جاں فشانی کے ساتھ پورے مسودے پر گہری نظر ڈالی، جس پر موصوف بہت شکریہ کے مستحق ہیں، فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

کتاب کی کمپیوٹر کتابت، اور تزئین وتہذیب میں عزیزم مولوی محمد اسجد قاسمی مظفرنگری زیدعلمہ (رفیق کتابت ماہنامہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد) کا بھرپور تعاون حاصل رہا، اللہ تعالیٰ موصوف کو دارین میں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں، اور اس کتاب کو اُن کے حسنات میں اِضافہ کا سبب بنائیں، آمین۔

کتاب کی طباعت میں ہمارے کرم فرما جناب الحاج محمد ناصر خان صاحب مالک فرید بک ڈپو دہلی نے خاص توجہ فرمائی، اِس پر بھی ہم تہہ دل سے ممنون ہیں۔ اللہ تعالیٰ سبھی معاونین کو جزائے خیر سے نوازیں، آمین۔

واللہ الموفق والمعین

احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

۲۵/۶/۱۴۴۲ھ

۸/۲/۲۰۲۱ء بروز پیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حسنِ ترتیب

گیارہواں باب: توبہ کا اہتمام ۲۷۱

سولھواں باب	اِنعام واِکرام	۴۸۳

تصدیر:

جگر گوشۂ شیخ الاسلام، مخدوم مِکرم، استاذ معظم، حضرت اقدس

مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم العالیہ

صدر المدرسین دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أحمده و أصلي علىٰ رسوله الكريم، أما بعد!

قرآنِ کریم کی پچیسویں سورت؛ ''سورۂ فرقان'' کی آخری آیتیں خاص طور پر ہر مسلمان کے لئے قابل توجہ ہیں۔

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن ۱۵ر مبارک کاموں کا ذکر فرمایا ہے، جن پر عمل کرنے والا مؤمن دنیا اور آخرت میں عافیت اور جنت کا حق دار بن سکتا ہے۔ یعنی جو اِیمان والا دنیا میں عزت، قربِ خداوندی اور آخرت میں جنت کی بیش بہا نعمتوں کا طالب ہو، اُس کو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی اِن ہدایات کو اپنی زندگی میں اُتارنا چاہیئے؛ تا کہ اُس کا شمار اللہ کے خاص بندوں میں ہو اور وہ جنت کا حق دار بنے۔

یہاں ایک اہم قابل توجہ بات یہ ہے کہ اِن آیات میں ذکر کردہ پندرہ پسندیدہ باتوں میں سے تقربِ خداوندی کے حصول کے لئے سب سے پہلے درج ذیل دوصفات کا ذکر کیا گیا ہے:

(۱) تواضع اور عاجزی کو اختیار کرنا:- جس کو ﴿الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا﴾ سے تعبیر فرمایا ہے۔ کہ ''اللہ کے محبوب بندے زمین پر عاجزی کے ساتھ دبے پاؤں چلتے ہیں''۔ یعنی وہ سینہ تان کر، ٹیڑھی گردن کر کے اور اکڑ کر نہیں چلتے؛ گویا کہ تکبر نہیں کرتے؛ کیوں کہ تکبر ''لوگوں کو اپنے سے کم تر اور پست سمجھنے کا، اور اپنے آپ کو سب سے بہتر اور بڑا سمجھنے کا'' نام ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو بلند اور دوسروں کو اپنے سے پست سمجھتا ہے وہ یقیناً متکبر

ہے، جب کہ اللہ کو تکبر نہایت ناپسند ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ’’جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہوگا، اللہ تعالیٰ نے اُس پر جنت کو حرام کر دیا ہے‘‘۔

(۲) جاہلوں کے مقابلے میں صبر اور حسنِ خلق:- اور دوسری بات یہ بیان کی گئی کہ: ﴿وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ یعنی ’’جب اُن سے جاہل لوگ جہالت کی بات کرتے ہیں، گالم گلوچ کرتے ہیں، بدزبانی کرتے ہیں، تو یہ لوگ گالی کا جواب گالی سے اور پتھر کا جواب پتھر سے نہیں دیتے؛ بلکہ جاہلوں کی بدزبانی کے جواب میں اُن کو سلامتی کی دعا دیتے ہیں‘‘۔ گویا کہ اُن کا رہن سہن اور رکھ رکھاؤ نہایت پاکیزہ اور بہترین ہے، وہ جہاں رہتے ہیں، حسن معاشرت کے اُصول کو اپناتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی طبیعت اور مزاج کو جانتے ہوئے حسن معاشرت اور رہن سہن سے متعلق اِن دونوں صفات کو دیگر صفات پر اَولیت عطا فرما کر اِس طرف متوجہ فرمایا ہے کہ عاجزی، حسن معاشرت، رہن سہن اور حقوق العباد کی اَدائیگی کی صفات مسلمان کو جنت کا حق دار بنانے میں بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہیں؛ لہٰذا جنت کے طلب گار کو گناہوں سے حفاظت، عبادات اور فکر آخرت کے ساتھ ساتھ حسن معاشرت کا بھی اپنے کو بہت زیادہ پابند بنانا چاہیے۔

نیز یہ نکتہ بھی پیش نظر رہے کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ جہاں فروتنی، عجز و تواضع، اور حسن معاشرت کے ساتھ زندگی گذارنے کی تلقین فرماتے ہیں، وہاں کسی مذہب کی قید ذکر نہیں فرماتے۔ جس کا واضح مطلب ہے کہ حسن معاشرت کا حکم قرآن و حدیث میں مذہب پر مبنی نہیں ہے؛ بلکہ انسانیت پر مبنی ہے، مسلمان دنیا میں جہاں کہیں بھی بستا ہو اور کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کے بیچ رہتا ہو، اُسے بہر حال عجز و تواضع اور حسن معاشرت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

دوسری بات یہ بھی قابل غور ہے کہ یہاں اِن آیات میں اُن ۱۵؍ کاموں کو تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے؛ لیکن اِس کی پوری وضاحت نہیں فرمائی کہ اُن لوگوں کو جنت میں اِس کے بدلے میں کیا کیا نعمتیں ملیں گی؛ بلکہ صرف آخر کی ایک آیت میں یہ بتا دیا گیا کہ اِن کاموں کے

کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت ملے گی، جس میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۳۳ رمیں ﴿ **اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ** ﴾ فرمایا ہے۔ اِسی طرح سورۂ مریم کی آیت ۶۳ رمیں ﴿ **تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِىْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا** ﴾ فرمایا گیا۔

اِن آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم میں جگہ جگہ جو متقین کا ذکر ہو رہا ہے، کہیں بتایا جا رہا ہے کہ ''جنت متقیوں کے لئے بنائی گئی ہے'' اور کہیں ''ان ہی متقیوں کو جنت کا حق دار اور وارث بتایا گیا ہے''، یہ اُن ہی خوش نصیب لوگوں کا نام ہے جس کو سورۂ فرقان کی اِن آیتوں میں رحمٰن کے خاص بندوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اور اُن ہی لوگوں کو کہیں قرآن میں ''صادقین'' یعنی سچے دل اور سچی زبان اور سچے ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک، کان اور دل و دماغ والے سے تعبیر کیا ہے، اور کہیں اُن خاصانِ خدا کے لئے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ''ابرار'' کے نام کو تجویز کیا ہے۔ ''أبرار'' کلمہ ''برّ'' سے مشتق ہے، جس کے بارے میں علامہ بغوی فرماتے ہیں: ''**والبرّ کل عمل خیر یُفضي بصاحبه إلی الجنة**'' یعنی ''برّ'' ہر اُس عمل صالح کو کہا جاتا ہے، جو کرنے والے کو جنت میں لے جاتا ہے''۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''ابرار'' اُن ہی خوش نصیب خاصانِ خدا لوگوں کا نام ہے جو خاص طور پر ان ۱۵ رکاموں کو اپنی زندگی میں اُتار کر جنت کے مستحق بنتے ہیں۔

چناں چہ سورت نمبر ۷۶ رمیں آیت نمبر ۵ رسے آیت نمبر ۲۳ رتک قرآن نے ''ابرار'' کے لئے جنت کی اُن نعمتوں کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، جن کا یہاں سورۂ فرقان میں اجمالاً ایک آیت میں ذکر کر دیا گیا تھا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں سورتوں میں مذکورہ آیتوں کے مضامین ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۵ رکام اللہ کو بہت زیادہ پسند ہیں، اسی لئے اُن لوگوں کے واسطے جنت کی نعمتوں کو سورۂ دہر میں اِس تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

عزیزم مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری سلمہ نے ''رحمٰن کے خاص بندے'' نام سے اِس کتاب کو مرتب کیا ہے، جس میں تفصیل کے ساتھ اُن ۱۵؍ کاموں کو ایک ایک کر کے ذکر کیا ہے، اور جگہ جگہ مضمون کی مناسبت سے اِرشاداتِ نبویہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات وقصص کو پیش کر کے مزید مفید اور دلچسپ بنا دیا ہے۔

ہر مسلمان کو قرآن شریف کے پیش کردہ ان کاموں کو اپنی زندگی میں اُتارنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہیے؛ تاکہ جنت میں اپنا مستقر بنا سکے اور اُن عظیم نعمتوں کا مستحق ہو سکے جن کا ذکر اللہ نے سورۂ دہر نمبر ۷۶؍ میں آیت نمبر ۵؍ سے ۲۲؍ تک فرمایا ہے۔

راقم الحروف دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی مرتب کردہ اِس کتاب کو قبول فرما کر اُن کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائیں اور زیادہ سے زیادہ مقبولیت سے سرفراز فرمائیں، آمین ثم آمین۔

فقط والسلام

ارشد مدنی غفرلہ

خادم دارالعلوم دیوبند

۲۸؍ ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ

مطابق ۲۰؍ جولائی ۲۰۲۰ء بروز پیر

تقدیم:

امیر الہند، مخدومِ مکرم، والد محترم، حضرت اَقدس

مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم

اُستاذ حدیث ومعاون مہتمم دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت رحمٰن کے مقبولانِ بارگاہ بندے

''عباد'' عبد کی جمع ہے، جو ''عبادۃ'' سے بنا ہے، اور ''عبادۃ'' غایت تذلل کا نام ہے، اور یہی مقصد تخلیق جن وانس بھی ہے، چناں چہ اِرشادِ خداوندی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [الذریٰت: ٥٦]

عبادت کے مفہوم کی عارفانہ تحقیق کو سامنے لانے کے لئے حضرت اَقدس مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے رسالہ ''کمالاتِ امدادیہ'' سے درج ذیل اقتباس نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

ایک بار اہل علم سے (حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ نے) خطاب فرمایا کہ قرآنِ مجید میں اِرشاد ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ حالاں کہ سب مخلوقات عبادت میں مشغول ہیں، پھر اِن دو کی کیا تخصیص ہے؟ جب کسی سے کوئی شافی جواب نہ بن پڑا، تو اِرشاد فرمایا کہ: ''عبادت کے معنی ''عبد شدن'' کے ہیں، اور عبد غلام کو کہتے ہیں، اور غلام کی شان یہ ہوتی ہے کہ اُس کی خدمت معین نہیں ہوتی، ایک وقت اُس سے قلم دان اور بستہ اُٹھواتے ہیں، ایک وقت پائخانہ اُٹھواتے ہیں، بخلاف اجیر ونوکر کے کہ اکثر اس کی خدمت معین ہوتی ہے، بس اور مخلوقات کی عبادت تو معین ہے، کسی کو تسبیح میں مشغول کردیا ہے، کسی کو قیام میں، کسی کو سجود میں، علیٰ ہذا القیاس، پس اُن کی شان تو اجیر کی سی ہے۔ بخلاف جن وانس کے کہ اُن کی

عبادت کے ہزاروں طریقے ہیں، ایک وقت اُن کے لئے نماز پڑھنا عبادت ہے، دوسرے وقت جب تقاضائے حاجت بشری ہواور بدون اُس کی قضا کے نماز میں پریشان رہنے کا احتمال ہو، پائخانہ میں جاکر قضائے حاجت کرنا عبادت ہے، ایک وقت سونا عبادت ہے، پس اُن کی شان غلام کی سی ہے، اِس لئے ﴿لِيَعْبُدُوْن﴾ میں اُن کی تخصیص فرمائی''۔

اِس کے بعد حضرت تھانوی قدس سرہ نے تحریر فرمایا کہ: ''کتابیں بھی تھوڑی بہت دیکھنے میں آئیں، علماء کی بھی صحبت نصیب ہوئی، مگر یہ عجیب وغریب تحقیق ہے، اور تحقیق تو کیا، یہ سوال بھی کبھی سمع وقلب تک نہیں گذرا، علم لدنی کی یہ شان ہے''۔ (کمالاتِ امدادیہ ۲۵-۲۶)

اِسی کے مانند حضرت تھانوی قدس سرہ نے ایک اور واقعہ نقل فرمایا ہے، ایک بزرگ سے سنا گیا کہ میں حضرت صاحبؒ (حاجی اِمداداللہ رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، تھوڑی دیر کے بعد میں نے عرض کیا کہ اَب میں جاتا ہوں، آپ کی عبادت میں حرج ہوتا ہے۔ اِرشاد فرمایا کہ: ''میاں دوستوں سے باتیں کرنا کیا عبادت نہیں؟'' اِس پر حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ: یہ مضمون گویا اس حدیث کا ترجمہ ہے:

اَلْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِنْ جَلِيْسِ السُّوْءِ، وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِنَ الْوَحْدَةِ. (مشكوٰة المصابيح ٤١٤/٢،	برے ہم نشین سے تنہائی بہتر ہے، اور نیک ہم نشین تنہائی سے بہتر ہے۔

كمالاتِ امداديه ٢٤-٢٥)

اِنسان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عبد کامل بن جائے، یعنی اپنے اختیار سے اپنے وجود اور اپنی تمام خواہشات وتمام کاموں کو اللہ کی مرضی کے تابع بنادے، اسی کو ''تشریعی بندگی'' کہا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ''سورۂ اسراء'' میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی اعزاز کے موقع پر آپ کی بہت سی صفاتِ کاملہ میں سے صفت عبدیت اختیار فرماتے ہوئے ﴿سُبْحٰنَ

الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَهٗ ﴿وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندے کو شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں کر رکھی ہیں لے گیا) (بیان القرآن) اِرشاد فرمایا گیا؛ کیوں کہ حق تعالیٰ کسی کو فرمادیں کہ یہ میرا بندہ ہے، تو اِس سے بڑھ کر کسی بشر کا اعزاز نہیں ہوسکتا۔

چناں چہ ''سورۂ فرقان'' میں بھی ''عباد الرحمٰن'' کی تعبیر اختیار فرما کر اپنے مقبولانِ بارگاہ کا اعزاز بڑھانا مقصود ہے، مگر اپنی طرف نسبت کرنے کے لئے اسماء حسنیٰ وصفاتِ کمال میں سے اس جگہ لفظ ''رحمٰن'' کا انتخاب کرنے سے شاید اس طرف اِشارہ ہے کہ مقبولین کی عادات وصفات اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کی ترجمان اور مظہر ہونی چاہئیں، اور یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ پچھلی آیات میں کفار کا عناد وتنفر بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا گیا تھا:

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا. (الفرقان: ٦٠)

اور جب اُن کافروں سے کہا جاتا ہے کہ ''رحمٰن'' کو سجدہ کرو، تو کہتے ہیں کہ ''رحمٰن'' کیا چیز ہے؟ کیا اُس کو سجدہ کرنے لگیں گے جس کو تم سجدہ کرنے کے لئے ہم کو کہو گے اور اس سے اُن کو اور زیادہ نفرت ہوتی ہے۔

لفظ ''رحمٰن'' عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے لغوی معنی کفار جانتے تھے، مگر وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کو استعمال نہیں کرتے تھے، جب کہ قرآن کریم میں یہ لفظ بکثرت آیا ہے، غالباً اِسی تقابل کے پیشِ نظر اس موقع پر ''رحمٰن'' کا لفظ اختیار فرمایا گیا ہے؛ تاکہ واضح ہو کہ مقبول بندے رحمٰن سے خوش رہتے ہیں، اور اُس کی مکمل اطاعت کرتے ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کے نیک وخاص بندوں کی یہ پندرہ صفات متفرق طور پر قرآنِ کریم کی دوسری آیات نیز اَحادیث مبارکہ میں بیان کی گئی ہیں، ان آیات واَحادیث سے ''سورۂ فرقان'' میں ذکر فرمودہ صفات کی وضاحت وتشریح مکمل طور پر سامنے آجاتی ہے۔

چناں چہ عزیز القدر مفتی سید محمد سلمان منصور پوری سلمہ نے ہر صفت پر مشتمل آیت کریمہ کی توضیح کے دوران اِس مضمون کی دوسری آیات واَحادیث مبارکہ کو بھی درج کیا ہے، اور ہر صفت کے ذیل میں مختلف عناوین کے تحت فصول قائم کرکے بقدر ضرورت شرح وبسط سے کام لیا ہے، جس کی وجہ سے قارئین کو تفسیری وحدیثی جواہر پاروں کا قیمتی ذخیرہ ایک جگہ مل جائے گا، کتاب میں اِن صفات کے حامل خداوند قدوس کے خاص بندوں کے نصیحت آمیز واقعات بھی معتبر حوالوں سے نقل کئے گئے ہیں، جو ہر مسلمان کو یہ صفات اپنے اندر پیدا کرنے پر آمادہ کرتے ہیں، اور اُس کے حوصلے کو بلند کرتے ہیں۔

خداوند کریم آں عزیز کی اِس علمی واِصلاحی کاوش کو قبول فرما کر اُس کے اِفادے کو عام وتام فرمائے، آمین۔

فقط والسلام
محمد عثمان منصور پوری عفی عنہ
خادم دارالعلوم دیوبند
۵؍صفر المظفر ۱۴۴۲ھ

تقریظ:

نمونۂ اَسلاف، عارف باللہ، خلیفہ اجل حضرت فقیہ الامتؒ

حضرت اَقدس مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم

مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

''عبادالرحمٰن''

کمالِ بندگی بندۂ مؤمن کے لئے سب سے بڑا اشرف ہے، اور اگر اُس کو بندگی کی سند خودرب العالمین کی طرف سے مل جائے، تو ''نورعلیٰ نور'' ہے۔

اللہ جل شانہ نے قرآنِ کریم میں اپنے محبوب اور مقبول بندوں اور بالخصوص انبیاء کرام علیہم السلام کا تعارف اُن کی عبدیت کے حوالے سے ہی فرمایا ہے۔ اور اکثر مقامات پر اُن بندگانِ خاص کے اَعمالِ صالحہ، اخلاقِ حسنہ اور اَوصافِ حمیدہ کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

سورۂ فرقان کے آخری رکوع میں تفصیل کے ساتھ ''عبادالرحمٰن'' کا تعارف کرایا گیا ہے، اور اُن کی اُن پندرہ خصوصیات کا ذکر فرمایا گیا ہے، جو اُن کے خاص بندگانِ خدا میں شمولیت کا ذریعہ بنتی ہیں۔

عزیز مکرم جناب مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری سلمہ کی ہم دست کتاب ''رحمٰن کے خاص بندے'' اِن ہی آیاتِ کریمہ کی دل نشیں، جامع اور مفصل تفسیر ہے، جس میں ان پندرہ امتیازی خصوصیات میں سے ہر ایک کی آیاتِ قرآنیہ، اَحادیثِ نبویہ، سیرتِ صحابہ اور اَکابرِ اُمت کے ملفوظات اور معمولات کی روشنی میں شرح کی گئی ہے۔ پوری کتاب علمی واستدلالی

ہونے کے ساتھ ساتھ آسان اور عام فہم بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ اِس خدمت کو شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے مفید خاص وعام بنائے، اور ہم سب کو اِن صفاتِ کریمہ کا حامل اور پیکر بنا کر اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

ابوالقاسم نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۲۷؍محرم الحرام ۱۴۴۲ھ
مطابق ۱۶؍ستمبر ۲۰۲۰ء

تقریظ:

مکرم ومحترم حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی زید مجدہم

محدث ومفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم، أما بعد!

حضرت اَقدس مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری مدظلہ العالی کی کتاب بنام ’’رحمٰن کے خاص بندے‘‘ دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی، اوراحقر نے اُس سے استفادہ کیا، یہ کتاب ایسے مضامین کو حاوی اور شامل ہے جو ایک اِنسان کی اِسلامی اور اِیمانی زندگی کے ہر گوشے کے ساتھ متعلق ہیں۔

اِس کتاب کے اندر اِیمان وعقائد کے ساتھ ایسے معاشرتی، اَخلاقی اور اِصلاحی مضامین بھی شامل ہیں، جن کو زندگی میں داخل کرکے شریعت اسلامی کے دائرے میں رہتے ہوئے ایک آدمی اِنسانیت کی بہترین زندگی گذار سکتا ہے۔

گھریلو زندگی میں میاں بیوی کے تعلق اور آپسی حقوق اور تربیت اَولاد سے متعلق بھی بہترین مضامین اِس کتاب کے اندر موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے اُمید کی جاتی ہے کہ اِس کتاب کے ذریعہ سے ناظرین کو اپنی زندگی بہترین ڈھانچے پر ڈھالنے میں بہت اچھی مدد ملے گی۔

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی کے لئے اِس کتاب کو ذریعہ نجات بنائے اور شرفِ قبولیت سے مالا مال فرمائے۔ فقط والسلام

شبیر احمد قاسمی

خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۵؍صفر المظفر ۱۴۴۲ھ مطابق ۳؍اکتوبر ۲۰۲۰ء بروز ہفتہ

تقریظ:

برادرِ مکرم حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب زید کرمہم

مہتمم و استاذِ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

اِنسان خیر وشر اور اچھائی وبرائی کو پہچاننے میں شارع کی تشریحات اور وحی الٰہی کی تفصیلات کا محتاج ہے، وہ محض اپنی عقل وفہم سے صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح سے ممتاز کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اِسی لئے علماء حق نے ہمیشہ اُمت کو کتاب وسنت کی روشنی میں راہِ حق دکھانے کا کام کیا ہے، خیر کی طرف متوجہ کیا ہے، اور شر کی نشان دہی کرتے ہوئے اُس سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

زیرِ نظر کتاب بھی اُسی سلسلۃ الذہب کی ایک نادر کڑی ہے، جس میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے اُستاذ حدیث ونائب مفتی برادرِ مکرم حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب دامت برکاتہم نے ''رحمٰن کے خاص بندے اور اُن کی صفات'' کے عنوان سے نہایت قیمتی اور اہم موضوعات پر دینی، اِصلاحی اور معاشرتی خوبیوں پر مشتمل مضامین مرتب انداز میں جمع فرمادئے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے رشحاتِ قلم سے خلق خدا مستقل فیض یاب ہوتی رہتی ہے، جس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ بات کو مثبت انداز میں قرآن وحدیث کی ہدایات کے عین مطابق سلجھے ہوئے طریقہ سے پیش کرنے کا جو ملکہ خدا نے اُن کو دیا ہے، وہ منتخب اور چیدہ اَفراد کو ہی عطا کیا جاتا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست ❖ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

میری دعا ہے کہ خدا اِس محنت کو قبول فرمائے اور اِس کے فائدہ کو بھی عام وتام فرمائے، آمین ثم آمین۔

طالب دعا:
اشہد رشیدی غفرلہ
خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
۱۴۴۲/۵/۸ھ

رحمٰن کے خاص بندے

ابتدائیہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہٗ، ومن یضلل فلا ھادي لہٗ، ونشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ، ونشھد أن سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ وأصحابہٖ وذریاتہٖ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا، أما بعد.

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ’’سورۂ فرقان‘‘ کے آخر میں اپنے مقرب بندوں کی تعریف فرماتے ہوئے اُن کی امتیازی صفات خاص طور پر ذکر فرمائی ہیں؛ تاکہ اُمت کے افراد اِن مقربینِ بارگاہ کی عالی صفات اپنا کر اپنے لئے دارین میں کامیابی اور سربلندی حاصل کرسکیں۔ قرآنِ کریم کا یہ مضمون اِس قابل ہے کہ بار بار اُس کو پڑھا جائے اور اُس کے تناظر میں اپنا محاسبہ کیا جائے، اور جو بھی کمی کوتاہی ہو اُسے دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل فرمائیں اور اُن کی صفات اپنانے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

اِس موقع پر جو صفات ذکر کی گئی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) وہ عاجزی اور تواضع اختیار کرتے ہیں۔ (۲) وہ جھک بازی سے پرہیز کرتے ہیں۔ (۳) وہ راتوں کو عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ (۴) وہ جہنم کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں۔ (۵) وہ فضول خرچی نہیں کرتے۔ (۶) وہ بخیل نہیں ہیں۔ (۷) وہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ (۸) وہ کسی طرح کا شرک نہیں کرتے۔ (۹) وہ کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے۔ (۱۰) وہ زناکار نہیں ہیں۔ (۱۱) وہ گناہوں پر سچی توبہ کرنے والے ہیں۔ (۱۲) وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ (۱۳) وہ لغویات سے پرہیز کرتے ہیں۔ (۱۴) وہ نصیحت کی باتوں کو قبول کرتے ہیں۔ (۱۵) وہ اپنے گھر والوں اور نسلوں کے دین وایمان کے بارے میں فکرمند رہتے ہیں۔

اَب ہم ذیل میں اِن سب صفات کی قدرے وضاحت پیش کرتے ہیں:

پہلا باب:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا ○

[الفرقان، جزء آیت: ٦٣]

تواضع وانکساری

پہلی فصل:

تواضع اور نرم روی

اللہ کے خاص بندوں کی صفات میں سب سے اہم صفت تواضع وانکساری ہے، یعنی آدمی خود اپنی بڑائی کا متمنی نہ رہے اور دل سے اپنے آپ کو کم تر سمجھتا رہے، اور اپنی چال ڈھال، رہن سہن اور برتاؤ سے ہر وقت عاجزی کا مظاہرہ کرتا رہے۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کا پیارا بندہ بن جاتا ہے، اِسی لئے ایسے بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ اِرشاد فرمایا:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا. (الفرقان ٦٣) — اور رحمٰن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں۔

واضح ہو کہ تواضع کا تعلق اصل میں دل کی کیفیت اور جذبات سے ہے؛ لیکن اس کے اثرات آدمی کے ظاہری برتاؤ سے نمایاں ہوتے ہیں، پس اِتراہٹ والی چال آدمی کے متکبر اور مغرور ہونے کا پتہ دیتی ہے، جب کہ مسکنت اور عاجزی والا انداز اس کی دلی مسکنت اور تواضع پر دلیل بنتا ہے۔ اِسی لئے سورۂ لقمان میں حضرت لقمان حکیم کی اپنے بیٹے کو نصیحتوں کے ضمن میں ایک جملہ یہ بھی آیا ہے کہ: ﴿وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ﴾ [لقمان، جزء آیت: ١٩] یعنی اے بیٹے! اپنی چال درمیانی رکھا کرو۔ اِس کی تفسیر فرماتے ہوئے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اِس سے مراد متواضعانہ چال ڈھال ہے۔ (روح المعانی ۱۳۸/۲۱)

اِسی طرح مذکورہ آیت میں دبے پاؤں چلنے سے مراد بھی تواضع وانکساری کا اظہار ہے، پس جو شخص بھی متواضع ہوگا وہ کبھی بھی لوگوں کے سامنے اکڑ کر نہیں چلے گا؛ بلکہ اُس کو دیکھ کر لوگ اندازہ لگالیں گے کہ یہ آدمی نرم خو اور متواضع ہے، اور ایسی اَدا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ أَوْحىٰ إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لاَ يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ وَلاَ يَبْغِي أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ.

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی ہے کہ عاجزی اختیار کرو تا آں کہ کوئی شخص دوسرے کے مقابلہ میں نہ تو فخر کرے اور نہ ظلم کرے۔

(صحيح مسلم رقم: ٢٨٦٥، سنن أبي داؤد رقم: ٤٨٩٥، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٤٣٩٠ بيت الأفكار الدولية)

روایت ہے کہ سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دن منبر پر خطبہ دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ: اے لوگو! تواضع اختیار کرو؛ اِس لئے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اِرشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ نَفْسِهٖ صَغِيْرٌ وَفِيْ أَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيْمٌ، وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ أَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيْرٌ وَفِيْ نَفْسِهٖ كَبِيْرٌ حَتّٰى لَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ أَوْ خِنْزِيْرٍ.

(شعب الإيمان للبيهقي ٦/ ٢٧٦، مشكاة المصابيح ٢/ ٤٣٤)

جو شخص اللہ کے لئے عاجزی کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے سر بلندی سے نوازتے ہیں، پس وہ شخص اپنی نظر میں کمتر ہوتا ہے؛ لیکن لوگوں کی نظر میں برتر ہوجاتا ہے (اِس کے برخلاف) جو شخص تکبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے ذلیل فرمادیتے ہیں تو وہ لوگوں کی نظر میں کم تر ہوجاتا ہے حالانکہ وہ خود اپنے کو برتر سمجھتا ہے حتی کہ وہ لوگوں کی نگاہ میں کتے اور خنزیر سے بدتر ہوجاتا ہے۔

خادمِ رسول سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام بیماروں کی مزاج پرسی فرماتے، جنازہ میں شرکت فرماتے اور غلام کی دعوت بھی قبول فرمالیتے۔

اور (ضرورت پڑنے پر) دوسرے کو پیچھے بٹھا کر گدھے کی سواری میں بھی عار نہ محسوس فرماتے۔ غزوۂ خیبر اور غزوۂ بنی قریظہ میں آپ ایسے گھوڑے پر سوار تھے جس کی نکیل کھجور کی رسی کی تھی، اور اُس پر کھجور کی چھال سے بنی ہوئی کاٹھی تھی۔ (شعب الایمان ۲/۲۹۰)

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر بے تکلف بیٹھ جاتے، اور زمین پر بیٹھ کر کھانا نوش فرماتے اور بکریوں کو خود باندھ دیتے اور غلام کی دعوت بھی قبول فرمالیتے تھے۔ (شعب الایمان ۱/۲۹۰)

یہ سب باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ ترین تواضع کی روشن دلیل تھیں کہ ہر کمال سے متصف ہونے کے باوجود آپ کی حیات طیبہ ان تکلفات سے قطعاً خالی تھی جو نام نہاد بڑے لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔

حبِ جاہ سے بچیں!

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهِ.

(سنن الترمذي رقم: ٢٣٧٦، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٢٦٦٦)

دو بھوکے حملہ آور بھیڑئے بکریوں کے ریوڑ میں گھس کر اتنا نقصان نہیں پہنچا پاتے جتنا مال اور جاہ کی محبت انسان کے دین کو نقصان پہنچا دیتی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن جبیر خزاعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے دھوپ سے بچاؤ کی غرض سے آپ کے اوپر چادر سے سایہ کر دیا آپ نے سایہ محسوس فرما کر سر مبارک اوپر اٹھایا تو دیکھا کہ چادر سے سایہ کیا گیا ہے، تو آپ نے فرمایا: ''اسے

ہٹاؤ! اور خود اپنے دست مبارک سے چادر کھینچ کر نیچے فرمادی، اور ارشاد فرمایا: ”میں بھی تم جیسا ایک انسان ہوں“۔ (مجمع الزوائد ۲۱/۹)

بلاشبہ یہی وہ سادگی اور بے تکلفی اور مسکنت کا اظہار تھا، جن کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محبوبِ خلائق قرار پائے تھے، اور اِسی جیسے کردار واَخلاق کو اپنا کر اُمت کو بھی عزت اور سربلندی نصیب ہوسکتی ہے۔

خلفاءِ راشدین ﷺ کی تواضع

خلیفۂ اول سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے سے پہلے تک محلّہ والوں کی بکریوں کا دودھ دوہا کرتے تھے۔ جب آپ خلیفہ بن گئے تو محلّہ کی ایک بچی نے کہا کہ ”اب ابوبکر ہمارے جانوروں کا دودھ کہاں نکالیں گے؟“ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: ”کیوں نہیں؟ میں اب بھی تمہارے لئے دودھ دوہا کروں گا، اور مجھے امید ہے کہ میری نئی مصروفیت میرے کسی سابقہ اخلاق میں کوئی تبدیلی نہ کرے گی“، چنانچہ آپ خلیفۂ وقت ہونے کے باوجود محلّہ والوں کے لئے دودھ دوہا کرتے تھے۔ (العلم والعلماء ۱۴۶)

امیر المؤمنین سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ امیر المؤمنین ہونے کے باوجود اون کا جبہ استعمال کرتے تھے جس میں چمڑے کے پیوند لگے ہوتے تھے، اور اپنے کندھے پر کوڑا رکھے خود بازار میں گھومتے اور لوگوں کی (غلطیوں پر) سرزنش کرتے، اور اگر کہیں کھجور کی گٹھلیاں یا سوت وغیرہ پڑا ہوا ملتا تو اسے اٹھا لیتے اور کسی گھر میں ڈال دیتے تاکہ وہ گھر والے اس سے فائدہ اٹھائیں۔ ایک مرتبہ لوگوں نے آپ کو دیکھا کہ اپنے کندھے پر مشک اٹھائے جارہے ہیں (لوگوں کے تعجب پر) آپ نے فرمایا کہ ”میں نے اپنے نفس کو ذلیل کرنے کیلئے ایسا کیا کیونکہ مجھے عُجب کا شبہ ہوگیا تھا“۔ (العلم والعلماء ۱۶۳)

طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ خلیفۃ المسلمین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

جب ملک شام تشریف لے گئے تو راستہ میں ایک نہر عبور کرنے کی ضرورت پیش آئی، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے تکلف اپنی سواری سے اتر گئے، اور موزے اُتار کر ہاتھ میں لے لئے اور اپنے اونٹ کی نکیل پکڑ کر نہر سے پار ہو گئے، یہ منظر دیکھ کر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین! آج تو آپ نے بڑا حیرت ناک عمل کیا؟ (یعنی یہاں کے باشندے تو یہ تصور ہی نہیں کر سکتے کہ ملک کا بادشاہ اس طرح نہر کو پار کرے) تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے پر انگلی چبھوتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''ابو عبیدہ! کاش کوئی اور یہ بات کہتا، اصل بات یہ ہے کہ تم لوگوں میں سب سے کمتر اور ذلیل تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے دین اسلام کے ذریعہ عزت بخشی پھر اب اسلام کے علاوہ میں اپنی عزت کیوں ڈھونڈ رہے ہو؟ (شعب الایمان ۶/۲۹۱)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خلیفۂ وقت ہونے کے باوجود مسجد نبوی میں بے تکلف آرام کرتے ہوئے دیکھا ہے، جب آپ وہاں سے اٹھتے تو صحن کی کنکریوں کے نشانات آپ کے بدن پر ہوتے تھے تو ہم ان کی طرف اشارہ کر کے کہتے: ''یہ ہیں امیر المؤمنین! یہ ہیں امیر المومنین!''۔ (العلم والعلماء ۱۷۴)

امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بعض لوگوں نے دیکھا کہ آپ نے بازار سے گھر کے لئے گوشت خرید کر اپنی چادر میں رکھ لیا اور تشریف لے چلے، ساتھی نے کہا کہ لائیے! حضرت میں اسے اٹھا لوں، آپ نے فرمایا: ''نہیں، گرہستی والا ہی اسے اٹھا کر لے جانے کا زیادہ حق دار ہے''۔ (احیاء العلوم ۳/۲۱۴)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عبرت آموز کردار کی چند جھلکیاں

حضرت عبد اللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ایندھن کا ایک گٹھر اٹھائے اپنے باغیچہ سے باہر نکلے، لوگ اُنہیں دیکھ کر بولے کہ: حضرت! آپ یہ کام اپنے کسی لڑکے یا غلام سے لے لیتے، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ: میں اپنے دل کو آزما رہا ہوں کہ یہ عمل مجھے برا تو نہیں لگتا، (یعنی

اگر نفس پر شاق ہوگا تو تواضع کے خلاف ہوگا)۔ (شعب الایمان ۶/۲۹۲، کتاب الزہد ۲۸۷)

خانوادۂ نبوت کے چشم و چراغ، سیدنا علی ابن الحسین زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی جب وفات ہوئی تو آپ کو غسل دینے والوں نے آپ کی کمر مبارک پر کالے کالے گٹے دیکھے تو گھر والوں سے پوچھا کہ یہ کیسے نشانات ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ اُن آٹے کے تھیلوں کے نشانات ہیں جنہیں حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ رات کے وقت کمر پر لاد کر لے جاتے اور مدینہ منورہ کے فقیروں کو تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ (العلم والعلماء ۲۷۲)

خلیفہ راشد سیدنا حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص رات میں مہمان ہوا، آپ چراغ کی روشنی میں کچھ لکھ رہے تھے اتنے میں چراغ بجھنے لگا، مہمان نے کہا کہ: لایئے! میں اسے ٹھیک کردوں، (یعنی اس میں تیل وغیرہ ڈال دوں) حضرت عمر ابن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ: ''مہمان سے خدمت لینا اچھی بات نہیں ہے''، مہمان نے عرض کیا کہ حضرت! پھر کسی غلام کو آواز دیں، وہ چراغ درست کر لائے گا، آپ نے فرمایا کہ: ''نہیں، وہ ابھی تو سویا ہے'' (اس کی نیند کچی ہے) پھر آپ خود اٹھے اور شیشی سے تیل نکال کر چراغ میں ڈالا، (اور اسے درست کیا) مہمان نے تعجب سے کہا کہ اے امیر المؤمنین! آپ نے خود ہی یہ زحمت اٹھائی، اس پر حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ نے جواب دیا کہ: ''جب میں گیا تو بھی عمر ہی تھا، اور لوٹا تو بھی عمر ہی رہا، میرے اندر کوئی کمی تو نہیں ہوئی، اور سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو اللہ کے نزدیک متواضع ہو''۔ (احیاء العلوم ۳/۲۱۴)

تواضع کے بارے میں چند قیمتی اَقوال واَحوال

اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ''اے لوگو! تم افضل ترین عبادت یعنی تواضع سے لاپروائی برت رہے ہو''۔ (کتاب الزہد ۱۳۲)

صحابی رسول حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان اس وقت تک ایمان کے کمال کو حاصل نہیں کرسکتا جب تک کہ اس کے نزدیک تواضع شرافت سے زیادہ

افضل اور پسندیدہ نہ ہو جائے، اور تھوڑی دنیا زیادہ مال کے مقابلہ میں اسے عزیز نہ ہو جائے، اور حق بات میں اس سے محبت یا بغض رکھنے والے دونوں اس کی نظر میں برابر نہ ہو جائیں، اور وہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی اسی طرح فیصلہ کرے جیسے اپنے اور اپنے گھر والوں کے حق میں کرتا ہے۔ (کتاب الزہد بروایۃ نعیم ۵۲)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "تواضع لوگوں کے دلوں میں محبت کی تخم ریزی کرتی ہے، اور قناعت سچی راحت عطا کرنے کا ذریعہ ہے"۔ (العلم والعلماء ۲۲۲)

حضرت ابو حازم کہتے ہیں کہ جب تک تین باتیں کسی میں نہ پائی جائیں وہ عالم کہلانے کا مستحق نہیں ہے:

(۱) اپنے سے بڑے سے بغاوت نہ کرے۔

(۲) اپنے سے چھوٹے کو حقیر نہ سمجھے۔

(۳) اپنے علم پر کسی سے معاوضہ کا طالب نہ رہے۔ (العلم والعلماء ۲۶۵)

عالم جلیل حضرت اِمام سفیان ثوریؒ اپنی جلالت شان کے باوجود مجلس میں امتیازی جگہ بیٹھنا پسند نہ فرماتے؛ بلکہ کسی بھی کنارے پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے اور ہمیشہ پیر موڑ کر تواضع سے بیٹھتے۔ (مجلس میں پیر نہ پھیلاتے تھے کہ یہ تکبر کی نشانی ہے) (العلم والعلماء حاشیہ ۳۵۸)

زید ابن حبیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ عالم اور فقیہ کے لئے یہ فتنہ ہے کہ وہ دوسرے کی گفتگو سننے کے مقابلہ میں اپنی بات کہنا زیادہ پسند کرتا ہو، باوجودیکہ وہ ایسے کو پائے جو اس کی طرف سے گفتگو کی کفایت کر سکے، (یعنی دوسرے اہل شخص کی موجودگی میں بھی اپنی بات کہنا ضروری خیال کرے؛ تاکہ لوگ اس کے علم کے قائل ہو سکیں) (کتاب الزہد ۱۶)

نصر بن حاجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ "عمر ابن ذر" کی تقریر سننے تشریف لے جاتے اور اس میں کوئی عار نہ محسوس کرتے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے دیکھا کہ آپ تقریر اور وعظ غور سے سن رہے ہیں اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ (عقود الجمان ۲۲۹)

درج بالا باتوں کو سامنے رکھ کر آج ہمیں خود اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ آج تواضع کا دعویٰ تو بہت ہے؛ لیکن حقیقی تواضع بس کسی کسی کو ہی نصیب ہے، ہر طرف تنافس تعلّی اور دوسروں پر برتری کی ایک ہوڑ لگی ہوئی ہے، جس نے زندگی کا مزہ کرکرا کر کے رکھ دیا ہے، اور اِیمانی صفات کی حلاوت وچاشنی سے دل محروم ہو چکے ہیں، ظاہرداری میں تو سب کچھ ہے؛ لیکن دلوں کا کھوکھلا پن اِس قدر ہے کہ چھپائے نہیں چھپ رہا۔ ایسے ماحول میں ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم سنجیدگی سے صورتِ حال پر غور کریں، اور اپنے حالات کو درست کرنے کی فکر کریں، بے شک سچی طلب ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق بھی ضرور ملے گی، اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم سے ہمیں سبھی ایمانی صفات اپنانے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

دوسری فصل:

کبروغرور سے اجتناب کریں!

اللہ تبارک وتعالیٰ کو کبروغروراور متکبرانہ انداز ہرگز پسند نہیں ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

وَلاَ تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلاَ تَمْشِ فِیْ الْاَرْضِ مَرَحًا، اِنَّ اللّٰہَ لاَ یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ. (لقمان: ۱۸)

اور لوگوں کے سامنے اپنے گال مت پھلاؤ (تکبر کا اظہار مت کرو) اور زمین میں اکڑکر مت چلو، یقیناً اللہ تعالیٰ کو اترانے والا اور شیخی بگھارنے والا شخص پسند نہیں آتا۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا:

وَلاَ تَمْشِ فِیْ الْاَرْضِ مَرَحًا، اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلاً. (بنی اسرائیل: ۳۷)

اور زمین پر اِتراتے ہوئے مت چلو، تم زمین کو پھاڑ مت ڈالوگے، اور نہ پہاڑوں کی لمبائی تک پہنچ پاؤگے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَیْسَ فِیْ جَھَنَّمَ مَثْوًی لِلْمُتَکَبِّرِیْنَ. (الزمر، جزء آیت: ۶۰)

کیا دوزخ متکبرین کا ٹھکانا نہیں ہے۔

نیز ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّہٗ لاَ یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ. (النحل، جزء آیت: ۲۳)

بے شک اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

اور اَحادیثِ شریفہ میں بھی بکثرت کبر وغرور کی مذمت وارد ہوئی ہے، چند روایات ذیل میں درج ہیں:

کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کو زیب دیتی ہے

(۱) سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَلْكِبْرِيَآءُ رِدَائِي، وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي، فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ. (سنن أبي داؤد رقم: ٤٠٩٠، جامع المهلكات ص: ٤٠٩)

کبریائی میری چادر اور عظمت میری اِزار ہے، پس جو شخص اِن میں سے کوئی چیز مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا، میں اُس کو جہنم میں پھینک دوں گا۔

یعنی کبرائی اور بڑائی دونوں اللہ تعالیٰ کی خاص صفات ہیں، جن میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا: ﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [الجاثية، جزء آيت: ٣٧] اَب مخلوقات میں سے جو شخص بھی اِس کبریائی کو اپنے لئے ثابت کرے گا، تو یہ بات اللہ تعالیٰ کو ہرگز گوارا نہیں ہوسکتی۔ اِس کی مثال دیتے ہوئے حکیم الامت حضرت اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ''یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی حقیر غلام؛ بادشاہ کا خصوصی تاج سر پر رکھ کر اُس کی مسند پر بیٹھ جائے، تو وہ یقیناً بادشاہ کی نظر میں سخت گستاخی کا مرتکب اور سخت سے سخت سزا کا مستحق ہوگا''۔ اِسی طرح جو شخص تکبر کا اِرتکاب کرے گا، اُس کا انجام جہنم کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ (احیاء العلوم للامام الغزالی، المکتبۃ الشاملۃ)

متکبر شخص جنت میں نہ جائے گا

(۲) سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ. (صحيح مسلم رقم: ١٤٩، سنن أبي داؤد رقم: ٤٩١، جامع المهلكات ص: ٤١٠)

جس شخص کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی کبر وغرور ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ متکبر شخص اپنے تکبر کی سزا بھگتے بغیر جنت میں داخل نہ ہوسکے گا، اَب اگر وہ شخص کافر ہے تو اپنے کفر کی بنیاد پر وہ کبھی جنت میں نہ جاسکے گا، اور اگر وہ متکبر شخص مؤمن ہے تو اُمید ہے کہ سزا بھگتنے کے بعد اپنے ایمان کی بنیاد پر وہ بالآخر جنت میں داخلہ کا مستحق ہوگا، جیسا کہ اَحادیثِ شفاعت سے معلوم ہوتا ہے۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

متکبرین کا ٹھکانہ جہنم ہے

(۳) سیدنا حضرت حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ، كُلُّ ضَعِيْفٍ مُتَضَعِّفٍ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهٗ، أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ! كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ. (صحيح البخاري رقم: ٤٩١٨، صحيح مسلم رقم: ٢٨٥٣، جامع المهلكات ص: ٤١٠)

کیا میں تمہیں جنتیوں کے بارے میں نہ بتلاؤں؟ وہ (اکثر) ہر کمزور اور حقیر سمجھے جانے والے لوگ ہیں، وہ اگر اللہ کے نام پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسم پوری فرمادیتے ہیں، اور کیا میں جہنمیوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو سخت جھگڑالو، ترش رو اور متکبر ہیں۔

اِس حدیث میں جنتیوں کی دو صفات بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ وہ خود ضعیف ومسکین ہوتے ہیں، اور دوسرے یہ کہ لوگ اُن کو فقر وغربت کی بنا پر حقیر سمجھتے ہیں، حالاں کہ اُن کا اللہ کی نظر میں یہ مقام ہے کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھا کر کوئی بات کہہ دیں تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسم کی لاج رکھتے ہوئے اُن کی آرزو پوری فرمادیتے ہیں۔

اِس کے برخلاف جہنمیوں کی تین صفات بیان کی گئی ہیں:

الف:- وہ شدید قسم کے جھگڑالو ہوتے ہیں۔

ب:- وہ سخت مزاج اور اکھڑ ہوتے ہیں۔

ج:- وہ کمینہ صفت ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کی نظر میں مبغوض اور قابلِ لعنت ہیں، جن کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

(۴) سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَهْلَ النَّارِ كُلُّ جَعْظَرِيٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ، جَمَّاعٍ مَنَّاعٍ، وَأَهْلُ الْجَنَّةِ الضُّعَفَاءُ الْمَغْلُوبُوْنَ.

جہنمی لوگ وہ ترش رو، سخت گیر، متکبر، مال کے حریص اور بخیل لوگ ہیں، اور اہل جنت اکثر کمزور اور مغلوب لوگ ہوں گے۔

(المسند للإمام أحمد بن حنبل رقم: ۷۰۳۰، جامع المهلكات ص: ٤١٠)

اِس روایت میں جہنمیوں کی پانچ صفات بیان ہوئی ہیں:

(۱) وہ سخت گیر ہوتے ہیں۔

(۲) وہ اترا کر چلنے والے ہیں۔

(۳) وہ اُونچی ناک والے ہیں۔

(۴) وہ پرلے درجہ کے لالچی اور حلال حرام کی تمیز کے بغیر مال جمع کرنے والے ہیں۔

(۵) وہ حقوقِ خداوندی کی ادائیگی میں پرلے درجہ کے بخیل اور کنجوس واقع ہوئے ہیں۔

یہ سب صفات انتہائی ناپسندیدہ ہیں، جن سے بچنا ہر انسان پر لازم ہے۔

اِن روایات سے معلوم ہوا کہ مغرور شخص جس کی پہچان یہ ہے کہ: ’’وہ حق کا انکار کرتا ہو، اور دوسرے لوگوں کو اپنے سے حقیر سمجھتا ہو‘‘۔ (مشکوٰۃ شریف ۴۳۳/۳) ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی نظر میں

سخت مبغوض ہے، دنیا اور آخرت میں ذلت اُس کا مقدر ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابلیس کا ذکر فرماتے ہوئے اُس کی ہٹ دھرمی، اِنکار اور حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں اپنی برتری کے اظہار کی بنا پر اُسے تا قیامت ملعون قرار دیا گیا۔ نیز اِرشاد فرمایا:

وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ. (ص: ۷۸) یعنی تجھ پر قیامت تک لعنت ہے۔

اِسی کو شیخ سعدیؒ نے فرمایا:

تکبر عزازیل را خوار کرد ❖ بزندانِ لعنت گرفتار کرد

ترجمہ:- تکبر نے عزازیل (شیطان ابلیس) کو ذلیل کر ڈالا، کہ اس تکبر نے اُسے لعنت کی قید میں گرفتار کروادیا۔

تیسری فصل:

تکبر کے درجات

حضرت اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عام طور پر متکبرین میں تکبر کے کئی درجات پائے جاتے ہیں:

(۱) پہلا درجہ یہ ہے کہ اُن کے دل میں اپنی بڑائی ہوتی ہے، اور وہ اپنے کو دوسروں سے برتر سمجھتے ہیں؛ لیکن وہ بالقصد کوشش کر کے لوگوں کے سامنے تواضع اور انکساری کا اظہار کرتے رہتے ہیں، ایسے لوگوں کے دل میں تکبر کے درخت کی جڑ تو موجود رہتی ہے؛ لیکن وہ اُس درخت کے سب پتے کاٹ کر رکھتے ہیں، یہ تکبر کا ادنی درجہ ہے۔

(۲) دوسرے وہ لوگ ہیں جن کا دلی کبر اُن کے افعال اور اقوال سے بھی ظاہر ہو جاتا ہے، مثلاً وہ لوگوں سے ترش روئی کے ساتھ پیش آتے ہیں، یا بے نیازی کا اظہار کرتے ہیں، اور ہر وقت اُن کی زبانوں پر اپنے مفاخر کا تذکرہ رہتا ہے۔ بلاشبہ ایسے لوگ سخت دھوکے اور غرور میں مبتلا ہیں، وہ اگرچہ اپنے کو عالم یا عابد سمجھیں؛ لیکن وہ علم وعبادت کے تقاضوں سے کوسوں دور ہیں۔

(۳) اور سب سے پرلے درجے کے متکبر وہ لوگ ہیں جو اپنے حسب ونسب کی بنیاد پر دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں، حتیٰ کہ عام لوگوں کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا بھی اُنہیں گوارا نہیں ہوتا۔ اور وہ ہر وقت اپنے آباء واجداد کا نام لے کر فخر کرتے رہتے ہیں، حالاں کہ اِسلام کی نظر میں اِیمان وعمل کے بغیر حسب ونسب کی کوئی حیثیت نہیں۔

اِسی طرح بعض لوگ اپنی مالی وسعت کی بنیاد پر یا حسن وجمال کی بنیاد پر یا اپنے

شاگردوں اور متعلقین کی کثرت کی بنیاد پر اپنے کو دوسروں سے برتر سمجھتے ہیں۔ یہ سب باتیں اللہ کی نظر میں ناپسند ہیں، جن سے بچنا چاہئے۔ (تلخیص از: احیاء العلوم، المکتبۃ الشاملۃ)

تکبر کے اَسباب

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تکبر جہاں بھی پایا جائے گا وہاں درج ذیل چار اسباب میں سے کوئی سبب ضرور موجود ہوگا:

(۱) عُجب:- یعنی اپنے کو دوسروں سے اچھا سمجھنا، اِس کی بنیاد پر آدمی خواہ مخواہ اپنی بڑائی کے زعم میں مبتلا ہوجاتا ہے، اور یہ بدترین بدخلقی ہے۔

(۲) کینہ:- کبھی اِس وجہ سے آدمی تکبر میں مبتلا ہوتا ہے کہ اُس کا کوئی ہم عصر شخص اُس سے زیادہ فضیلت کا مستحق بن جاتا ہے، تو یہ متکبر شخص بلا وجہ اُس کی دشمنی دل میں بٹھالیتا ہے، اور اُس پر اپنی بڑائی کا اظہار کرتا رہتا ہے۔

(۳) حسد:- بعض مرتبہ حسد بھی محسود پر تکبر کا سبب بنتا ہے، حسد کی وجہ سے آدمی ایسی آگ میں جلتا رہتا ہے، جو اُس کی دین داری کو جلا کر خاکستر کردیتی ہے، اور وہ حق کو قبول کرنے سے انکار کرتا رہتا ہے۔

(۴) ریاکاری:- بعض مرتبہ محض اپنی فضیلت کے اظہار کے لئے آدمی اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے، ایسا شخص ہر وقت ایک طرح سے احساسِ کمتری میں مبتلا رہتا ہے، کہ کہیں اُس کی عزت میں فرق نہ آجائے؛ لیکن تجربہ یہ ہے کہ انجام کار ایسے شخص کو ذلت ہی سے دوچار ہونا پڑتا ہے، حقیقی عزت اُسے حاصل نہیں ہوپاتی۔ (تلخیص از: احیاء العلوم، المکتبۃ الشاملۃ)

تکبر کے مظاہر

تکبر میں مبتلا لوگوں سے تکبر کا اظہار اکثر درج ذیل صورتوں میں ہوتا ہے:

(۱) متکبر شخص اِس بات کو پسند کرتا ہے کہ جب وہ کسی مجمع میں پہنچے تو لوگ کھڑے ہوکر اُس کا استقبال کریں۔

(۲) متکبر شخص یہ چاہتا ہے کہ لوگ اُس کے گھر پر آ کر خود اُس سے ملیں، اور دوسروں کے گھر پر جا کر ملنے سے اُسے تکلف ہوتا ہے، جب کہ یہ بات تواضع کے خلاف ہے۔

(۳) متکبر شخص اپنے قریب کسی کو بٹھانے سے ناگواری محسوس کرتا ہے، اور یہ چاہتا ہے کہ سب حاضرین اُس کے سامنے بیٹھیں، اُس کے برابر میں نہ بیٹھیں۔

(۴) متکبر شخص اپنا گھریلو کام کرنے کو بھی اپنی مزعومہ عزت کے خلاف سمجھتا ہے۔

(۵) متکبر شخص اپنے ہاتھ میں سودا سلف اور سامان لے کر لوگوں کے سامنے چلنے کو بھی گوارا نہیں کرتا۔

(۶) متکبر شخص کو اگر کوئی برا بھلا کہے تو وہ اُسے ہرگز برداشت نہیں کرتا، اور فوراً اُس کے انتقام کے درپے ہو جاتا ہے۔ (مستفاد وتلخیص از: احیاء العلوم، مکتبۃ الشاملۃ)

تکبر کا علاج کیسے ہو؟

حضرت اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تکبر ایک بدترین روحانی بیماری ہے، اِس کا علاج فرضِ عین ہے، جو محض تمنا سے ممکن نہیں؛ بلکہ اُس کے لئے دو طرح کی تدبیریں اختیار کرنا ضروری ہے:

(۱) اول یہ کہ آدمی خود اپنی حیثیت جانے اور اپنی کمزوریوں پر نظر رکھے، جس قدر آدمی کو اپنی ذات کی معرفت حاصل ہوگی، اُتنا ہی اُس کی نظر میں اُس کی ذلت ظاہر ہوتی چلی جائے گی؛ اِس لئے کہ انسان کا کوئی بھی ظاہری یا باطنی کمال حقیقی اور ذاتی نہیں ہے؛ بلکہ سب کا سب عطاءِ خداوندی ہے، اور حقیقی اور ذاتی کمال تو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کو حاصل ہے۔ جب یہ حقیقت آدمی کے دل نشین ہوگی اور وہ اپنی ابتداء اور انتہاء کا خیال کرے گا کہ اُس کی تخلیق کیسی ناپاک چیز سے ہوئی، اور اُس کا انجام مٹی میں ملنا مقدر ہے، تو ایسا شخص کبھی بھی اپنے کو برتر سمجھنے کا خیال دل میں نہیں لائے گا۔

(۲) دوسری تدبیر یہ ہے کہ آدمی بالارادہ متواضعین کے اخلاق کو اختیار کرنے کی کوشش کرے۔ اور گو کہ نفس پر شاق ہو؛ لیکن ہر مرحلے میں اظہارِ تکبر سے پوری طرح بچے۔

متکبرین اپنا محاسبہ کریں!

الف:- جو شخص نسب کے اعتبار سے کبر میں مبتلا ہو، وہ یہ سوچے کہ آخر اپنے آباء واجداد کے کمال کی بنیاد پر وہ خود کیسے معزز ہوسکتا ہے؟ کیوں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اچھی صفات والے باپ کا بیٹا بھی اُنہیں صفات کا حامل ہو، جیسا کہ کسی عربی شاعر نے کہا ہے:

لَإِنْ فَخَرْتَ بِآبَاءِ ذَوِي شَرَفٍ ❖ لَقَدْ صَدَقْتَ وَلٰكِنْ بِئْسَ مَا وَلَدُوْا

ترجمہ :- اگر تم عزت وشرافت والے آباء واجداد کے ذریعہ فخر کرو، تو اگر چہ تم نے سچ کہا؛ لیکن بات یہ ہے کہ اُنہوں نے (تم جیسی) بہت بری اولاد کو جنم دیا ہے۔

دوسرے یہ کہ وہ شخص یہ بھی سوچے کہ اُس کے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی اور خود اُس کی پیدائش ایک ناپاک قطرے سے ہوئی ہے، اور پھر ماں کے پیٹ میں اُس کی پرورش ناپاک خون سے کتنی گندگیوں کے درمیان انجام پائی، تو بھلا ایسے آدمی کو بڑائی کیسے زیب دے سکتی ہے؟

ب:- اور جو آدمی اپنے حسن و جمال کی بنیاد پر تکبر میں مبتلا ہو تو اُسے اپنی ذات کے اندر موجود غلاظتوں اور گندگیوں پر نظر ڈالنی چاہئے کہ اُس کے بدن میں کتنی غلاظتیں جمع ہیں، جو اگر ظاہر ہو جائیں تو اُن سے لوگ گھن کریں، تو اِن گندگیوں کے موجود رہتے ہوئے محض چہرے کی خوب صورتی بڑائی کا سبب کیسے بن سکتی ہے؟

نیز یہ چہرے کی خوب صورتی بھی عارضی ہے، اگر چیچک نکل آئے، یا چہرہ زخمی ہو جائے، یا کوئی اور حادثہ پیش آجائے تو ساری خوب صورتی منٹوں میں کافور ہو جائے گی، تو پھر اِس پر تکبر کرنے کا کیا مطلب؟ اِس پر تو صرف اظہارِ شکر ہونا چاہئے۔

ج:- اِسی طرح اگر کسی کو اپنی طاقت وقوت پر ناز ہو تو وہ یہ سوچے کہ یہ ساری قوت محض عارضی اور فانی ہے، اگر اُس کے ہاتھ یا بدن کی کوئی رگ کام کرنا چھوڑ دے، تو وہ عاجز ترین اور ذلیل ترین انسان بن جائے۔ اور اگر کوئی مچھر یا پسّو اُس کی ناک میں گھس جائے تو اُس کو موت

کے دہانے تک پہنچادے۔ اِسی طرح اگر وہ بخار میں مبتلا ہو جائے تو ساری طاقت چند دنوں میں تحلیل ہو جائے۔

پھر یہ بھی سوچے کہ اگر آدمی میں اچھے اخلاق نہ ہوں تو محض طاقت وقوت سے کیا عزت مل سکتی ہے؟ کیوں کہ بہت سے جانور مثلاً گدھے، بیل، ہاتھی اور اونٹ وغیرہ میں اِنسان سے زیادہ قوت ہوتی ہے، تو کیا محض طاقت وقوت کی بنیاد پر وہ جانور اِنسان سے زیادہ شرافت کے مالک ہیں؟

د:- اِسی طرح جو آدمی اپنے مال اور حامیوں کی کثرت کی بنیاد پر تکبر کرتا ہے، اُسے یہ سوچنا چاہئے کہ اِس کی تکبر کی بنیاد انتہائی کمزور ہے؛ کیوں کہ اُس نے دوسری چیزوں پر اپنی بڑائی کی بنیاد قائم کررکھی ہے، مثلاً کسی کو اپنے گھوڑے پر ناز ہے، تو گھوڑا مرجائے تو یہ ذلیل کا ذلیل رہ جائے۔ کسی کو اپنے گھر پر ناز ہے، اگر گھر ٹوٹ جائے تو اِس کی ساری عزت جاتی رہے۔ اسی طرح کسی بادشاہ کو اپنی کرسی پر ناز ہے، کرسی جاتی رہے تو ساری عزت خاک میں مل جائے۔ الغرض جو عزت دوسری چیزوں پر منحصر ہو، وہ حقیقی عزت کہلائے جانے کے لائق نہیں، تو اُس پر تکبر کا کیا مطلب؟

علم پر غرور زیادہ خطرناک ہے

ہ:- اور جو آدمی اپنے علم پر مغرور ہو، اُس کا معاملہ بہت نازک ہے، اور اُس کے مرض کا علاج بھی بہت مشکل ہے، اُس کے لئے مضبوط ہمت اور سخت جدوجہد کی ضرورت ہے، ایسے شخص کو اولاً یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ عالم کی غلط روی اللہ کی نظر میں جاہل کی کج روی کے مقابلہ میں زیادہ سخت ہے۔ اور آدمی کا علم اگر اُسے اپنی معرفت نہ کراسکے تو یہ علم کس کام کا؟ اور جس علم سے خشیت اور خضوع کی کیفیت حاصل نہ ہو، وہ دراصل علم ہی کہلائے جانے کے لائق نہیں، اِس لئے عالم کو ہر وقت اوروں سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی ضرورت ہے، یہی ڈر اُس کو تکبر جیسے رذائل سے بچانے میں مددگار بن سکتا ہے۔ عالم کو سمجھنا چاہئے کہ بڑائی

صرف اللہ تعالیٰ کو زیب دیتی ہے، کسی بھی مخلوق کو خواہ وہ کتنی ہی خوبیوں والی کیوں نہ ہو؟ بڑائی زیب نہیں دیتی۔ نیز عالم کو اِس بات سے بھی ڈرنا چاہئے کہ کہیں خدانخواستہ اُس کی کج روی اُس کی بدانجامی کا سبب نہ بن جائے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ: ''آدمی کی عقل اُس وقت تک کامل نہیں ہوسکتی، جب تک کہ اُس میں دس باتیں نہ پائی جائیں۔ اُن میں سے دسویں بات یہ ہے کہ وہ ساری دنیا کو اپنے سے اچھا سمجھے۔ اور اُس کی تفصیل یہ ہے کہ اُس کی نظر میں دنیا کے سب لوگ دو حصوں میں ہوجائیں، ایک اُس سے افضل، اور ایک اُس سے کمتر، اور یہ دونوں طبقوں کے ساتھ تواضع کا اظہار کرے۔ وہ اِس طرح کہ افضل لوگوں کی جماعت میں شامل ہونے کی خواہش رکھے، اور ادنی لوگوں کے بارے میں یہ خوش گمانی رکھے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ اپنی کسی باطنی خوبی کی وجہ سے نجات پاجائیں، اور میں اپنی کسی برائی کی وجہ سے سزا میں گرفتار ہوجاؤں، اِس لئے ہر وقت اللہ کی رحمت کا اُمیدوار رہے اور اُس کے غضب سے ڈرتا رہے، تو یہ آدمی کامل عقل والا کہلائے گا۔ (تلخیص از: احیاء العلوم، المکتبۃ الشاملۃ)

خلاصہ یہ ہے کہ ہر متکبر شخص اپنی بیماری کا احساس کرے، اور پھر اُس کے علاج کی مخلصانہ کوشش کرے، اپنی چال ڈھال میں تواضع کا اظہار کرے، اور رعونت، ہٹ دھرمی اور بے جاسختی سے پرہیز کرے۔ اور بہتر ہے کہ کسی صاحبِ نسبت عارف باللہ بزرگ سے اپنا تعلق قائم کرکے اُس کی ہدایات اور مشوروں پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو ہر سطح پر تکبر سے محفوظ فرمائیں، حقیقی تواضع سے آراستہ فرمائیں، اور مساکین کے ساتھ ہمارا حشر فرمائیں، آمین۔

دوسرا باب:

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○

[الفرقان، جزء آیت: ٦٣]

جھک بازی سے پرہیز

پہلی فصل:

جھک بازی سے بچیں!

اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی دوسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ اُن سے جب کوئی شخص جاہلانہ انداز میں بحث ومباحثہ کرتا ہے، تو وہ اُس کے جواب دینے میں نہیں پڑتے؛ بلکہ خوش اُسلوبی کے ساتھ بے فائدہ بحث ومباحثہ سے اپنا دامن بچالیتے ہیں۔ چناں چہ اِرشاد فرمایا گیا: ﴿وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ [الفرقان: ٦٣] یعنی جب اُن سے جاہل لوگ مخاطب ہوتے ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ ''صاحب سلامت''۔ یعنی ہمارے پاس اِتنا وقت نہیں ہے کہ ہم تمہاری باتوں کا جواب دینے میں اپنے اوقات کو صرف کریں؛ اِس لئے کہ سمجھایا اُسے جاسکتا ہے جو سمجھنے کے لئے آمادہ ہو، پس جو شخص اپنی جہالت کی وجہ سے سمجھنا ہی نہ چاہتا ہو اُس سے بحث ومباحثہ بیکار ہے، اور وقت کا ضیاع ہے۔

دراصل اِس خوبی کا تعلق زبان کی حفاظت سے ہے، کہ آدمی اِس بات کی پوری کوشش کرے کہ اُس کی زبان سے کوئی ایسی گفتگو صادر نہ ہو، جو بعد میں اُس کے لئے نقصان یا اَفسوس کا سبب بنے۔ اُم المؤمنین سیدتنا حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ كَلَامِ ابْنِ آدَمَ هُوَ عَلَيْهِ إِلَّا أَمْرًا بِمَعْرُوْفٍ أَوْ نَهْيًا عَنْ مُنْكَرٍ أَوْ ذِكْرًا لِلّٰهِ. (كتاب الصمت وآداب

آدمی کی ہر گفتگو اُس پر وبال ہے، سوائے اُس گفتگو کے جس کا تعلق امر بالمعروف، نہی عن المنکر یا اللہ کے ذکر سے ہو۔

اللسان: موسوعة رسائل لابن أبي الدنيا ٣٨/٥)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشادفرمایا:

مَنْ كَفَّ لِسَانَهُ سَتَرَهُ عَزَّوَجَلَّ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ مَلَكَ غَضَبَهُ وَقَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَذَابَهُ، وَمَنِ اعْتَذَرَ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ قَبِلَ اللّٰهُ عُذْرَهُ. (كتاب الصمت: موسوعة رسائل لابن أبي الدنيا ٥/٤٤)

جس نے اپنی زبان روک کر رکھی تو اللہ تعالیٰ اُس کی خفیہ باتوں کو چھپا کر رکھیں گے، اور جس آدمی نے اپنے غصہ پر کنٹرول رکھا تو اللہ تعالیٰ اُسے اپنے عذاب سے محفوظ فرمائیں گے، اور جس شخص نے اپنی غلطی پر اللہ کے دربار میں معذرت پیش کی تو اللہ تعالیٰ اُس کی معذرت قبول فرمائیں گے۔

حضرت رکب المصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشادفرمایا:

طُوبىٰ لِمَنْ أَنْفَقَ الْفَضْلَ مِنْ مَالِهٖ وَأَمْسَكَ الْفَضْلَ مِنْ قَوْلِهٖ. (كتاب الصمت وآداب اللسان: موسوعة رسائل لابن أبي الدنيا ٥/٤٤)

خوش خبری ہے اُس شخص کے لئے جو اپنا زائد مال کارِ خیر میں خرچ کرے، اور بشارت ہے اُس شخص کے لئے جو بے ضرورت گفتگو پر کنٹرول رکھے۔

امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكَهُ مَا لَا يَعْنِيهِ. (كتاب الصمت وآداب اللسان: موسوعة رسائل لابن أبي الدنيا ٥/٨٦)

یقیناً اچھے مسلمان ہونے کی علامت یہ ہے کہ آدمی لایعنی باتوں سے پرہیز کرے۔

اور صحابی رسول سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہے کہ: ”آدمی

اُس وقت تک اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق اَدا نہیں کرسکتا، جب تک کہ زبان کو اپنے قابو میں نہ رکھے‘‘۔ (موسوعۃ رسائل ابن ابی الدنیا ۵/۴۰)

اور سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ’’زبان سے ہمیشہ اچھی بات نکالو، تو فائدہ میں رہوگے، اور لغو گفتگو سے خاموش رہو تو شرمندگی اور ہر طرح کے خطرات سے محفوظ رہوگے‘‘۔ (موسوعۃ رسائل ابن ابی الدنیا ۵/۴۲)

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قیمتی مقولہ ہے کہ: ’’جس معاملہ سے تمہارا کوئی تعلق نہ ہو اُس میں دخل مت دو، اور لغو گفتگو مت کرو، اور اپنی زبان کو ایسے محفوظ رکھو جیسے اپنی نقدی کو محفوظ رکھتے ہو‘‘۔ (موسوعۃ رسائل ابن ابی الدنیا ۵/۴۶)

تابعی جلیل حضرت مجاہدؒ اپنے اُستاذِ گرامی رئیس المفسرین سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں کہ اُنہوں نے ارشاد فرمایا:

خَمْسٌ لَهُنَّ أَحْسَنُ مِنَ الدُّهْمِ الْمُوْقَفَةِ:	جس شخص کو پانچ باتیں مل جائیں وہ اُس کے لئے نکیل ڈالے ہوئے گہرے رنگ کے گھوڑوں سے بھی بہتر ہیں:
(۱) لَا تَتَكَلَّمْ فِيْمَا لَا يَعْنِيْكَ؛ فَإِنَّهُ فَضْلٌ. وَلَا آمَنُ مِنْكَ الْوِزْرَ.	(۱) لایعنی گفتگو بالکل مت کرو؛ کیوں کہ وہ فضول ہے؛ بلکہ اُس کے گناہ اور بوجھ ہونے کا بھی خطرہ ہے۔
(۲) وَلَا تَتَكَلَّمْ فِيْمَا يَعْنِيْكَ، حَتّٰى تَجِدَ لَهُ مَوْضِعًا؛ فَإِنَّهُ رُبَّ مُتَكَلِّمٍ فِيْ أَمْرٍ يَعْنِيْهِ، قَدْ وَضَعَهُ فِيْ غَيْرِ مَوْضِعِهِ فَيَعْنَتَ.	(۲) بامقصد گفتگو بھی اُس وقت تک مت کرو، جب تک کہ اُس کیلئے مناسب موقع محل نہ پالو؛ کیوں کہ بسا اَوقات صحیح گفتگو غیر محل میں کرنے کی وجہ سے بھی آدمی مشقت میں پڑ جاتا ہے۔
(۳) وَلَا تُمَارِ حَلِيْمًا وَلَا سَفِيْهًا،	(۳) کسی بردبار یا بے وقوف شخص سے بحث

فَإِنَّ الْحَلِيمَ يَقْلِيكَ، وَإِنَّ السَّفِيهَ يُؤْذِيكَ.

ومباحثہ مت کرو؛ کیوں کہ بردبار شخص تمہاری دشمنی دل میں بٹھالے گا اور بے وقوف شخص تمہارے لئے اَذیت کا باعث ہوگا۔

(٤) وَاذْكُرْ أَخَاكَ إِذَا تَغَيَّبَ عَنْكَ بِمَا تُحِبُّ أَنْ يَذْكُرَكَ بِهٖ، وَاعْفُهُ عَمَّا تُحِبُّ أَنْ يَعْفِيَكَ مِنْهُ.

(۴) اور اپنے غائب بھائی کا تذکرہ ایسے ہی انداز سے کیا کرو، جیسے تم اُس سے اپنا تذکرہ کرانا چاہتے ہو، اور اُس سے اِسی طرح درگذر کا معاملہ کرو، جیسے تم اُس سے اپنے لئے چاہتے ہو۔

(٥) وَاعْمَلْ عَمَلَ رَجُلٍ يَرىٰ أَنَّهٗ مُجَازَى بِالْإِحْسَانِ، مَأْخُوذٌ بِالْإِجْرَامِ. (كتاب الصمت وآداب اللسان: موسوعة رسائل لابن أبي الدنيا ٩٠/٥)

(۵) اور تم ہمیشہ ایسے شخص کی طرح ہر معاملہ کرو، جسے اِس بات کا یقین ہو کہ اُسے اچھائی کا بدلہ مل کر رہے گا، اور برائی کی وجہ سے وہ پکڑا جائے گا۔

مذکورہ بالا اَحادیث وآثار سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ وہی آدمی دنیا میں فتنوں اور آزمائشوں سے محفوظ رہ سکتا ہے جو گفتگو میں ہمیشہ احتیاط سے کام لے، اور بے فائدہ موضوعات سے ہرگز دلچسپی نہ لے، اور بالخصوص جھک بازی اور جھگڑوں کی باتوں سے اپنے کو بچا کر رکھے۔

دوسری فصل:

دینی موضوعات میں جھک بازی زیادہ مضر ہے

افسوس ہے کہ آج کل جہاں مختلف دنیوی موضوعات پر بے فائدہ بحثیں عام ہیں (چناں چہ ہوٹلوں اور چوپالوں پر گھنٹوں گھنٹوں ایسی بحثیں ہوتی رہتی ہیں، جن سے دنیا یا دین کا کوئی فائدہ وابستہ نہیں ہوتا، اور اُس پر طرہ یہ کہ بڑے بڑے اربابِ دانش بھی اِسے معیوب نہیں سمجھتے؛ بلکہ ایسی بحثوں میں سرگرمی کے ساتھ شریک رہتے ہیں) وہیں دینی موضوعات پر بھی عوامی بحث ومباحثہ اور اظہار رائے کو ایک فیشن بنالیا گیا ہے۔ اصل مسئلے اور دلائل سے قطعاً واقفیت نہ ہونے کے باوجود دینی مسائل کے بارے میں ایسی دھویں دھار بحثیں ہوتی رہتی ہیں، گویا سارا اِجتہادی ذخیرہ اُن کی نظروں میں ہو۔ اور پھر اپنے موقف پر ایسا جمود ہوتا ہے کہ اُس کے بالمقابل کتنی ہی مضبوط دلیلیں کیوں نہ پیش کردی جائیں، آدمی اپنی بات سے ہٹنے کو تیار نہیں ہوتا، حالاں کہ معلومات کے بغیر جھک بازی اور حق سامنے آنے کے باوجود محض اپنی بات اوپر رکھنے کے لئے جھوٹی سچی تاویلات کے ذریعہ ضد اور ہٹ دھرمی پر اترے رہنا اور اپنی رائے کی پچ کرتے رہنا بڑی بے عزتی اور دنیا وآخرت میں خسارے کی بات ہے، یہ سراسر نفسانیت ہے، جس کی شریعت میں ہرگز گنجائش نہیں، اس طرح کی خودرائی کی مذمت اَحادیثِ شریفہ میں بکثرت وارد ہے۔ ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللّٰهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمِ. (شعب الإيمان ٣٤٠/٦ رقم: ٨٤٢٩)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مبغوض شخص وہ ہے جو سخت ضدی اور جھگڑالو ہو۔

اور سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ جَادَلَ فِيْ خُصُوْمَةٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَمْ يَزَلْ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ. (كتاب الصمت: موسوعة رسائل لابن أبي الدنيا ١١٣/٥)

جو آدمی کسی جھگڑے میں صحیح معلومات کے بغیر بحث ومباحثہ کرے، وہ مسلسل اللہ کے غضب میں رہتا ہے؛ تا آں کہ اُس جھگڑے سے الگ نہ ہو جائے۔

نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا:

مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوْا عَلَيْهِ إِلَّا أُوْتُوا الْجَدَلَ، ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْآيَةَ : مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ إِلَّا جَدَلاً، بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ.

(سنن الترمذي، التفسير ١٦١/٢ رقم: ٣٢٥٣، مسند أحمد رقم: ٢٢٢٢٦)

کوئی بھی قوم اپنی ہدایت سے اسی وقت بھٹکتی ہے جب کہ ان میں (باطل موقف پر) جھک بازی اور ہٹ دھرمی شروع ہو جائے، پھر پیغمبر علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے) ان لوگوں (اہل مکہ) نے آپ سے جو مثال بیان کی ہے وہ محض جھگڑنے کے لئے ہے؛ بلکہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں۔

اور حضرت بلال بن سعد رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ لَجُوْجاً مُمَارِياً مُعْجِباً بِرَأْيِهٖ فَقَدْ تَمَّتْ خَسَارَتُهٗ.

(شعب الإيمان ٣٤١/٦ رقم: ٨٤٣٥)

جب تم کسی کو اپنی بات پر پیچ کرنے والا جھگڑالو اور اپنی رائے کو سب سے اچھا سمجھنے والا دیکھو تو سمجھ لو کہ اس کا نقصان اپنی انتہاء کو پہنچ گیا ہے۔

امام شعبی رحمہ اللہ کا مقولہ ہے:

أَلْمِرَاءُ يُفْسِدُ الصَّدَاقَةَ الْقَدِيْمَةَ وَيَحُلُّ الْعُقَدَ الْوَثِيْقَةَ.

(شعب الإيمان ٣٤١/٦)

جھک بازی پرانی دوستی کو خراب کر دیتی ہے، اور بند گرہوں کو کھول دیتی ہے۔

علاوہ ازیں علماء کو بھی یہ بات اچھی طرح سمجھنی چاہیے کہ دینی معلومات اِس لئے نہیں حاصل کی جاتیں کہ اُن کے ذریعہ جھک بازی کی جائے اور اپنی علمی دھاک لوگوں پر قائم کی جائے، جو اپنے علم سے ان حقیر مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اس کا انجام جہنم ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا:

لَا تَعَلَّمُوْا الْعِلْمَ لِتُبَاهُوْا بِهٖ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِتُمَارُوْا بِهٖ السُّفَهَاءَ، أَوْ لِتَصْرِفُوْا بِهٖ وُجُوْهَ النَّاسِ إِلَيْكُمْ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَهُوَ فِي النَّارِ. (سنن ابن ماجة ۲۳رقم: ۲۵٤، معارف القرآن ٤۳۱/۵)

علماء پر بڑائی جتانے، بے وقوفوں سے جھک کرنے یا اپنی جانب لوگوں کو متوجہ کرنے (اپنا معتقد بنانے) کی غرض سے علم مت سیکھو؛ کیوں کہ جو ایسا کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اسی طرح کسی دوسرے عالم کو زبردستی اپنی رائے ماننے پر مجبور بھی نہیں کیا جاسکتا؛ بلکہ مناسب انداز میں اپنی بات پیش کردینی چاہئے، پھر اگر مان لی جائے تو بہت اچھا، ورنہ یہ نہ ہو کہ بس پیچھے ہی پڑ گئے اور اپنی ساری صلاحیت اپنی بات کو برتر ثابت کرنے پر جھونک دی، یہ بات بجائے خود علمی آداب اور عالمانہ طور طریقے کے خلاف ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

اَلْمِرَاءُ وَالْجِدَالُ فِي الْعِلْمِ يَذْهَبُ بِنُوْرِ الْعِلْمِ عَنْ قَلْبِ الْعَبْدِ وَقِيْلَ لَهٗ: رَجُلٌ لَهٗ عِلْمٌ بِالسُّنَّةِ فَهَلْ يُجَادِلُ عَنْهَا؟ قَالَ: لَا وَلٰكِنْ يُخْبِرُ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ قُبِلَ مِنْهُ وَإِلَّا سَكَتَ. (مقدمه أوجز المسالك ۱۵/۱ قديم، معارف القرآن ٤۳۱/۵)

علم میں جھگڑا اور پیچ بازی آدمی کے دل سے علم کے نور کو مٹادیتی ہے، اور امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ کسی شخص کے پاس حدیث اور سنت کا علم ہو تو کیا وہ اس کی روشنی میں مناظرہ کرسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: "نہیں؛ بلکہ اپنی روایت لوگوں کے سامنے پیش کردے اگر قبول کرلی جائے تو بہت اچھا ورنہ خاموش رہے"۔ (جھک نہ کرے)

خلاصہ یہ کہ ہم اپنے قیمتی لمحات کو فضول اور بے فائدہ بحثوں میں ہرگز ضائع نہ کریں، خاص کر دینی مسائل میں خواہ مخواہ کی موشگافیوں سے پوری طرح پرہیز کریں، اور سلامت روی کی راہ کو کبھی نہ چھوڑیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر طرح کی کج فکری سے محفوظ فرمائیں، آمین۔

تیسرا باب:

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ○

[الفرقان: ٦٤]

تہجد گذاری

پہلی فصل:

شب خیزی اور تہجد گذاری

اللہ کے مقبول بندوں کی ایک خاص صفت یہ بھی ہے کہ وہ راتوں کو اُٹھ کر عبادات میں مشغول رہتے ہیں، اور اپنے رب کے دربار میں تضرع وزاری اور عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ چناں چہ ارشاد فرمایا گیا: ﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا﴾ [الفرقان: ٦٤] (اور وہ لوگ جو راتوں میں اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام کی حالت میں رہتے ہیں) اِس کے علاوہ بھی قرآنِ کریم میں متعدد جگہوں پر راتوں میں عبادت کرنے والوں کی تعریف بیان کی گئی ہے۔

چناں چہ سورۂ آلِ عمران میں اِرشادِ خداوندی ہے:

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ. (آل عمران: ١٧)

وہ صبر کرنے والے ہیں، سچے ہیں، حکم بجالانے والے ہیں، خرچ کرنے والے ہیں اور رات کے آخری حصہ میں اپنے گناہ بخشوانے والے ہیں۔

اور سورۂ بنی اسرائیل میں خاص طور پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا. (بنی اسرائیل: ٧٩)

اور کچھ رات میں جاگتے رہیے قرآن کے ساتھ، یہ آپ کے لئے مزید حکم ہے، قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمادے۔

اِس آیت سے بطور دلالۃ النص یہ بات معلوم ہوئی کہ روحانی درجات کی ترقی میں تہجد کی

نماز کا بڑا دخل ہے، اِسی لئے تہجد کا حکم دینے کے فوراً بعد ''مقامِ محمود'' کا ذکر کیا گیا، جو آخرت میں سب سے اونچا مقام ہے۔

اور سورۂ الم سجدہ میں بہت شاندار انداز میں تہجد گذاروں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا گیا:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (الم سجدة: ١٦-١٧)

اُن کے پہلو اُن کے سونے کی جگہوں سے جدا رہتے ہیں، اور وہ اپنے رب سے ڈر اور اُمید کے ساتھ فریاد کرتے ہیں، اور ہمارے دئے ہوئے مال میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں، سو کسی نفس کو اُس بات کا علم نہیں ہے جو اُن کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک (والی نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں، یہ اُن کے اعمال کا بدلہ ہے۔

اور سورۂ زمر میں ارشاد ہے:

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْ رَحْمَةَ رَبِّهٖ. (الزمر: ٩)

بھلا وہ شخص جو بندگی میں لگا ہوا ہے، رات کے اَوقات میں سجدے کرتا ہوا اور کھڑا ہوا، وہ آخرت کے عذاب سے خطرہ رکھتا ہے، اور اپنے رب کی مہربانی کی اُمید رکھتا ہے۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اِس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''یعنی جو بندہ رات کی نیند اور آرام چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں لگا، کبھی اُس کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا، کبھی سجدے میں گرا، ایک طرف آخرت کا خوف اُس کے دل کو بے قرار کئے ہوئے ہے، اور دوسری طرف اللہ کی رحمت نے ڈھارس بندھا رکھی ہے، کیا یہ سعید بندہ اور وہ بدبخت انسان جس کا ذکر اوپر ہوا کہ مصیبت کے وقت خدا کو پکارتا ہے اور جہاں مصیبت کی گھڑی ٹلی خدا کو چھوڑ بیٹھا، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، ایسا ہو تو یوں کہو کہ ایک عالم اور جاہل یا سمجھدار اور بے وقوف میں کچھ فرق نہ رہا، مگر اِس بات کو بھی وہ ہی سوچتے سمجھتے ہیں جن کو اللہ نے عقل دی ہے''۔ (فوائد عثمانی ۹۹۲ مکتبۃ البشریٰ کراچی)

اور سورۂ ذاریات میں اہل ایمان کی صفات کے ضمن میں اِرشاد فرمایا گیا:

كَانُوْا قَلِيْلاً مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ. وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ. (الذّٰریٰت: ۱۷-۱۸)

اور وہ رات میں بہت کم سوتے ہیں۔ اور صبح کے وقتوں میں استغفار کرتے ہیں۔

یعنی باوجود کثرتِ عبادت کے اُن کی اِنابت الی اللہ اور تواضع وعاجزی میں کوئی کمی نہیں آتی، اور وہ برابر اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہیوں کی معافی کے طلب گار رہتے ہیں۔

اور سورۂ مزمل میں ارشاد فرمایا گیا:

يَآاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ. قُمِ اللَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلاً. نِصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلاً. اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلاً. اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلاً ثَقِيْلاً. اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْئًا وَاَقْوَمُ قِيْلاً. (المزمل: ۱-۶)

اے کپڑا لپیٹنے والے۔ رات میں کھڑے رہئے مگر کچھ حصہ۔ آدھی رات یا اُس میں سے تھوڑا سا کم کردیں یا اُس پر زیادہ کردیں۔ اور قرآنِ پاک کی ٹھہر ٹھہر کر تلاوت فرمایئے۔ ہم آپ کے اوپر ایک بھاری بات القاء کرنے والے ہیں۔ یقیناً رات کا اُٹھنا (نفس کو) سخت روندنا ہے اور اُس وقت سیدھی بات نکلتی ہے۔

اِن آیات کا مقصود یہ ہے کہ رات کی عبادات میں یکسوئی اور خشوع وخضوع کا موقع زیادہ ہوتا ہے۔ ایسے ماحول میں معنی کے استحضار کے ساتھ قرآنِ پاک کی باتجوید تلاوت اِیمانی کیفیات میں بے مثال اِضافہ کا سبب بنتی ہے۔

حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ’’یعنی رات کو اُٹھنا کچھ آسان کام نہیں، بڑی بھاری ریاضت اور نفس کشی ہے، جس سے نفس روندا جاتا ہے، اور نیند، آرام وغیرہ خواہشات پامال کی جاتی ہیں، نیز اُس وقت دعا اور ذکر سیدھا دل سے ادا ہوتا ہے، زبان اور دل موافق ہوتے ہیں، جو بات زبان سے نکلتی ہے ذہن میں خوب جمتی چلی جاتی ہے:

کیوں کہ ہر قسم کے شور وغل اور چیخ وپکار سے یکسو ہونے اور خداوند قدوس کے سماء دنیا پر نزول فرمانے سے قلب کو ایک عجیب قسم کے سکون وقرار اور لذت واشتیاق کی کیفیت میسر ہوتی ہے“۔

(ترجمہ شیخ الہند ۱۲۲۱ مکتبۃ البشریٰ کراچی)

مذکورہ آیات کو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تہجد کی فرضیت پر محمول کیا، اِسی لئے صحابہ کا پورا معاشرہ حسبِ استطاعت رات میں تہجد کا پابند ہوگیا، اور ایک سال تک یہی پابندی رہی۔ اُس کے بعد سورۂ مزمل کی آخری آیت: ﴿اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ اللَّیْلِ الخ﴾ میں اِس حکم میں تخفیف کردی گئی، اور تہجد کی فرضیت منسوخ کر کے بطور استحباب اِس بات کی ترغیب دی گئی کہ کچھ نہ کچھ رات میں عبادت ضرور کرلیا کرو۔

تاہم تہجد کی فرضیت کے منسوخ ہونے کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تازندگی تہجد کا اہتمام فرماتے رہے، اور آپ عموماً تہجد کی نماز میں اتنا طویل قیام فرماتے تھے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا؛ لیکن آپ کے ذوق وشوق میں کوئی کمی نہ ہوتی تھی۔ اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پائے مبارک پر ورم کو دیکھ کر میں نے عرض کیا کہ: ”اے اللہ کے رسول! آپ اتنی مشقت کیوں اُٹھاتے ہیں؟ آپ کے لئے تو اگلی پچھلی سب باتوں کی مغفرت کا فیصلہ ہو چکا ہے“؟ تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا (جو بلاشبہ آپ ہی کی شان کے لائق تھا): ”أَفَلَا أَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا“ (صحيح البخاري رقم: ١١٣٠) (یعنی کیا میں اپنے رب کا شکرگذار بندہ نہ بنوں؟)

سبحان اللہ! کیا عجیب اظہار بندگی ہے؟ اِس جملہ کی چاشنی وہی لوگ محسوس کرسکتے ہیں جنہیں معرفتِ الٰہی اور عشق خداوندی کا کوئی ذرہ نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ اُمت کے ہر فرد کو اپنی شکرگذاری کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

دوسری فصل:

اَحادیثِ شریفہ میں تہجد کی ترغیبات

علاوہ ازیں متعدد اَحادیثِ شریفہ میں تہجد کی نماز پڑھنے کی ترغیبات وارد ہیں۔ چند اَحادیثِ شریفہ ذیل میں درج کی جارہی ہیں:

(۱) سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ، وَأَفْضَلُ الصَّلاَةِ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ صَلاَةُ اللَّيْلِ. (رواه مسلم رقم: ١١٦٣، الترغيب والترهيب مكمل ص: ١٤٦ بيت الأفكار الدولية)

رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم کے ہیں۔ اور فرض کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔

(۲) سیدتنا حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

يُحْشَرُ النَّاسُ فِيْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُنَادِيْ مُنَادٍ، فَيَقُوْلُ: أَيْنَ الَّذِيْنَ كَانُوْا ﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ فَيَقُوْمُوْنَ وَهُمْ

قیامت کے دن سب لوگوں کو ایک چٹیل میدان میں جمع کیا جائے گا، پس ایک آواز لگانے والا آواز لگاتے ہوئے کہے گا: وہ لوگ کہاں ہے جن کے پہلو اُن کی خواب گاہوں سے جدا رہتے تھے؟ پس ایسے لوگ کھڑے ہوجائیں گے، اور

قَلِيْلٌ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ، ثُمَّ يُؤْمَرُ بِسَائِرِ النَّاسِ إِلَى الْحِسَابِ. (شعب الإيمان للبيهقي رقم: ٣٢٤٤، الترغيب والترهيب مكمل ص: ١٤٧)

اُن کی تعداد نسبتاً کم ہوگی، پھر وہ بغیر حساب وکتاب جنت میں داخل کردئے جائیں گے، اُس کے بعد دیگر سب لوگوں کو حساب دینے کا حکم کیا جائے گا۔

(۳) سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ؛ فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ، وَمَقْرُبَةٌ لَكُمْ إِلىٰ رَبِّكُمْ، وَمَكْفَرَةٌ لِلسَّيِّئَاتِ، وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْإِثْمِ، وَمَطْرَدَةٌ لِلدَّاءِ عَنِ الْجَسَدِ. (رواه الترمذي والطبراني في الكبير، الترغيب والترهيب مكمل ص: ١٤٧)

تم رات کی عبادت لازم پکڑو؛ کیوں کہ وہ تم سے پہلے نیک لوگوں کی عادت رہی ہے، اورتم کوتمہارے رب سے قریب کرنے کا ذریعہ اور سیئات کے کفارہ کا سبب ہے، اورگناہوں سے روکنے والی اور جسم سے بیماری ہٹانے کا ذریعہ ہے۔

(۴) سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''جنت میں کچھ ایسے بالا خانے ہیں جن کا اندرونی حصہ باہر سے اور باہری حصہ اندر سے نظر آتا ہے (یعنی سب شیش محل ہیں)، تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! اِس بالا خانے کے مستحق کون لوگ ہیں؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لِمَنْ أَلَانَ الْكَلَامَ وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ وَبَاتَ لِلّٰهِ قَائِمًا وَالنَّاسُ نِيَامٌ. (المسند للإمام أحمد بن حنبل، تفسير ابن كثير مكمل ص: ١٢٦٣ دار السلام رياض)

یہ بالاخانے اُن لوگوں کے لئے ہیں جونرم گفتگو کریں، لوگوں کو کھانا کھلائیں، اور اللہ کی رضا کے لئے راتوں میں عبادت کریں، جب کہ لوگ نیند میں ہوں۔

(۵) صحابیِ رسول سیدنا حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے، تو آپ کی زیارت کے لئے لوگوں کی بھیڑ امڈ پڑی، تو میں بھی اُنہیں لوگوں میں شامل تھا، پس جب میری نظر حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرنور چہرے پر پڑی، تو میں نے یقین کرلیا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا، تو اُس وقت میرے کانوں میں آپ کی سب سے پہلی بات جو پڑی وہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اِرشاد فرمارہے تھے:

أَيُّهَا النَّاسُ! اَطْعِمُوْا الطَّعَامَ، وَصِلُوْا الْأَرْحَامَ، وَأَفْشُوْا السَّلامَ، وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ بِسَلامٍ.

اے لوگو! کھانا کھلایا کرو، رشتہ داروں سے حسن سلوک کرو، سلام کو عام کرو، اور راتوں میں اُٹھ کر جب کہ لوگ نیند میں ہوں نماز پڑھا کرو، تو تم بسہولت جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔

(تفسير ابن كثير مكمل ص: ١٢٦٣ دار السلام رياض)

آخری شب میں رحمتوں کی بارش

(٦) متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ روایت مروی ہے کہ ہر رات اللہ تبارک وتعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں، اور جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے:

هَلْ مِنْ تَائِبٍ فَأَتُوْبَ عَلَيْهِ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ؟ هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَيُعْطٰى سُؤْلَهُ حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ. (تفسير ابن كثير مكمل ص: ١٢٦٣ دار السلام رياض)

ہے کوئی توبہ کرنے والا جس کی میں توبہ قبول کروں؟ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا جس کو میں مغفرت سے نوازوں؟ ہے کوئی سائل جس کی مراد پوری کی جائے؟ اور یہ اعلان صبح صادق تک ہوتا رہتا ہے۔

(۷) سیدنا حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

أَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ الآخِرِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَكُوْنَ مِمَّنْ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ فَكُنْ. (رواه الترمذي رقم: ۳۵۷۹، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ۹۴۰)

ربُّ العالمین بندے سے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری حصہ میں ہوتے ہیں، پس اگر تم سے یہ ہوسکے کہ تم اُس وقت میں اللہ کے ذکر کرنے والوں میں ہو تو ایسا ضرور کرلیا کرو۔

(۸) سیدنا حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: ''میری اُمت کا کوئی شخص جب رات میں اُٹھ کر وضو کی تیاری کرتا ہے اور اُس پر گرہیں لگی ہوئی ہوتی ہیں، تو جب ہاتھ دھوتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، اور جب چہرہ دھوتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، اور جب سر پر مسح کرتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے، اور جب پاؤں دھوتا ہے تو چوتھی گرہ کھل جاتی ہے''، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں:

اُنْظُرُوْا إِلٰى عَبْدِيْ هٰذَا يُعَالِجُ نَفْسَهٗ يَسْئَلُنِيْ مَا سَأَلَنِيْ عَبْدِيْ هٰذَا فَهُوَ لَهٗ. (رواه أحمد رقم: ۱۷۷۹۱، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ۹۴۴)

میرے اِس بندے کو دیکھو، یہ اپنے نفس کو مشقت میں ڈال کر مجھ سے سوال کررہا ہے، اور میرا یہ بندہ جو کچھ بھی مجھ سے مانگ رہا ہے وہ اُسے ملے گا۔

اِن روایات سے معلوم ہوا کہ رات کا آخری حصہ دعاؤں کی قبولیت اور رحمتِ خداوندی کے نزول کا خاص وقت ہے۔

میاں بیوی کا ایک دوسرے کو تہجد کے لئے اُٹھانا

(۹) شریعت یہ چاہتی ہے کہ مسلمانوں کے گھروں کا ماحول تہجد گذاری والا ہو کہ اگر

شوہر اُٹھ جائے تو وہ بیوی کو جگادے اور بیوی اُٹھ جائے تو شوہر کو جگادے، چناں چہ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلاً قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى، وَأَيْقَظَ اِمْرَأَتَهُ، فَإِنْ أَبَتْ نَضَحَ فِيْ وَجْهِهِ الْمَاءَ، وَرَحِمَ اللّٰهُ اِمْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ، وَأَيْقَظَتْ زَوْجَهَا، فَإِنْ أَبٰى نَضَحَتْ فِيْ وَجْهِهِ الْمَاءَ.

(سنن أبي داؤد رقم: ١٣٠٨، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٩٢٧)

اللہ تعالیٰ اُس شخص پر رحم فرمائیں جو رات میں نماز کے لئے خود اُٹھے اور اپنی بیوی کو بھی بیدار کرے، اگر وہ بیوی اُٹھنے سے انکار کرے تو اُس کے چہرے پر پانی کا چھینٹا مارے، اور اللہ تعالیٰ ایسی عورت پر بھی رحم فرمائے جو خود رات میں اُٹھ کر نماز پڑھے اور اپنے شوہر کو بھی اُٹھائے، اگر شوہر نہ اٹھے تو اُس کے چہرے پر پانی چھڑکے۔

واضح ہو کہ یہ حکم اُس وقت ہے جب کہ میاں بیوی کے درمیان ایسی بے تکلفی اور ہم مزاجی ہو کہ سوتے ہوئے پانی چھڑکنے سے ناگواری نہ ہو۔ اور اگر ناگواری کی صورت ہو تو اِس میں احتیاط برتی جائے گی؛ کیوں کہ اِس میں مزید مفاسد پیدا ہونے کا خدشہ ہے۔

مؤمن کے لئے نمازِ تہجد موجبِ عز و شرف ہے

(۱۰) سیدنا حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے، اور فرمایا:

يَا مُحَمَّدُ! عِشْ مَا شِئْتَ، فَإِنَّكَ مَيِّتٌ وَاعْمَلْ مَا شِئْتَ؛ فَإِنَّكَ مَجْزِيٌّ بِهِ، وَأَحْبِبْ مَنْ شِئْتَ؛ فَإِنَّكَ مُفَارِقُهُ، وَاعْلَمْ أَنَّ شَرَفَ الْمُؤْمِنِ قِيَامُ اللَّيْلِ،

اے محمد! آپ جتنے دن بھی دنیا میں رہیں، بالآخر یہاں سے آپ کو پردہ فرمانا ہے، اور آپ جو چاہیں عمل کریں اُس کا آپ کو بدلہ مل کر رہے گا، اور آپ جس سے چاہیں محبت کریں، مگر آپ اُس سے جدا ہو کر رہیں گے۔

وَعِزُّهُ اِسْتِغْنَاؤُهُ عَنِ النَّاسِ. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٩٣٦)

اور یہ بات اچھی طرح جان لیجئے کہ مؤمن کی شرافت رات کی عبادت میں ہے، اور اُس کی عزت لوگوں سے مستغنی رہنے میں ہے۔

(۱۱) سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

أَشْرَافُ أُمَّتِي حَمَلَةُ الْقُرْآنِ وَأَصْحَابُ اللَّيْلِ. (شعب الإيمان للبيهقي رقم: ٢٧٠٣، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٩٣٧)

میری اُمت کے شرفاء قرآنِ کریم کے حاملین اور راتوں کے عبادت گذار لوگ ہیں۔

(۱۲) سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَضْلُ صَلاَةِ اللَّيْلِ عَلىٰ صَلاَةِ النَّهَارِ كَفَضْلِ صَدَقَةِ السِّرِّ عَلىٰ صَدَقَةِ الْعَلاَنِيَةِ. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٩٣٠)

رات کی نماز کی فضیلت دن کی نماز پر ایسی ہے جیسے خفیہ صدقہ کی فضیلت علانیہ صدقہ کے اوپر۔

اِس لئے ہر مؤمن کو چاہئے کہ وہ تہجد گذاروں میں شامل ہونے کی کوشش کرے، اور غفلت والی زندگی کو چھوڑ دے۔

تیسری فصل:

رات کی غفلت شیطان کے اثر سے ہوتی ہے

شیطان پر انسان کا رات میں عبادت کرنا سب سے گراں گذرتا ہے، اِسی لئے اُس کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ آدمی تہجد میں نہ اُٹھ سکے۔ چناں چہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''شیطان سوتے وقت تم میں سے ہر آدمی کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے، اور ہر گرہ پر یہ جملہ پڑھ کر پھونک دیتا ہے: ''عَلَیْکَ لَیْلٌ طَوِیْلٌ فَارْقُدْ'' (ابھی رات لمبی ہے سو جاؤ'' پھر جب آدمی بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کرتا ہے، تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے، اور آدمی بالکل چاق و چوبند اور ہشاش بشاش ہو جاتا ہے۔ اور اگر رات بھر سوتا ہی رہے تو صبح اِس حال میں کرتا ہے کہ طبعیت میں انقباض ہوتا ہے اور بدن پر سُسیاہٹ طاری ہوتی ہے''۔ (بخاری شریف حدیث:۱۱۴۲، الترغیب والترہیب مکمل رقم:۹۶۲)

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ایک شخص کا ذکر ہوا جو رات بھر سوتا رہا، اور نماز کے لئے نہیں اُٹھا، تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ''اُس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے''۔ (بخاری شریف حدیث:۱۱۴۴)

شیطان کے پیشاب کر دینے کے معنی کے بارے میں شارحین نے درج ذیل اقوال نقل فرمائے ہیں:

الف:- بعض حضرات نے فرمایا کہ اِس سے حقیقی معنی مراد ہیں، یعنی حقیقت میں شیطان کا پیشاب کر دینا مستبعد نہیں ہے، گو کہ وہ انسان کو محسوس نہ ہو۔

ب:- بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ شیطان کی طرف سے کان بند کرنے سے کنایہ ہے؛ تاکہ وہ ذکر کی آواز نہ سن سکے۔

ج:- بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ اِس بات سے تعبیر ہے کہ شیطان اُس پر حاوی رہا اور اُس کو ایسا ذلیل کیا، گویا کہ اُسے پیشاب گھر بنا دیا۔

د:- بعض حضرات نے فرمایا کہ اہلِ عرب کے محاورہ میں کسی چیز کو فاسد کرنے کی تعبیر اُس پر پیشاب کرنے سے کرتے ہیں، گویا کہ شیطان نے اُس کے کان بالکل پٹ کر دئے، جس کی وجہ سے وہ بیدار نہ ہو سکا۔

اور علامہ طیبیؒ نے فرمایا کہ عموماً آدمی کے بیدار ہونے کا سبب کان پڑی آوازیں ہوتی ہیں، اِس لئے آنکھ کے بجائے کان میں پیشاب کرنے کی تعبیر زیادہ اقرب الی الفہم ہے۔ گویا کہ پیشاب کان کے راستہ سے پورے بدن میں پھیل جاتا ہے اور آدمی کو سست بنا دیتا ہے۔

(مستفاد و تلخیص: فتح الباری شرح صحیح البخاری، للحافظ ابن حجر العسقلانیؒ ۳/۳۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ سستی سے دور رہے، اور رات میں کچھ نہ کچھ عبادت ضرور کرے۔

سیدنا حضرت عبد اللہ بن ابی قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انہیں نصیحت فرمائی کہ رات کی عبادت کو مت چھوڑنا؛ اِس لئے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اِس کو کبھی نہ چھوڑتے تھے، حتیٰ کہ اگر بیماری یا تھکاوٹ ہوتی تو بیٹھ کر نماز ادا فرماتے تھے۔ (سنن ابی داؤد رقم: ۱۳۰۷، الترغیب والترہیب مکمل رقم: ۹۴۶)

سیدنا حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم کو حکم دیا کرتے تھے کہ: ”رات میں تھوڑی یا زیادہ کچھ نہ کچھ نماز ضرور پڑھا کریں، اور سب سے اخیر میں وتر کی نماز ادا کریں“۔ (رواہ الطبرانی، الترغیب والترہیب مکمل رقم: ۹۳۱)

سونے سے قبل نوافل کا اہتمام

بلاشبہ تہجد کا کامل ثواب آخری شب میں نماز پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے؛ لیکن اگر کسی

شخص کے لئے اخیر شب میں اُٹھنا دشوار ہو، تو سونے سے پہلے یا عشاء کی نماز کے بعد کچھ رکعات تہجد کی نیت سے پڑھ لے، تو اُمید ہے کہ وہ تہجد کے ثواب سے بالکل محروم نہ رہے گا۔ اِس کی تائید اِس روایت سے ہوتی ہے جو سیدنا حضرت ایاس بن معاویہ مزنی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاَ بُدَّ مِنْ صَلاَةٍ بِلَيْلٍ وَلَوْ حَلْبَ شَاةٍ، وَمَا كَانَ بَعْدَ صَلاَةِ الْعِشَاءِ فَهُوَ مِنَ اللَّيْلِ. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٩٣٣)

رات میں نماز ضرور پڑھنی چاہئے، اگرچہ بکری کے دودھ دوہنے کے وقت کے برابر کیوں نہ ہو، اور نماز عشاء کے بعد جو بھی نماز پڑھی جائے گی وہ رات کی نماز میں شمار ہوگی۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اِس روایت کو نقل کرکے فرماتے ہیں: **وهٰذا يفيد أن هٰذه السنة تحصل بالتنفل بعد صلاة العشاء قبل النوم.** (شامي ٢/٤٦٧ زكريا) یعنی اِس روایت سے یہ پتہ چلا کہ تہجد کی سنت عشاء کے بعد سونے سے پہلے نفل نماز پڑھنے سے بھی ادا ہوجائے گی۔

بریں بنا اگر اخیر شب میں موقع نہ ہو تو سونے سے قبل تہجد کی نیت سے کچھ نوافل پڑھ لینے چاہئیں۔

معمول کی پابندی کریں

آدمی اگر تھوڑی ہمت سے کام لے، تو شب خیزی کی سعادت سے بہرہ ور ہوسکتا ہے، اور کوشش یہ کرنی چاہئے کہ جو معمول بن جائے پھر اُسے بلا عذر ترک نہ کیا جائے۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے نصیحت فرمائی کہ: ''اے عبداللہ! تم فلاں شخص کی طرح مت ہوجانا، جو رات میں عبادت کیا کرتا تھا پھر اُس نے رات کو اُٹھنا چھوڑ دیا''۔ (رواہ البخاری ومسلم، الترغیب والترہیب مکمل رقم: ۹۶۱)

طارق بن شہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُنہوں نے ایک رات حضرت سیدنا سلمان

فارسی رضی اللہ عنہ کے گھر اِس مقصد سے گذاری؛ تاکہ رات میں آپ کی عبادت کا مشاہدہ کرسکیں۔ موصوف فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اَخیر رات میں اُٹھ کر کچھ دیر نماز اَدا فرمائی، جو حضرت طارقؒ کے تصور سے بہت کم تھی، چناں چہ صبح کو اُٹھ کر اُنہوں نے اپنے تأثر کا اظہار کیا، تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''پنج وقتہ نمازوں کی اچھی طرح پابندی کیا کرو؛ کیوں کہ یہ چھوٹے موٹے گناہوں کے لئے کفارہ ہیں، جب تک کہ کوئی بڑا گناہ نہ ہو، پھر جب لوگ عشاء پڑھ کر واپس ہوتے ہیں تو اُن کی تین قسمیں ہوجاتی ہیں:

(۱) وہ لوگ جن کے لئے یہ رات وبال ہے، اور نفع بخش نہیں ہے:- یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غفلت اور رات کی اندھیری دیکھ کر گناہوں میں مصروف ہوجاتے ہیں۔

(۲) وہ لوگ جن کے لئے یہ رات سراپا غنیمت ہے اور وبال نہیں ہے:- یہ وہ لوگ ہیں جو رات کی تنہائی اور لوگوں کی غفلت کو غنیمت جان کر رات میں نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔

(۳) وہ لوگ جن کے لئے یہ رات نہ تو نفع بخش ہے اور نہ ہی موجبِ وبال ہے:- یہ وہ لوگ ہیں جو عشاء کی نماز پڑھ کر صبح کی نماز تک سوتے رہتے ہیں۔

اِس کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: ''ایسی دوڑ سے بچو جو تمہیں تھکادے (یعنی ایسا نہ ہو کہ کچھ دن جوش میں آکر لمبی لمبی نمازیں پڑھو اور پھر سست پڑجاؤ) بلکہ درمیانی راہ اختیار کرو، اور جو معمول اپناؤ اُس پر مداومت کرو''۔ (رواہ الطبرانی، الترغیب والترہیب مکمل رقم: ۹۴۷)

چوتھی فصل:

تہجد سے محرومی کے اَسباب

علماء نے لکھا ہے کہ تہجد کی توفیق ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی؛ بلکہ اُسی شخص کو یہ سعادت میسر ہوتی ہے جو محرومی کے اَسباب سے اپنے کو بچا کر رکھتا ہے، اور وہ اَسباب چار ہیں:

(۱) رات میں زیادہ کھانا:- جب زیادہ کھانا کھایا جائے گا تو نیند زیادہ آئے گی، اور بدن سست رہے گا، جس کی وجہ سے تہجد میں اُٹھنا سخت دشوار ہوگا، اِس لئے رات میں معدہ کو ہلکا رکھنے کا اہتمام کیا جائے۔

(۲) دن میں زیادہ مشقت والے کام کرنا:- عموماً زیادہ مشقت والے کام سے بدن تھک جاتا ہے اور سوکر اُٹھنا مشکل ہوتا ہے۔

(۳) دن میں آرام (قیلولہ) نہ کرنا:- اگر دن میں کچھ آرام نہ کیا جائے تو بھی اخیر شب میں اُٹھنا آسان نہیں ہوتا، اِس لئے وقت نکال کر دن میں قیلولہ کر لینا چاہئے۔

(۴) گناہوں کا ارتکاب:- تہجد سے محرومی کا ایک بڑا سبب گناہوں میں مبتلا ہونا بھی ہے، گناہ کی نحوست سے آدمی عبادت کی لذت سے محروم کر دیا جاتا ہے، اور اس کی طبیعت پر نحوست چھا جاتی ہے، جس کی بنا پر شب خیزی کی توفیق سے محروم رہتا ہے۔

ایک شخص نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ میں خالی الذہن ہو کر رات میں سوتا ہوں اور میرا ارادہ رات میں اُٹھ کر عبادت کرنے کا ہوتا ہے، اور میں وضو کا پانی بھی تیار کر کے رکھتا ہوں، مگر اُٹھ نہیں پاتا، اِس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: ”ذُنُوْبُکَ

قَیَّــدَتکَ“ (تمہارے گناہوں نے تمہیں قید رکھا) یعنی تمہارے گناہ تمہاری خواہش کی تکمیل میں رکاوٹ بن گئے ہیں۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک گناہ کی وجہ سے ۵؍۱ مہینے تک تہجد کی نعمت سے محروم رہا، پوچھا گیا کہ وہ گناہ کیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ: ”ایک آدمی کو روتا دیکھ کر میں نے دل میں سوچا تھا کہ یہ شخص ڈھونگ کررہا ہے“۔ (اِس کے برخلاف ہمارا حال یہ ہے کہ ہم دن رات گناہ پر گناہ کرتے رہتے ہیں اور احساس تک نہیں ہوتا۔ العیاذ باللّٰہ)

حضرت ابوسلیمان دارانیؒ کا مقولہ ہے کہ: ”جب بھی (بلا عذر) کسی کی نماز باجماعت چھوٹتی ہے تو وہ کسی نہ کسی گناہ کا وبال ہوتا ہے“۔

خلاصہ یہ کہ گناہ تہجد گذاری کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، گناہوں سے دل میں قساوت اور سختی پیدا ہوتی ہے، اور قساوت کی بنا پر آدمی اخیر شب کی عبادت سے محروم کردیا جاتا ہے، اور ان گناہوں میں سب سے زیادہ برا اثر ڈالنے والا گناہ حرام مال پیٹ میں ڈالنا ہے، اِس حرام مال سے طبعیت خیر کی طرف سے بالکل مضمحل اور سست ہوجاتی ہے، اور آدمی سخت خسارے میں پڑجاتا ہے۔ **اللّٰھم احفظنا منہ۔** (البحر العمیق ۱۶۱۶/۳-۱۶۱۷)

شب خیزی میں سہولت پیدا کرنے والے اَسباب

تجربہ یہ بتلاتا ہے کہ اگر درج ذیل اُمور کی رعایت رکھی جائے، تو اِن شاء اللہ شب خیزی میں سہولت ہوگی، اور عبادت کی چاشنی نصیب ہوگی۔ وہ اُمور یہ ہیں:

(۱) دل کا کینہ کپٹ سے پاک ہونا:- صاف دل رہنا اہل جنت کی خاص صفت ہے، جو اس پر عمل پیرا ہوتا ہے اُسے اسباب خیر کی توفیق بھی زیادہ نصیب ہوتی ہے۔

(۲) بدعات سے نفور ہونا:- بدعت کے ارتکاب سے دل سیاہ ہوجاتا ہے، اور بدعتی شخص کے لئے خیر کا دروازہ بند کردیا جاتا ہے، اس لئے ہر طرح کی بدعت سے اجتناب ضروری ہے۔

(۳) خواہ مخواہ کے ہموم وغموم سے بچنا:- اگر آدمی کو یکسوئی میسر نہ ہو؛ بلکہ ہر

وقت دماغ پر مختلف قسم کے ہموم وغموم کا غلبہ ہو تو بھی اسے عبادات کی چاشنی نصیب نہیں ہوتی، اِس لئے دل ودماغ کو یکسو رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

(۴) آخرت کی گرفت کا خوف:- اگر آدمی پر آخرت کے خوف کا غلبہ ہو، اور دنیوی زندگی میں زیادہ انہماک نہ ہو تو جب بھی آخرت کے حالات کا تصور کرے گا، اُس کی نیند اُڑ جائے گی، اور وہ ہمت کرکے بستر سے اُٹھ کھڑا ہوگا، اور بشری تقاضے پورے کرکے جلد از جلد بارگاہ ایزدی میں حاضر ہوکر سراپا عجز ونیاز بن جائے گا۔ اِس کے برخلاف اگر آخرت کی فکر دامن گیر نہ ہو تو غفلت در غفلت میں پڑا رہے گا؛ بلکہ اگر آنکھ کھل بھی جائے گی، اِس کے باوجود عبادت سے محروم رہے گا۔

(۵) تہجد کے عظیم ثواب کا استحضار:- اگر آدمی تہجد کی نماز کے عظیم اجر وثواب کا استحضار رکھے گا، تو اس کے حصول کی خاطر راتوں کی میٹھی نیند قربان کرنا اس کے لئے بالکل آسان ہوجائے گا، اِس لئے کہ آدمی اس سے بہت کم دنیا کے فانی نفع کے لئے راتوں رات جاگ کر گذار دیتا ہے، اور اسے کوئی احساس بھی نہیں ہوتا، تو جس شخص کے دل میں آخرت کے اجر وثواب کا یقین آجائے گا، تو وہ اس کے لئے بھی بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار رہے گا۔

(۶) اللہ تعالیٰ سے سچی محبت:- اور شب خیزی پر سب سے زیادہ آمادہ کرنے والی صفت دل میں اللہ تعالیٰ کی سچی پکی محبت کا پایا جانا ہے، اور اس بات کا یقین دل میں بٹھانا ہے کہ ہم رات میں عبادت کرتے ہوئے جو کلمہ بھی اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں، وہ ہمارے محبوب رب سے براہِ راست مناجات پر مشتمل ہوتا ہے، یہ محبت کی چنگاری آدمی کو بستر پر چین سے لیٹنے نہیں دیتی؛ بلکہ بے قرار ہوکر مصلیٰ پر لا کھڑا کرتی ہے۔

عارف باللہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ’’جب سورج غروب ہوتا ہے تو مجھے دلی مسرت ہوتی ہے کہ اب رات میں اپنے رب سے خلوت ومناجات کا موقع ملے گا، اور جب دن نکلتا ہے تو میں غمگین ہوجاتا ہوں کہ اب میرے پاس لوگوں کی آمد شروع ہوجائے گی‘‘۔ (اللہ اکبر! عشق خداوندی کا کیسا پیارا جذبہ ہے، کاش ہمیں بھی اس کا کچھ حصہ نصیب ہوجائے، آمین)

ابن المنکدر رفرماتے ہیں کہ: ’’دنیا کی لذتوں میں سے صرف تین چیزیں باقی رہ گئی ہیں: (۱) رات کی عبادت (۲) دوستوں سے ملاقات (۳) نماز باجماعت۔

الغرض جس خوش نصیب بندے کے دل میں محبت خداوندی کی شمع فروزاں ہوگی اس کے لئے رات میں نرم نرم بستر اور میٹھی نیند چھوڑنا ضرور آسان ہوجائے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس عظیم سعادت سے بہرہ ور فرمائیں۔ (تلخیص از: البحر العمیق فی مناسک المعتمر والحاج الی بیت اللہ العتیق، للشیخ محمد بن ضیاء المکی الحنفی ۱۶۱۷/۳-۱۶۱۸)

تہجد میں اُٹھنے کی نیت کرکے سوئیں

ہر مسلمان کو کم ازکم اِس کا اہتمام تو ضرور کرنا چاہئے کہ جب وہ رات میں بستر پر سونے کے لئے لیٹے تو تہجد میں اُٹھ کر عبادت کرنے کا پختہ اِرادہ کرے۔ پس اگر اُٹھنے کی توفیق مل جائے تو اِس سعادت سے بہرہ ور ہو، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے پایاں رحمت سے فیض یاب ہو؛ لیکن اگر اِرادہ تو ہو، مگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے صبح تک آنکھ نہ کھل پائے، تو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ ثواب سے محروم نہ فرمائیں گے؛ بلکہ نیت کا ثواب ضرور ملے گا، اور سونا مفت میں رہے گا۔ چناں چہ سیدنا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ أَتٰى فِرَاشَهُ وَهُوَ يَنْوِي أَنْ يَقُوْمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ، فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ حَتّٰى أَصْبَحَ كُتِبَ لَهُ مَا نَوٰى، وَكَانَ نَوْمُهُ صَدَقَةً عَلَيْهِ مِنْ رَبِّهٖ. (سنن ابن ماجة رقم: ۱۳۴۴، سنن النسائي ۲۵۸/۳، الترغيب والترهيب مكمل ص: ۳۰ رقم: ۲۵)

جو شخص رات میں اُٹھ کر عبادت کرنے کی نیت سے اپنے بستر پر آئے، اور پھر صبح تک اُس کی آنکھ نہ کھلے تو اُس کو اُس کی نیت کا ثواب ملے گا، اور اُس کا سونا اُس کے رب کی طرف سے اُس پر صدقہ ہوگا۔

اِس لئے کوشش کرنی چاہئے کہ سوتے وقت تہجد میں اُٹھنے کی نیت کا استحضار ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

❑❑❑

پانچویں فصل:

تہجد کے وقت کی چند ماثور دعائیں اور اَذکار

جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ رات کا آخری حصہ دعاؤں کی قبولیت کا خاص وقت ہے، اِس وقت جو بھی دعا مانگی جائے اِن شاء اللہ اُس کی قبولیت کی اُمید زیادہ ہوتی ہے۔ اِسی بنا پر سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت دعاؤں کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ اور اَحادیثِ شریفہ میں اِس وقت آپ کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے نہایت شاندار اور بابرکت کلمات منقول ہیں، جن کا ہر ہر حرف سرمۂ بصیرت بنائے جانے کے لائق ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم بطورِ خاص اِس بارے میں پیغمبر علیہ السلام کے اُسوۂ مبارکہ کا مطالعہ کریں، اور اُن دعاؤں کو یاد کرکے اُنہیں اپنے معمولات میں شامل کریں، اِن شاء اللہ بہت فائدہ کی اُمید ہے۔

سورۂ آلِ عمران کے آخری رکوع کی تلاوت

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمولِ مبارک یہ تھا کہ جب رات میں تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو آسمان کی طرف رُخ فرماکر تین مرتبہ یہ کلمات پڑھتے تھے: ’’سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ‘‘ ۔ یعنی پاک ہے وہ ذات جو ہر چیز کی مالک اور نہایت مقدس و برگزیدہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۲۸۷ دارالسلام ریاض)

اُس کے بعد سورۂ آلِ عمران کے آخری رکوع کی تلاوت فرماتے تھے، جو درج ذیل ہے:

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور
وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ	دن کے آنے جانے میں عقل والوں کے لئے

لِاُولِی الْاَلْبَابِ. اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ
اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ
وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ، رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا
بَاطِلاً سُبْحَانَکَ فَقِنَا عَذَابَ
النَّارِ. رَبَّنَا اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ
فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ
اَنْصَارٍ. رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا
یُنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ
فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ
عَنَّا سَیِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ.
رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلٰی
رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ
اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ.
فَاسْتَجَابَ لَھُمْ رَبُّھُمْ اَنِّیْ لَا
اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْکُمْ مِنْ
ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی، بَعْضُکُمْ مِنْ
بَعْضٍ، فَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا
وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاُوْذُوْا
فِیْ سَبِیْلِیْ وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا
لَاُکَفِّرَنَّ عَنْھُمْ سَیِّئَاتِھِمْ

نشانیاں ہیں۔ جو اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور کروٹ
پر لیٹے رہنے کی حالت میں یاد کرتے ہیں، اور
آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر
کرتے رہتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ اے
ہمارے رب! آپ نے یہ سب چیزیں بیکار
نہیں بنائیں، آپ کی ذات تمام عیبوں سے
پاک ہے، آپ ہم کو دوزخ کے عذاب سے
بچائیے۔ اے ہمارے رب! جس کو آپ
دوزخ میں ڈال دیں سو اُس کو آپ نے رسوا
کردیا، اور گنہگاروں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔
اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے
کو سنا جو ایمان کی پکار لگا رہا تھا کہ (اے لوگو)
تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ! پس ہم ایمان
لے آئے، اے ہمارے رب! پس ہمارے گناہ
بخش دیجئے اور ہم سے ہماری برائیاں دور
کردیجئے، اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمیں موت
عطا فرمائیے۔ اے ہمارے رب! اور ہم کو وہ
سب وعدے عطا فرمائیے جو آپ نے ہم سے
اپنے رسولوں کے واسطے سے کئے ہیں، اور ہم کو
قیامت کے دن رسوا مت فرمائیے بے شک
آپ وعدہ کے خلاف نہیں فرماتے۔ پھر اُن کی

وَلَاُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ، ثَوَابًا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الثَّوَابِ. لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِی الۡبِلَادِ. مَتَاعٌ قَلِيۡلٌ ثُمَّ مَاۡوٰهُمۡ جَهَنَّمُ وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ. لٰكِنِ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ، خَالِدِيۡنَ فِيۡهَا نُزُلًا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَيۡرٌ لِلۡاَبۡرَارِ. وَاِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتَابِ لَمَنۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ خَاشِعِيۡنَ لِلّٰهِ لَا يَشۡتَرُوۡنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ، اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ. (آل عمران: ۱۹۰-۲۰۰)

دعا اُن کے رب نے قبول کی کہ میں تم میں سے کسی محنت کرنے والے مرد یا عورت کی محنت کو ضائع نہیں کرتا، تم آپس میں ایک ہو، پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے، اور میری راہ میں ستائے گئے اور (راہِ حق میں) لڑے اور شہید ہوئے، تو میں ضرور بالضرور اُن کی برائیاں اُن سے دور کردوں گا، اور اُنہیں یقیناً ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ اللہ کی طرف سے بدلہ ہے اور اللہ کے یہاں بہترین بدلہ ہے۔ آپ کو کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا دھوکہ میں نہ ڈالے، یہ چند روزہ فائدہ ہے، پھر اُن کے لئے دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے؛ البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے، اُن کے لئے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ہمیشہ اُن میں رہیں گے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کی مہمانی ہے، اور جو کچھ اللہ کے یہاں ہے وہ نیک بختوں کے لئے بہتر ہے۔ اور اہل کتاب میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ پر اور اُس پر جو تمہاری طرف اُترا، اور اُن کی طرف اُتارا گیا اُس پر ایمان لاتے ہیں، وہ اللہ کے سامنے عاجزی کرتے ہیں، اور اللہ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت میں

نہیں بیچتے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے اُن کے رب کے یہاں اَجر مقرر ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے۔ اے ایمان والو! صبر کرو، اور مقابلہ میں مضبوط رہو، اور برابر کام میں لگے رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو؛ تاکہ تم فلاح یاب ہو۔

یہ تمام آیات انتہائی بصیرت افروز ہیں، اگر معنی پر غور کرکے اِن کی تلاوت کی جائے تو یقینی طور پر ایمان میں زیادتی، آخرت کا خوف اور طاعات کی طرف رغبت جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں؛ لہٰذا اِن آیات کو سمجھ کر پڑھنا چاہیے، اور پڑھتے وقت ضرور غور وفکر کرنا چاہیے۔

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک مرتبہ اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور دورانِ گفتگو یہ درخواست کی کہ آپ ہمیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ مبارکہ کی کوئی عجیب ترین بات سنائیں جو آپ نے دیکھی ہو، یہ سن کر اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رو پڑیں اور فرمانے لگیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو ہر بات ہی عجیب تھی۔ ایک دن آپ رات میں میرے پاس تشریف لائے، اور میرے بستر پر اِس طرح لیٹ گئے کہ میرا بدن آپ کے بدن سے بالکل ملا ہوا تھا، ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ’’عائشہ! مجھے اپنے رب کی عبادت کرنے کی اجازت دو‘‘۔ تو میں نے عرض کیا کہ: ’’میں اگرچہ آپ کا قرب چاہتی ہوں؛ لیکن آپ کی مرضی مجھے زیادہ پسند ہے‘‘، چناں چہ آپ بستر سے اُٹھ گئے اور گھر میں لٹکے ہوئے ایک مشکیزہ سے وضو فرمایا، پھر نماز میں کھڑے ہوکر قرآنِ پاک پڑھنے لگے، دورانِ قرأت گریہ وزاری کا عالم یہ تھا کہ مسلسل آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور نیچے تک بہہ رہے تھے، پھر آپ بیٹھ گئے اور روتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے رہے۔ اُس کے بعد آپ نے دائیں جانب ٹیک لگائی، اور اپنا دستِ مبارک رخسار پر رکھا اور اِس حالت میں بھی مسلسل آنکھوں سے آنسو بہتے رہے، اور زمین پر ٹپکتے رہے؛ تاآں کہ صبح ہوگئی، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز فجر کی اطلاع دینے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اُنہوں

نے جب آپ کو روتے ہوئے دیکھا تو عرض کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول! آپ کی تو اگلی پچھلی سب باتوں کی معافی کا اعلان اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے، پھر بھی آپ رو رہے ہیں؟''

تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے بلال! کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں، اور میں کیوں نہ روؤں جب کہ آج کی رات میرے اوپر یہ آیتیں: ﴿اِنَّ فِیُ خَلُقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرُضِ﴾ الخ نازل ہوئی ہیں''۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا: **''وَیُلٌ لِمَنُ قَرَأَ هٰذِهِ الآیَاتِ ثُمَّ لَمُ یَتَفَکَّرُ فِیُهَا''** (یعنی وہ آدمی بڑا محروم ہے جو اِن آیتوں کو پڑھے پھر اُن کے مضامین میں غور وفکر نہ کرے) (رواہ ابن ابی حاتم وابن حبان، تفسیر ابن کثیر مکمل ۲۸۸ دار السلام ریاض)

بالخصوص اِس رکوع کی آخری آیت تو اُمت کے لئے نہایت جامع ومانع نصیحت اور کامیابی کی ضمانت کی حیثیت رکھتی ہے، اگر اُمت اِس پر مضبوطی سے کاربند رہے تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے ذلیل یا کمزور نہیں کرسکتی۔

حمد وثنا اور اظہار عاجزی

تہجد کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی شان ہی الگ ہوتی تھی، جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، اس وقت آپ نہایت ہی عاجزی اور لجاجت کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا اور طلبِ مغفرت میں مشغول ہوتے تھے۔ اِس بارے میں آپ سے منقول کلمات اُمت کے لئے بہترین نمونہ ہیں، جن کو اپنانے کی ضرورت ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب تہجد کے لئے نماز کی نیت باندھتے تو یہ کلمات پڑھا کرتے تھے:

وَجَّهُتُ وَجُهِيَ لِلَّذِيُ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرُضَ حَنِيُفًا وَّمَآ أَنَا مِنَ الُمُشُرِكِيُنَ. إِنَّ صَلَاتِيُ	میں نے اپنا چہرہ اُس ذات کی طرف کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. لاَ شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ. اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ أَنْتَ، أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ، ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْلِي ذُنُوبِي جَمِيعًا، إِنَّهُ لاَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلاَّ أَنْتَ، وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلاَقِ لاَ يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلاَّ أَنْتَ، وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لاَ يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلاَّ أَنْتَ، لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ، وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ، أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ، تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ. (صحیح مسلم ۲۶۳/۱)

میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت صرف اللہ رب العالمین کے لئے ہے، جس کا کوئی ساجھی نہیں اِسی کا مجھے حکم ہے اور میں تابع داروں میں سے ہوں۔ اے اللہ! آپ ہی بادشاہ ہیں، آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، آپ میرے رب ہیں اور میں آپ کا بندہ ہوں، میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، اور مجھے اپنے گناہ کا اعتراف ہے، بس میرے سارے گناہ معاف فرمادیجئے، بے شک آپ ہی گناہ معاف فرمانے والے ہیں۔ اور آپ مجھے اچھے اخلاق کی جانب رہنمائی فرمایئے؛ کیوں کہ آپ کے علاوہ کوئی اچھے اخلاق کی طرف رہنمائی نہیں کرسکتا، اور مجھے برے اخلاق سے بچایئے، بے شک صرف آپ ہی مجھے برے اخلاق سے بچاسکتے ہیں۔ میں حاضر ہوں، میں سعادت کا طالب ہوں، اور ہر طرح کی خیر آپ کے قبضہ وقدرت میں ہے، اور شر آپ کی طرف منسوب نہیں ہے، میرا وجود صرف آپ کی ذات پر موقوف ہے، اور میں صرف آپ کی طرف منسوب ہوں، آپ کی ذات بہت بابرکت اور سربلند ہے، میں آپ سے مغفرت کا طلب گار ہوں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اور سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آپ تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو یہ کلمات پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيَّامُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ، أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ، وَقَوْلُكَ الْحَقُّ، وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ. اَللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَأَسْرَرْتُ وَأَعْلَنْتُ، أَنْتَ إِلٰهِيْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ أَنْتَ. (صحيح مسلم ٢٦٢/١، المعجم الكبير للطبراني ٤٣/١١)

اے اللہ! ہر طرح کی خوبیاں آپ ہی کے لئے ہیں، اور آپ آسمانوں اور زمین کو روشن فرمانے والے ہیں، سب کمالات آپ ہی کو زیب دیتے ہیں، آپ ہی آسمانوں اور زمین کے نگراں ہیں، ہر طرح کا شکر آپ ہی کے لئے ہے، آپ ہی آسمان اور زمین اور اُن کے درمیان سب مخلوقات کے رب ہیں، آپ حق ہیں، آپ کا وعدہ برحق ہے، آپ کی بات برحق ہے، آپ سے ملاقات برحق ہے، اور جنت حق ہے، اور جہنم حق ہے، اور قیامت بھی برحق ہے۔ اے اللہ! میں آپ ہی کا اِطاعت گذار ہوں، آپ پر یقین رکھتا ہوں، میرا بھروسہ آپ پر ہے، اور آپ ہی کی طرف میں متوجہ ہوں، اور آپ ہی کے ذریعہ میں دشمن سے مقابلہ کرتا ہوں، اور آپ ہی کو میں حکم بناتا ہوں، پس میرے اگلے پچھلے، کھلے اور چھپے ہر طرح کے گناہ معاف فرمادیجئے، آپ ہی میرے معبود ہیں آپ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

اِن کلمات کا ہر ہر حرف عجیب وغریب تاثیر رکھتا ہے، اور رحمتِ خداوندی کا مستحق بننے کا

بہترین ذریعہ ہے، جس شخص کو محبتِ خداوندی کا تھوڑا بہت حصہ بھی نصیب ہو، وہ اِن کلمات کی عظمت وحلاوت سے بآسانی بہرہ ور ہوسکتا ہے۔

ہدایت کی طلب اور گمراہی سے پناہ

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں بیدار ہوتے، تو دعا میں یہ کلمات ارشا فرماتے تھے:

لاَ إِلٰهَ إِلاَّ أَنْتَ سُبْحَانَکَ، اَللّٰهُمَّ إِنِّي اَسْتَغْفِرُکَ لِذَنْبِي وَأَسْئَلُکَ رَحْمَتَکَ، اَللّٰهُمَّ زِدْنِي عِلْمًا وَلاَ تُزِغْ قَلْبِي بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنِي وَهَبْ لِي مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً إِنَّکَ أَنْتَ الْوَهَّابُ.

(المستدرك للحاكم ١/٥٤٠، سنن أبي داؤد رقم: ٥٠٦١)

آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے۔ اے اللہ! میں آپ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتا ہوں، اور آپ کی رحمت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرمایئے! اور مجھے ہدایت بخشنے کے بعد میرے دل میں کجی مت ڈالئے، اور مجھے اپنی طرف سے خاص رحمت عطا فرمایئے، یقیناً آپ بہت عطا فرمانے والے ہیں۔

اور سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اِن الفاظ میں دعا کیا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَکَ أَسْلَمْتُ وَبِکَ آمَنْتُ، وَعَلَيْکَ تَوَکَّلْتُ وَإِلَيْکَ أَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ، اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِعِزَّتِکَ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ أَنْتَ أَنْ تُضِلَّنِي، أَنْتَ الْحَيُّ

اے اللہ! میں اپنے کو آپ کے سپرد کرتا ہوں، آپ پر ایمان لاتا ہوں، آپ ہی پر میرا بھروسہ ہے، آپ ہی کی طرف میں متوجہ ہوں، آپ ہی کی مدد سے میں باطل نظریات کا مقابلہ کرتا ہوں۔ میں آپ کی عزت اور جاہ وجلال کے

الَّـذِيْ لاَ يَـمُـوْتُ، وَالْـجِـنُّ وَالْإِنْـسُ يَمُوْتُوْنَ. (صحيح مسلم رقم: ٢٧١٧ بيت الأفكار الدولية، وكذا أخرجه البخاري رقم: ٧٣٨٣ دار الفكر بيروت)

ذریعہ میں اپنے گمراہ ہونے سے پناہ چاہتا ہوں، آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، آپ ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں، جس پر کبھی موت طاری نہ ہوگی، جب کہ جنات اور انسانوں پر موت طاری ہوکر رہے گی۔

یہ دعائیں دراَصل اُمت کے لئے تعلیماً ارشاد فرمائی گئی ہیں؛ تاکہ اُمت کا ہر فرد غلطیوں سے بچنے کی ہر وقت فکر رکھے، اور استغفار کا اہتمام کرے۔

راہِ حق کی طرف رہنمائی کے لئے ایک مجرب دعا

زندگی میں کبھی ایسے نازک لمحات پیش آتے ہیں کہ آدمی کسی معاملہ میں ایسے دوراہے پر کھڑا ہوجاتا ہے کہ اُس کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کونسی راہ اختیار کرے اور کونسی چھوڑ دے؟ ایسے وقت میں اگر حق تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی نہ ہو، تو آدمی ذہنی طور پر سخت مشکلات سے دوچار ہوجاتا ہے، تو اِس معاملہ میں بھی نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شاندار رہنمائی اُمت کے لئے مشعل راہ ہے۔

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام رات میں نماز پڑھتے وقت سب سے پہلے کیا دعا فرماتے تھے؟ تو اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اِس دعا سے نماز کا آغاز فرماتے تھے:

اَللّٰهُـمَّ رَبَّ جِبْـرِيْـلَ وَمِيْكَـائِيْلَ وَإِسْـرَافِيْلَ فَـاطِـرَ السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

اے اللہ! جبرئیل ومیکائل اور اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمین کے بلاکسی نمونہ کے پیدا کرنے والے! کھلی اور چھپی سب باتوں کا علم

أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ. اِهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ، إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ. (صحيح مسلم / باب صلاة النبي ﷺ ودعائه بالليل ۲۶۳/۱)

رکھنے والے! آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان مختلف فیہ باتوں میں فیصلہ کرتے ہیں۔ آپ اپنے حکم سے مجھے اُن باتوں میں راہِ حق دکھلایئے جن میں اختلاف کیا گیا ہے، بے شک آپ جس کو چاہیں سیدھے راستہ کی ہدایت دے سکتے ہیں۔

یہ دعا بہت اہم ہے، ہم سب کو اپنے معمولات میں اِس دعا کو شامل کرنا چاہیئے۔ اِس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب بھی کوئی ایسا مرحلہ پیش آئے گا جس میں دو باتوں میں سے ایک بات کو اختیار کرنے کی ضرورت ہو، یا حق وباطل میں اشتباہ کی صورت سامنے آئے گی، تو اِس دعاء کی برکت سے ایسے تمام مواقع پر من جانب اللہ صحیح راستے کی رہنمائی نصیب ہوگی، اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

نور ہی نور کی درخواست

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر میں گذاری (جب کہ آپ میری خالہ جان حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے) تو آپ نے تہجد میں اُٹھ کر جو دعائیں فرمائیں، اُن میں یہ دعائیں بھی شامل تھیں:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِي فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي لِسَانِي نُورًا وَفِي سَمْعِي نُورًا وَفِي بَصَرِي نُورًا وَمِنْ فَوْقِي

اے اللہ! میرے دل میں نور پیدا فرمایئے، اور میری زبان میں نور پیدا فرمایئے، اور میرے کانوں کو نورانی بنادیجئے، اور میری آنکھوں میں

نُوْرًا وَمِنْ تَحْتِيْ نُوْرًا وَعَنْ يَمِيْنِيْ	نور بھر دیجئے، اور میرے اوپر نور اور میرے نیچے
نُوْرًا وَعَنْ شِمَالِيْ نُوْرًا وَمِنْ بَيْنَ	نور اور میرے دائیں نور اور میرے بائیں نور
يَدَيَّ نُوْرًا وَمِنْ خَلْفِيْ نُوْرًا	اور میرے آگے نور اور میرے پیچھے نور اور
وَاجْعَلْ فِيْ نَفْسِيْ نُوْرًا وَأَعْظِمْ	میرے نفس میں نور بھر دیجئے، اور مجھے عظیم نور
لِيْ نُوْرًا. (صحيح مسلم ٢٦١/١)	عطا فرمائیے۔

یہ دعائیہ کلمات اتنے عظیم ہیں کہ اگر کسی شخص کے حق میں قبول ہو جائیں تو وہ شخص سراپا نورانی بن جائے گا، اور اُس کے رگ وریشہ سے نور ہی نور پھوٹے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کے حق میں اِن دعاؤں کو قبول فرمائیں، اور پوری توجہ کے ساتھ یہ مسنون و ماثور دعائیں مانگنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

چھٹی فصل:

سجدہ میں عاجزانہ دعائیں

سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''اِنسان سجدہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے، اِس لئے سجدہ کی حالت میں کثرت سے دعا کیا کرو''۔ (سنن ابی داؤد ۱/۱۲۷) اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاص کر تہجد کی نوافل میں سجدہ میں دعاؤں کا اہتمام فرماتے تھے۔

اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے دیکھا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بستر پر تشریف فرما نہیں ہیں، تو میں نے اندھیرے میں ٹٹولا، تو مصلیٰ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر میرا ہاتھ پڑا، آپ نماز کے سجدہ میں تھے، اور زبانِ مبارک پر یہ عاجزانہ دعا تھی:

أَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَأَعُوْذُ بِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لاَ أُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَیْکَ أَنْتَ کَمَا أَثْنَیْتَ عَلیٰ نَفْسِکَ. (سنن أبي داؤد ۱/۱۲۸)

اے اللہ! میں آپ کی خوشنودی کے ذریعہ آپ کی ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں، اور میں خود آپ کی ذاتِ عالی کے واسطے سے آپ (کے عذاب) سے پناہ چاہتا ہوں، میں آپ کی حمد وثنا کو شمار نہیں کرسکتا، آپ ویسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے خود اپنی ثنا فرمائی ہے۔

اللہ اکبر! اِس دعا کا ایک ایک لفظ بے مثال عبدیت کا مظہر ہے، اور اِس میں پوری اُمت کے لئے بہترین رہنمائی موجود ہے۔

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ وَأَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ. (سنن أبي داؤد ۱۲۸/۱)

اے اللہ! میرے بڑے اور چھوٹے اور اگلے اور پچھلے اور کھلے ہوئے اور چھپے ہوئے ہر طرح کے گناہ معاف فرما دیجئے۔

نیز سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں درج ذیل دعا کا اہتمام فرماتے تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ. اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ. (سنن أبي داؤد ۱۲۸/۱)

اے اللہ! میں عذابِ قبر سے پناہ چاہتا ہوں، اور مسیح دجال کے فتنے سے بھی پناہ چاہتا ہوں، اور زندگی اور موت کے فتنہ سے پناہ کا طالب ہوں۔ اور اے اللہ! میں گناہ اور تاوان (قرض وغیرہ) سے پناہ چاہتا ہوں۔

اِس پر کسی صاحب نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا کہ آپ بکثرت قرض سے پناہ مانگتے ہیں، اِس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ بات یہ ہے کہ: ’’جب آدمی مقروض ہوتا ہے تو گفتگو میں جھوٹ بولتا ہے، اور وعدہ خلافی کرتا ہے‘‘۔ (اِس لئے اُس سے پناہ مانگنی چاہئے)

رات میں آنکھ کھلتے وقت زبان پر کیا کلمات رہنے چاہئیں؟

مؤمن کی شان یہ ہے کہ اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت اُس کی زبان پر اللہ کا ذکر رہے، حتیٰ کہ اگر رات میں بھی آنکھ کھلے تو ذکر کے کلمات زبان پر رہیں۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمولِ مبارک بھی یہی تھا۔

سیدنا حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رات میں بیدار ہو، اور اُٹھتے ہی یہ کلمات پڑھے تو اُس کی سب غلطیاں اِس طرح معاف ہوجائیں گی گویا وہ آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو، اور اگر وہ اُٹھ کر وضو کر کے نماز پڑھ لے تو اُس کی نماز بھی عنداللہ مقبول ہوگی۔ وہ کلمات یہ ہیں:

لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (صحيح البخاري ٤٩/٢، سنن الترمذي رقم: ٣٤١٤، مسند أحمد ٣١٣/٥، سنن ابن ماجة رقم: ٣٨٧٨)

اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، اُسی کے لئے ہر طرح کی حکومت ہے، اور حمد وثنا صرف اُسی کو زیب دیتی ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جب رات میں آنکھ کھلتی تھی، تو آپ یہ کلمات اِرشاد فرماتے تھے:

لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ، رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ.

اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، وہ یکتا ہے، اور بہت غلبہ والا ہے، وہ آسمانوں، زمین اور اُن دونوں کے درمیان (پوری کائنات) کا

رب ہے، وہ بہت زبردست ہے اور غفار ہے۔ (المستدرك للحاكم ١/٥٤٠)

صحابی رسول سیدنا حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چوکھٹ پر سویا کرتا تھا، تو میں رات میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی کبھی ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' اور کبھی ''سُبْحَانَ رَبِّيْ وَبِحَمْدِہٖ'' سنا کرتا تھا۔ (سنن الترمذی رقم: ۳۴۱۶، المعجم الکبیر للطبرانی ۵/۵۰، مسند احمد ۴/۵۷، الادب المفرد ۱۲۱۸)

ساتویں فصل:

چند جامع دعائیں

اَب اخیر میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چند مبارک جامع دعائیں بطور یاددہانی نقل کی جاتی ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

اُم المؤمنین سیدتنا حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درج ذیل کلمات سے دعا فرماتے تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَسْأَلَةِ وَخَيْرَ الدُّعَاءِ وَخَيْرَ النَّجَاةِ وَخَيْرَ الْعَمَلِ وَخَيْرَ الثَّوَابِ وَخَيْرَ الْحَيَاةِ وَخَيْرَ الْمَمَاتِ، وَثَبِّتْنِي وَثَقِّلْ مَوَازِيْنِي، وَحَقِّقْ إِيْمَانِي، وَارْفَعْ دَرَجَتِي، وَتَقَبَّلْ صَلَاتِي، وَاغْفِرْ خَطِيْئَتِي، وَأَسْئَلُكَ الدَّرَجَاتِ الْعُلىٰ مِنَ الْجَنَّةِ، آمِيْنَ.

اے اللہ! میں آپ سے اچھا سوال کرنا چاہتا ہوں اور بہترین دعا بہترین طریق نجات اور شان دار عمل اور بہترین ثواب اور بہترین زندگی اور شان دار موت کا طلب گار ہوں، اور آپ مجھے دین پر استقامت عطا فرمائیے، اور میرے نیکیوں کے میزانوں کو بھاری فرمادیجئے، اور میرا ایمان مضبوط فرمادیجئے، اور میرا درجہ بلند فرمائیے، اور میری عبادات کو قبول فرمائیے، اور میری غلطی معاف فرمادیجئے اور میں آپ سے جنت میں اعلیٰ درجہ کے حصوں کا سوال کرتا ہوں۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ فَوَاتِحَ

اے اللہ! میں آپ سے خیر کے کھولنے والے

الْخَيْرِ وَخَوَاتِمَهُ وَجَوَامِعَهُ وَأَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَظَاهِرَهُ وَبَاطِنَهُ وَالدَّرَجَاتِ الْعُلىٰ مِنَ الْجَنَّةِ آمِيْنَ.

اور اُسے انجام تک پہنچانے والے اور خیر کی تمام صورتوں کے جامع اسباب اور اول وآخر اور ظاہری وباطنی خیر کا اور جنت میں اعلیٰ درجات کا سوال کرتا ہوں، آمین۔

اَللّٰهُمَّ نَجِّنِي مِنَ النَّارِ، وَمَغْفِرَةً بِاللَّيْلِ وَمَغْفِرَةً بِالنَّهَارِ، وَالْمَنْزِلِ الصَّالِحِ مِنَ الْجَنَّةِ آمِيْنَ.

اے اللہ! مجھے جہنم سے نجات عطا فرمایئے! اور رات اور دن کی مغفرت سے نوازیئے، اور جنت میں بہترین ٹھکانا عطا فرمایئے، آمین۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ خَلَاصًا مِّنَ النَّارِ سَالِمًا وَأَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ آمِنًا.

اے اللہ! مجھے سلامتی کے ساتھ جہنم سے خلاصی عطا فرمایئے، اور امن کے ساتھ جنت میں داخل فرمایئے۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ أَنْ تُبَارِكَ لِي فِي نَفْسِي وَفِي سَمْعِي وَفِي بَصَرِي، وَفِي رُوْحِي وَفِي خَلْقِي، وَفِي خُلُقِي، وَفِي أَهْلِي، وَفِي حَيَاتِي وَمَمَاتِي، وَفِي عِلْمِي، اَللّٰهُمَّ وَتَقَبَّلْ حَسَنَاتِي وَأَسْئَلُكَ الدَّرَجَاتِ الْعُلىٰ مِنَ الْجَنَّةِ، آمِيْنَ. (المستدرك للحاكم ۱/۵۲۰، كتاب الدعاء للطبراني ص: ۴۲۱ رقم: ۴۱۲۲)

اے اللہ! میں آپ سے اِس بات کا سوال کرتا ہوں کہ آپ میرے نفس میں، میری سماعت وبصارت میں، میری روح میں، میری جسمانی بناوٹ میں، میرے اخلاق میں اور میرے گھر بار میں اور میری زندگی اور موت میں اور میرے علم میں برکت عطا فرمایئے۔ اے اللہ! میری سب نیکیاں قبول فرما لیجئے! اور میں آپ سے جنت میں اعلیٰ درجات کا طلب گار ہوں، آمین۔

اور سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو یہ دعائیہ کلمات باقاعدہ سکھایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ أَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا، وَأَلِّفْ بَيْنَ قُلُوبِنَا، وَاهْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ، وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ، وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي أَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُلُوبِنَا وَأَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا، وَتُبْ عَلَيْنَا، إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ، وَاجْعَلْنَا شَاكِرِينَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِينَ بِهَا قَائِلِيهَا وَأَتِمِمْهَا عَلَيْنَا. (سنن ابن ماجة رقم: ٤١٢٦، كتاب الدعاء ص: ٤٢٢، المعجم الكبير للطبراني ١٠/١٩١ رقم: ١٠٤٢٦)

اے اللہ! ہمارے اندر جن لوگوں میں اختلاف ہو اُن میں مصالحت فرمادیجئے! اور ہمارے دلوں کو جوڑ دیجئے، اور ہمیں سلامتی کے راستوں پر چلادیجئے، اور ہمیں اندھیریوں سے نجات دے کر روشنی عطا فرمایئے، اور ہمیں کھلی اور چھپی بے حیائی کی باتوں اور فواحش سے دور فرمادیجئے۔ اے اللہ! ہمارے کانوں میں، بینائیوں میں، دلوں میں، ہماری بیویوں میں، اور اولادوں میں برکت عطا فرمایئے اور ہماری توبہ قبول فرمالیجئے۔ یقیناً آپ بہت توبہ قبول فرمانے والے اور نہایت مہربان ہیں، اور آپ ہم کو اپنی نعمتوں کے قدردانوں، اُن پر شکر ادا کرنے والوں اور زبانی نعمتوں کے اظہار کرنے والوں میں شامل فرمایئے، اور ان نعمتوں کو ہم پر تام فرمادیجئے۔

حضرت بسر بن ابی ارطاۃ قرشی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا:

اَللّٰهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا، وَأَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ. (رواه الإمام أحمد ٤/١٨١، كتاب الدعاء ص: ٤٢٤)

اے اللہ! تمام اُمور ومعاملات میں ہمارا انجام عمدہ فرمادیجئے، اور ہمیں دنیا کی ذلت ورسوائی اور آخرت کے عذاب سے بچا کر رکھئے۔

بلاشبہ یہ بڑی جامع دعا ہے۔ (احقر راقم عرض کرتا ہے کہ سیدی ومرشدی فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہ اکثر اپنی انفرادی اور اجتماعی دعاؤں میں اِس دعا کو شامل فرمایا کرتے تھے)

اور سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعائیہ کلمات بہت پسند تھے:

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنِي لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضىٰ مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ وَالنِّيَّةِ وَالْهُدىٰ، إِنَّکَ عَلىٰ کُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. (کتاب الدعاء ٤٢٨)	اے اللہ! آپ مجھے قول وعمل اور اِرادہ اور ہدایت میں ہر اُس کام کی توفیق عطا فرمایئے جو آپ کو محبوب اور پسند ہو۔

ہمیں چاہئے کہ اِن کلمات کو اچھی طرح یاد کرلیں، اور اُٹھتے بیٹھتے اِن کا ورد رکھیں، تو اِن شاء اللہ خیر وبرکت اور رحمت سے نوازے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مقبول ومستجاب اَوقات میں جی لگا کر عبادت کرنے اور اپنے رب سے مانگنے والوں میں شامل فرمائیں، آمین۔

چوتھا باب:

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ
اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ○ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ○
[الفرقان: ٦٥-٦٦]

پہلی فصل:

جہنم سے بچنے کی دعا

''عبادالرحمٰن'' کی چوتھی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ہر وقت جہنم کے عذاب سے بچنے کی دعائیں کرتے رہتے ہیں، چناں چہ اِرشاد فرمایا گیا:

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا. اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا. (الفرقان: ٦٥-٦٦)

اور وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب ہٹا دیجئے، یقیناً اُس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے، اور وہ (جہنم) بری جگہ اور برا ٹھکانا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک اور مقبول بندوں کے لئے ناقابلِ تصور نعمتوں سے بھرپور ''عظیم الشان مہمان خانہ'' جنت کی صورت میں بنایا ہے، اِسی طرح بے ایمان اور بدعمل لوگوں کے لئے ''خطرناک قید خانہ'' جہنم کی صورت میں متعین فرمایا ہے۔ پس جو شخص آخرت میں جہنم سے بچ جائے اور جنت میں داخل ہوجائے، وہی دراَصل کامیاب شخص ہے، محض دنیا کے عیش وعشرت سے کچھ ہونے والا نہیں، جیسا کہ اِرشادِ خداوندی ہے:

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ. (آل عمران: ١٨٥)

پس جو شخص جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کردیا گیا، وہی کامیاب ہوا۔ اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکہ کا سامان ہے۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ اِنسان کے لئے سب سے بڑی ذلت کی بات یہ ہے کہ اُسے

جہنم میں داخلہ کا مستحق قرار دے دیا جائے۔ دنیا میں کوئی شریف شخص اِس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ اُس کو جیل جانے کی سزا ملے، خصوصاً کسی اَخلاقی جرم کی بنا پر جیل جانا بڑی رسوائی کی بات سمجھی جاتی ہے، حالاں کہ دنیا میں اِس رسوائی کا علم محدود لوگوں کو ہی ہو پاتا ہے، جس کے برخلاف میدانِ محشر میں جہاں تمام اَولین وآخرین کا مجمع ہوگا، وہاں جب برسرِ عام یہ کہا جائے گا کہ ''فلاں کو جہنم میں بھیج دیا جائے'' تو تصور کیجئے کہ کتنی بڑی رسوائی ہوگی؟ اِسی رسوائی کی بنا پر اُس وقت جہنمیوں کی حالت نا قابل بیان ہوگی، آنکھیں پتھرا جائیں گی، سر اُٹھانے کی تاب نہ ہوگی، کلیجے بے قابو ہوں گے، گھبراہٹ کی کوئی اِنتہاء نہ ہوگی۔ اِس کی منظر کشی قرآنِ کریم میں اِس طرح کی گئی ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ. اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ. مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ. (ابراهيم: ٤٢-٤٣)

اور آپ ہرگز مت خیال کیجئے کہ اللہ تعالیٰ گنہگاروں کے کاموں سے بے خبر ہے، اُن کو تو اُس نے اُس دن کے لئے ڈھیل دے رکھی ہے جب اُن کی آنکھیں پتھرا جائیں گی۔ اور وہ سر اُوپر اُٹھائے دوڑتے ہوں گے، اُن کی آنکھیں اُن کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گی (ہکابکا رہ جائیں گے) اور اُن کے دل اُڑ گئے ہوں گے۔

نیز سورۂ سجدہ میں اِرشاد فرمایا گیا:

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْ رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ. (السجدة: ١١)

اور جب آپ دیکھیں جس وقت کہ مجرمین اپنے رب کے سامنے (ذلت وندامت سے) سر ڈالے ہوئے ہوں گے۔

خلاصہ یہ کہ جہنم میں جانا سب سے بڑی ذلت کی بات ہے۔ اِسی لئے قرآنِ پاک میں اہلِ ایمان کی دعاؤں کے ضمن میں یہ حقیقت اُجاگر کی گئی کہ:

رَبَّنَا اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ. (آل عمران: ۱۹۲)

اے ہمارے رب! جس کو آپ دوزخ میں ڈال دیں سو اُس کو آپ نے رسوا کردیا، اور گنہگاروں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

نیز اِرشاد فرمایا گیا:

اَلَمْ يَعْلَمُوْآ اَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَاَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ. (التوبة: ٦٣)

کیا وہ نہیں جانتے کہ جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول سے مقابلہ کرے گا، تو اُس کے واسطے جہنم کی آگ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ یہی ہے بڑی رسوائی۔

بریں بنا ہر مسلمان کو آخرت میں ذلت ورسوائی سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔

جہنم اِس وقت بھی موجود ہے

اہل سنت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ جنت اور جہنم دونوں اللہ کی مخلوقات میں شامل ہیں، اور اُن کا وجود ہو چکا ہے، اور وہ ہمیشہ رہیں گی، کبھی فنا نہ ہوں گی۔ ''العقیدۃ الطحاویہ'' میں ہے:

وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوْقَتَانِ لَا يَفْنِيَانِ أَبَدًا وَلَا يَبِيْدَانِ، إِنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ خَلَقَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ قَبْلَ الْخَلْقِ. (العقيدة الطحاوية ١٢١-١٢٣ مؤسسة المختار القاهرة)

اور جنت اور جہنم دونوں مخلوق ہیں، جو کبھی بھی فنا اور نابود نہ ہوں گی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے دیگر مخلوقات سے قبل جنت اور جہنم کو پیدا فرمایا۔

اوران کے وجود کی دلیل وہ صریح آیات ہیں جن میں جنت وجہنم کی تیاری اور اُن میں پائی جانے والی راحتوں اور تکلیفوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں نماز کسوف (سورج گرہن کی نماز) کے دوران پیغمبر علیہ السلام کا باقاعدہ

جنت وجہنم کا مشاہدہ کرنا بھی ثابت ہے۔

اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طویل روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمازِ کسوف سے فارغ ہوکر صحابہؓ سے ارشاد فرمایا:

رَأَيْتُ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا كُلَّ شَيْءٍ وُعِدْتُّمْ، حَتّٰى لَقَدْ رَأَيْتَنِيْ أُرِيْدُ أَنْ آخُذَ قِطْفًا مِّنَ الْجَنَّةِ حِيْنَ رَأَيْتُمُوْنِيْ جَعَلْتُ أُقَدِّمُ ...... وَلَقَدْ رَأَيْتُ جَهَنَّمَ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا حِيْنَ رَأَيْتُمُوْنِيْ تَأَخَّرْتُ. وَرَأَيْتُ فِيْهَا عَمْرَو بْنَ لُحَيٍّ، وَهُوَ الَّذِيْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ.

(صحيح مسلم ۲۹۶/۱ المكتبة النعيمية ديوبند)

میں نے اِس جگہ پر ہر وہ چیز دیکھی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، حتی کہ جس وقت تم مجھے آگے بڑھتے ہوئے دیکھ رہے تھے تو میں اِرادہ کررہا تھا کہ جنت کی ایک ٹہنی لے لوں، اور میں نے اُس وقت جب تم مجھے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھ رہے تھے؛ جہنم کو دیکھا کہ اُس کی لپٹیں بعض بعض کو دہکا رہی تھیں۔ اور میں نے جہنم میں عمرو بن لحیؑ کو دیکھا؛ یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے بتوں کے نام پر جانوروں کو چھوڑنے کی رسم بد جاری کی تھی۔

سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّهٗ عُرِضَ عَلَيَّ كُلُّ شَيْءٍ تُوْلَجُوْنَهٗ، فَعُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ، حَتّٰى لَوْ تَنَاوَلْتُ مِنْهَا قِطْفًا أَخَذْتُهٗ ...... وَعُرِضَتْ عَلَيَّ النَّارُ فَرَأَيْتُ فِيْهَا امْرَأَةً مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ تُعَذَّبُ فِيْ هِرَّةٍ لَهَا رَبَطَتْهَا، فَلَمْ

میرے سامنے وہ تمام چیزیں پیش کی گئیں جن سے تمہیں گذرنا ہے، اور میرے سامنے جنت پیش ہوئی حتی کہ اگر میں اُس سے کوئی ٹہنی لینا چاہتا تو لے لیتا، اور میرے سامنے جہنم پیش کی گئی تو میں نے اُس میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کو دیکھا جسے ایک بلی کی وجہ سے عذاب

تُطْعِمُهَا وَلَمْ تَدَعُهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ. وَرَأَيْتُ أَبَا ثُمَامَةَ عَمْرَو بْنَ مَالِكٍ يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ. (صحیح مسلم ۲۹۷/۱ المکتبة النعیمیة دیوبند)

دیا جارہا تھا، جسے اُس نے باندھ کر رکھا تھا، نہ تو خود اُسے کھلاتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ حشرات الارض میں سے کچھ کھائے۔ اور میں نے ابوثمامہ عمرو بن مالک کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا۔

اکثر شارحین کی رائے یہی ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دورانِ نماز بعینہٖ بطور معجزہ جنت وجہنم کا مشاہدہ فرمایا تھا، جو اِس بات کی واضح دلیل ہے کہ: ”جنت وجہنم فی الوقت موجود ہیں“۔ یہی اہل سنت والجماعت کا موقف ہے۔ (شرح النووی علی مسلم وغیرہ ۲۹۷/۱)

جہنم کی بے مثال وسعت

جہنم کی وسعت کا دنیا میں کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ قرآنِ پاک کی ایک آیت میں اُس کی ناقابل یقین وسعت کا اِس انداز میں ذکر کیا گیا ہے کہ:

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ. (ق: ۳۰)

جس دن ہم جہنم سے کہیں گے کہ کیا تو بھرگئی؟ تو وہ جواب دے گی ”کیا کچھ اور ہے“۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ جہنم میں جانے والوں کی تعداد جنت میں جانے والوں کے مقابلہ میں ایک ہزار میں ۹۹۹ رہوگی۔ (صحیح بخاری رقم: ۳۳۴۸، صحیح مسلم حدیث: ۲۲۵۹)

اِتنی عظیم تعداد کے جہنم میں پہنچنے کے باوجود اُس کی طرف سے مزید جگہ ہونے کا جواب دینا بجائے خود اُس کی وسعتِ دامانی کی دلیل ہے۔

خادمِ رسول سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: ”جہنم میں برابر لوگ ڈالے جاتے رہیں گے، اور جہنم مزید کا مطالبہ کرتی رہے گی؛ تا آنکہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم مبارک جہنم پر رکھ دیں گے، تو جہنم کہہ اُٹھے گی: بس، بس“۔ (بخاری شریف، کتاب التفسیر ۷۱۹/۲، تفسیر ابن کثیر مکمل)

اور سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تَحَاجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ، فَقَالَتِ النَّارُ: أُوْثِرْتُ بِالْمُتَكَبِّرِيْنَ وَالْمُتَجَبِّرِيْنَ، وَقَالَتِ الْجَنَّةُ: مَا لِيْ لا يَدْخُلُنِيْ إِلَّا ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَسَقَطُهُمْ. قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لِلْجَنَّةِ: أَنْتِ رَحْمَتِيْ أَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ مِنْ عِبَادِيْ، وَقَالَ لِلنَّارِ: إِنَّمَا أَنْتِ عَذَابٌ أُعَذِّبُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ مِنْ عِبَادِيْ، وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا مِلْؤُهَا، فَأَمَّا النَّارُ فَلا تَمْتَلِئُ حَتّٰى يَضَعَ رِجْلَهٗ فَتَقُوْلُ: قَطْ قَطْ قَطْ فَهُنَالِكَ تَمْتَلِئُ وَيُزْوٰى بَعْضُهَا إِلٰى بَعْضٍ وَلَا يَظْلِمُ اللّٰهُ مِنْ خَلْقِهٖ أَحَدًا، وَأَمَّا الْجَنَّةُ فَإِنَّ اللّٰهَ يُنْشِئُ لَهَا خَلْقًا. (صحيح البخاري / باب قوله: وتقول هل من مزيد ۲/ ۷۱۹ زکریا)

جنت اور جہنم میں بحث ہوئی، جہنم بولی کہ مجھے متکبرین اور جبارین کے ذریعہ ترجیح حاصل ہے۔ اور جنت نے کہا کہ میرے اندر تو صرف کمزور اور ذلیل لوگ ہی زیادہ داخل ہوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا کہ تو میری رحمت (کا مظہر) ہے، تیرے ذریعہ سے میں اپنے بندوں میں سے جن پر چاہوں گا رحم کروں گا۔ اور جہنم سے فرمایا کہ تو میرا عذاب (کا مظہر) ہے، تیرے ذریعہ سے میں جن بندوں کو چاہوں گا عذاب دوں گا، اور ہر ایک کو بھرنے والے متعین ہیں، بہرحال جہنم تو وہ اُس وقت تک نہیں بھرے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُس پر اپنا قدم نہ رکھ دیں، تو وہ کہہ اُٹھے گی: بس، بس، بس، اُس وقت وہ بھر جائے گی، اور اُس کے اجزاء آپس میں مل جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں فرمائیں گے، اور رہ گئی جنت، تو اللہ تعالیٰ اُس کو بھرنے کے لئے ایک نئی مخلوق پیدا فرمائیں گے۔

حدیث بالا میں اللہ تعالیٰ کے جہنم پر قدم رکھنے کا جو مضمون آیا ہے، اُس کے بارے میں

جمہور سلف صالحین کا موقف یہ ہے کہ اُس پر بغیر کسی تفسیر و تاویل کے ایمان رکھا جائے، گویا کہ یہ کہا جائے کہ ’’اللہ کے قدم رکھے جانے کا تو یقین ہے؛ لیکن اُس کی کیفیت کیا ہوگی؟ اُس کا اِدراک کرنے سے ہماری عقلیں قاصر ہیں‘‘۔

اِس کے برخلاف بہت سے علماء نے اپنے اپنے انداز میں اِس کی تاویل کرنے کی بھی کوششیں فرمائی ہیں، اور اُس سے ایسے معنی مراد لئے ہیں جو شانِ خداوندی کے لائق ہوں، اس کی تفصیلات کتب عقائد اور شروحاتِ حدیث میں موجود ہیں۔ (فتح الباری شرح البخاری/ کتاب التفسیر ۱۰/۶۶۷-۶۷۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

جہنم؛ میدانِ حشر میں

نیز اِس سے بھی جہنم کی وسعت کا اَندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ میدانِ حشر میں جہنم کو جب لایا جائے گا تو اُس کی ۷۰؍ ہزار لگامیں ہوں گی، اور ہر لگام کو ۷۰؍ ہزار فرشتے پکڑ کر کھینچ رہے ہوں گے۔ چناں چہ اِس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يُؤْتٰى بِالنَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهَا سَبْعُوْنَ أَلْفَ زِمَامٍ مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّوْنَهَا. (صحيح مسلم ۲/۳۸۱ المكتبة النعيمية ديوبند، الترغيب والترهيب ۴/۲۴۹)

قیامت کے روز جہنم کو اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔

اللہ اکبر! کس قدر بھیانک منظر ہوگا؟ اِس منظر کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے عذاب اور جہنم سے پوری طرح محفوظ رکھیں، آمین۔

دوسری فصل:

قرآن وحدیث میں جہنم کی منظر کشی

قرآنِ کریم میں جگہ جگہ جہنم کے ہولناک عذاب کو ذکر کرکے اُس سے ڈرایا گیا ہے، جس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اِس سلسلہ کی بعض آیات ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

- جہنم کی آگ کو دہکانے کے لئے ایندھن کے طور پر انسان اور پتھر استعمال ہوں گے۔ ﴿وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ [البقرة: ٢٤]
- اہلِ جہنم کی کھال جب آگ سے جل جائے گی تو فوراً دوسری نئی کھال اُن پر چڑھادی جائے گی (تاکہ برابر شدید تکلیف کا احساس ہوتا رہے) ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ [النساء، جزء آیت: ٥٦]
- آگ ہی جہنمیوں کا اوڑھنا بچھونا ہوگی۔ ﴿لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ﴾ [الاعراف، جزء آیت: ٤١]
- جہنمیوں کو (پانی کے بجائے سڑا ہوا) پیپ پلایا جائے گا، جسے اُنہیں نہ چاہتے ہوئے بھی زبردستی پینا پڑے گا۔ ﴿يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ. يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهُ﴾ [ابراهيم، جزء آیت: ١٦-١٧]
- جہنمیوں کا لباس گندھک کا ہوگا (جس میں آگ جلدی لگتی ہے) اور آگ اُن کے چہروں کو جھلسا رہی ہوگی۔ ﴿سَرَابِيْلُهُمْ مِنْ قَطِرَانٍ وَتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ﴾ [ابراهيم: ٥٠]
- جہنم میں جہنمیوں کی (شدتِ عذاب سے) ایسی دہاڑ اور چیخ وپکار ہوگی کہ کان پڑی

آواز سنائی نہ دے گی۔ ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَھُمْ فِیْھَا زَفِیْرٌ وَّشَھِیْقٌ﴾ [ھود: ١٠٦، الأنبیاء: ١٠٠]

○ جہنمیوں کے سروں پر نہایت کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا وہ پانی جب بدن کے اندر پہنچے گا تو پیٹ کی انتڑی اور اوجھڑی سب گلا کر نکال دے گا، اور کھال بھی گل پڑے گی اور اوپر سے لوہے کے ہتھوڑوں سے پٹائی ہوتی رہے گی، بہت کوشش کریں گے کہ کسی طرح جہنم سے نکل بھاگیں، مگر پھر اُنہیں جہنم میں ڈھکیلا جاتا رہے گا، اور کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب چکھتے رہو۔ ﴿یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُ وْسِھِمُ الْحَمِیْمُ. یُصْھَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِھِمْ وَالْجُلُوْدُ. وَلَھُمْ مَقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ. کُلَّمَا اَرَادُوْا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْھَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْھَا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ﴾ [الحج: ١٩-٢٢]

○ ہر طرف سے آگ میں جلنے کی وجہ سے جہنمیوں کی صورتیں بگڑ جائیں گی۔ ﴿تَلْفَحُ وُجُوْھَھُمُ النَّارُ وَھُمْ فِیْھَا کٰلِحُوْنَ﴾ [المؤمنون: ١٠٤]

○ جہنمیوں کو سینڈھے (زقوم) کا درخت کھلایا جائے گا جو جہنم کی پیداوار ہوگا، جو شیطان نما نہایت بدصورت ہوگا، اِسی کو کھا کر جہنمی پیٹ بھریں گے، اور اوپر سے جب پیاس لگے گی تو سخت ترین کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا۔ ﴿اَذٰلِکَ خَیْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ. اِنَّا جَعَلْنَاھَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِیْنَ. اِنَّھَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْ اَصْلِ الْجَحِیْمِ. طَلْعُھَا کَاَنَّهٗ رُءُ وْسُ الشَّیٰطِیْنِ. فَاِنَّھُمْ لَاٰکِلُوْنَ مِنْھَا فَمَالِئُوْنَ مِنْھَا الْبُطُوْنَ. ثُمَّ اِنَّ لَھُمْ عَلَیْھَا لَشَوْبًا مِنْ حَمِیْمٍ﴾ [الصفت: ٦٢-٦٧، الدخان: ٤٣-٤٨]

○ جہنمیوں کی گردن میں طوق پڑے ہوں گے اور پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوں گی اور (مجرموں کی طرح) اُنہیں گھسیٹ کر کھولتے پانی میں ڈال دیا جائے گا، پھر آگ میں دھونکایا جائے گا۔ ﴿اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْ اَعْنَاقِھِمْ وَالسَّلٰسِلُ یُسْحَبُوْنَ. فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ﴾ [الغافر: ٧١-٧٢]

○ کافروں کو ستّر گز لمبی زنجیروں میں جکڑ کر جہنم میں لایا جائے گا۔ ﴿خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ.

ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ. ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ﴾ [الحاقة: ۳۰-۳۱-۳۲]

○ جہنم کے پہرے پر نہایت زبردست قوت والے اور سخت گیر فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم کی تعمیل میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں کرتے (یعنی نہ وہ جہنمی پر رحم کھائیں گے اور نہ اُنہیں چکمہ دے کر کوئی جہنم سے نکل سکے گا) ﴿عَلَيْهَا مَلَآئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ [التحريم، جزء آيت: ٦]

اِس کے علاوہ بھی قرآنِ کریم کی بہت سی آیات میں جہنم کے عذاب کی تفصیلات مذکور ہیں، جن سے جہنم کی وحشت ناکی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اللّٰھم احفظنا منہ۔

تیسری فصل:

اَحادیثِ شریف میں جہنم کی ہولناکیوں کا بیان

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیثِ طیبہ میں نہایت تفصیل اور وضاحت کے ساتھ جہنم اور اس کے ناقابل تصور عذابوں سے اُمت کو متنبہ فرمایا ہے۔ چند اَحادیث کا خلاصہ ذیل میں درج ہے:

○ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''یہ آگ جسے آدمی دہکاتا ہے، یہ جہنم کی آگ کے ۷۰/اجزاء میں سے ایک جزء ہے''۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ دنیا کی آگ ہی جلانے کے لئے کافی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَـإِنَّهَـا فُـضِّـلَـتْ عَلَيْـهَـا بِتِسْعَةٍ وَسِتِّيْنَ جُزْءً ا، كُلُّهَا مِثْلُ حَرِّهَا.

(صحيح مسلم ۳۸۱/۲ رقم: ۲۸۴۳ بيت الأفكار الدولية)

جہنم کی آگ دنیا کی آگ کے مقابلہ میں ۶۹/ گنا زیادہ جلانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اور ۷۰/گنا میں سے ہر جزء میں یکساں تپش کی صلاحیت ہے۔ (اعاذنا اللّٰہ منہ)

○ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

أُوْقِـدَ عَـلَى النَّارِ أَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى احْـمَـرَّتْ، ثُـمَّ أُوْقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ

جہنم کی آگ کو ایک ہزار سال تک دہکایا گیا جس کی وجہ سے وہ سرخ ہوگئی، پھر ایک ہزار

سَنَةٍ حَتّٰى ابْيَضَّتْ، ثُمَّ أُوْقِدَ عَلَيْهَا أَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى اسْوَدَّتْ فَهِيَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ. (سنن الترمذي ٨٦/٢ رقم: ٢٥٩١)

سال تک دہکایا گیا جس کی بنا پر وہ جلتے جلتے سفید ہوگئی، اس کے بعد پھر ایک ہزار سال دہکایا گیا تو وہ سیاہ ہوگئی، چناں چہ اب وہ نہایت اندھیری اور سیاہی کے ساتھ دہک رہی ہے۔

○ سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

لَوْ أَنَّ قَطْرَةً مِنَ الزَّقُّوْمِ قُطِرَتْ فِيْ دَارِ الدُّنْيَا لَأَفْسَدَتْ عَلٰى أَهْلِ الدُّنْيَا مَعَائِشَهُمْ. فَكَيْفَ بِمَنْ يَكُوْنُ طَعَامَهٗ. (سنن الترمذي ٨٦/٢ رقم: ٢٥٨٥، ابن حبان ٢٧٨/٩)

جہنمیوں کی غذا ''زقوم'' (سینڈھا) اتنی بدبودار ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی دنیا میں اتار دیا جائے تو تمام دنیا والوں کا بدبو کی وجہ سے یہاں رہنا دوبھر ہو جائے، تو اندازہ لگایئے کہ جس کی غذا ہی یہ ہوگی اس کا کیا حال ہوگا؟

○ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَوْ أَنَّ دَلْوًا مِنْ غَسَّاقٍ يُهْرَاقُ فِيْ الدُّنْيَا لَأَنْتَنَ أَهْلَ الدُّنْيَا. (سنن الترمذي ٨٦/٢ رقم: ٢٥٨٤)

(جہنمیوں کو پلایا جانے والا ''غَسَّاقْ'' (زخموں کی پیپ) اتنی سخت بدبودار ہے کہ) اس کا اگر صرف ایک ڈول بھی دنیا میں ڈال دیا جائے تو ساری دنیا اس کی بدبو سے سڑ جائے گی۔

○ سیدنا حضرت ابواُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی آیت: ﴿وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يُقَرَّبُ إِلٰى فِيْهِ فَيَكْرَهُهٗ، فَإِذَا أُدْنِيَ مِنْهُ شَوّٰى وَجْهَهٗ وَوَقَعَتْ

وہ بدبودار کھولتا ہوا پیپ جہنمی کے منہ کے قریب کیا جائے گا، جو اُسے بہت ناگوار ہوگا؛ لیکن

فَرْوَةُ رَأْسِهٖ فَإِذَا شَرِبَهٗ قَطَّعَ أَمْعَاءَهٗ حَتّٰى يَخْرُجَ مِنْ دُبُرِهٖ. (سنن الترمذي ۲/۸۵ رقم: ۲۵۸۳)

اُسے قریب کرتے ہی اُس کا چہرہ بالکل جھلس جائے گا، حتیٰ کہ گرمی کی شدت سے اس کے سر کی کھال تک پگھل جائے گی، پھر جب وہ جہنمی اس بدبودار اور گرم ترین پانی کو بادلِ ناخواستہ پیئے گا تو وہ اس کی سب انتڑیاں کاٹ کر پیچھے کے راستے سے باہر نکال دے گا۔ اعاذنا اللہ منہ۔

○ سیدنا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت: ﴿وَهُمْ فِيهَا كَالِحُوْنَ﴾ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ:

تَشْوِيْهِ النَّارُ فَتَقَلَّصُ شَفَتُهُ الْعُلْيَا حَتّٰى تَبْلُغَ وَسَطَ رَأْسِهٖ وَتَسْتَرْخِيْ شَفَتُهُ السُّفْلٰى حَتّٰى تَضْرِبَ سُرَّتَهٗ. (سنن الترمذي ۲/۱۵۱ رقم: ۳۱۷۶)

جہنم کی لپٹوں سے جہنمی کا چہرہ اس طرح جھلس جائے گا کہ اوپر کا ہونٹ آدھے سر تک سمٹ جائے گا اور نیچے کا ہونٹ اُس کی ناف تک لٹک جائے گا۔ اَعاذنا اللہ منہ۔

○ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

ضِرْسُ الْكَافِرِ أَوْ نَابُ الْكَافِرِ مِثْلُ أُحُدٍ، وَغِلْظُ جِلْدِهٖ مَسِيْرَةُ ثَلَاثٍ. (صحيح مسلم ۲/۳۸۲ رقم: ۲۸۵۱)

کافر جہنمی کی ڈاڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی اور اس کی کھال کی موٹائی ۳؍دن کے مسافت کے بقدر ہوجائے گی (تاکہ بدن بڑا ہونے سے تکلیف میں مزید اضافہ ہوسکے)۔ اعاذنا اللہ منہ

○ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الْكَافِرَ لَيُسْحَبُ لِسَانُهُ الْفَرْسَخَ وَالْفَرْسَخَيْنِ يَتَوَطَّؤُهُ النَّاسُ. (سنن الترمذي ۲/۸۵ رقم: ۲۵۸۰)

کافر کی زبان جہنم میں ایک فرسخ اور دو فرسخ کے بقدر باہر نکال دی جائے گی حتی کہ دیگر جہنمی اس پر چلا کریں گے۔

○ سیدنا حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزء زبیدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ فِيْ النَّارِ حَيَّاتٍ كَأَمْثَالِ أَعْنَاقِ الْبُخْتِ تَلْسَعُ إِحْدَاهُنَّ اللَّسْعَةَ فَيَجِدُ حَرَّهَا سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا، وَإِنَّ فِيْ النَّارِ عَقَارِبَ كَأَمْثَالِ الْبِغَالِ الْمُوْكَفَةِ تَلْسَعُ إِحْدَاهُنَّ اللَّسْعَةَ فَيَجِدُ حُمُوَّتَهَا أَرْبَعِيْنَ سَنَةً.

جہنم کے اژدہے بختی اُونٹ کی گردن کے برابر موٹے ہوں گے اور اتنے سخت زہریلے ہوں گے کہ ڈسنے کے بعد اُن کے زہر کی ٹیسیں ۷۰/سال تک اُٹھتی رہیں گی، اور جہنم کے بچھو خچروں کے برابر ہوں گے، جن کے ڈسنے کی ٹیس ۴۰/سال تک محسوس ہوگی۔

(المسند للإمام أحمد ١٩١/٤ رقم: ٥٢٩٢، الترغيب والترهيب رقم: ٥٥٢٣)

○ سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يُرْسَلُ الْبُكَاءُ عَلىٰ أَهْلِ النَّارِ فَيَبْكُوْنَ حَتّٰى تَنْقَطِعَ الدُّمُوْعُ، ثُمَّ يَبْكُوْنَ الدَّمَ حَتّٰى يَصِيْرَ فِيْ وُجُوْهِهِمْ كَهَيْئَةِ الْأُخْدُوْدِ، لَوْ أُرْسِلَتْ فِيْهَا السُّفُنُ لَجَرَتْ.

جہنمیوں پر رونے کی حالت طاری کردی جائے گی پس روتے روتے ان کے آنسو خشک ہوجائیں گے، تو پھر وہ خون کے آنسو اس قدر روئیں گے کہ ان کے چہروں میں (اتنے بڑے بڑے) گڈھے ہوجائیں گے کہ اگر ان میں کشتیاں چلائی جائیں تو وہ بھی چلنے لگیں۔

(سنن ابن ماجة / كتاب الزهد باب: ٣٨ حديث: ٤٣٢٤، ص: ٩٨٣، الترغيب والترهيب ٢٧٠/٤)

○ سیدنا حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا رَجُلٌ فِيْ أَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَتَانِ يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهُ كَمَا يَغْلِيْ الْمِرْجَلُ بِالْقُمْقُمِ. (صحيح البخاري ٩٧١/٢، الترغيب والترهيب ٢٦٦/٤)

جہنم میں سب سے کم تر عذاب والا شخص وہ ہوگا جس کے جوتے میں جہنم کے انگارے رکھ دئے جائیں گے جن کی گرمی سے اس کا دماغ ایسے کھولے گا جیسے دیگچی میں آگ پر پانی کھولتا ہے۔

اور مصنف بن ابی شیبہ میں مغیث بن سُمی سے موقوفاً روایت ہے کہ جب جہنمی کو جہنم میں داخل کیا جائے گا تو اُس سے کہا جائے گا کہ: ”ٹھہرو! ابھی تمہیں ایک تحفہ دیا جائے گا، پھر اُس کے سامنے زہریلے سانپوں کے زہر پر مشتمل ایک مشروب لایا جائے گا، جس کے زہر کی شدت اِس قدر زیادہ ہوگی کہ اُس کو منہ سے قریب کرتے ہی اُس کا گوشت اور ہڈیاں تتر بتر ہوجائیں گی“۔ (المصنف لابن ابی شیبہ/ کتاب ذکر النار ۲/۷ حدیث: ۳۴۱۱۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اس لئے ہمیں اللہ کے عذاب سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے اور ہمیشہ اس کی فکر رہنی چاہئے کہ ہم اپنی بدعملی کی وجہ سے خدانخواستہ مستحق عذاب نہ ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ ہر اُمتی کو اپنے عذاب سے محفوظ رکھیں، اور دنیا وآخرت میں عافیت سے مالامال فرمائیں، آمین۔

پانچواں باب:

وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا ○

[الفرقان، جزء آيت: ٦٧]

فضول خرچی سے اجتناب

پہلی فصل:

اِسراف اور فضول خرچی سے بچیں!

’’عباد الرحمٰن‘‘ کی پانچویں صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا﴾ [الفرقان، جزء آیت: ٦٧] یعنی وہ لوگ خرچ کرنے میں اِسراف سے کام نہیں لیتے۔

اللہ تعالیٰ نے اِنسانوں کے نفع کے لئے بے شمار نعمتیں پیدا فرمائی ہیں، اور اُن سے فائدہ اُٹھانا فی نفسہٖ منع نہیں ہے؛ البتہ اُن کا بے جا اِستعمال یہ ضرور ناپسندیدہ عمل ہے۔ چناں چہ قرآنِ کریم میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا، اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ. (الأعراف: ٣١)

اور خوب کھاؤ پیو اور بے جا خرچ مت کرو، یقیناً بے جا خرچ کرنے والے اللہ کو پسند نہیں ہیں۔

اِسراف کے اَصل معنی حد سے تجاوز کرنے کے آتے ہیں، اَب جس طرح بھی حد سے تجاوز ہوگا وہ اِسراف میں داخل ہو جائے گا، مثلاً بغیر خواہش کے کھانا کھانے لگیں، یا جو چیزیں صحت کے لئے مضر ہیں اُن کا استعمال کریں، یا حلال کو چھوڑ کر حرام چیزوں سے فائدہ اُٹھائیں، وغیرہ۔ یہ سب باتیں اِسراف کے معنی میں شامل ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا، اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا. (بنی اسرائیل: ٢٦-٢٧)

اور (اپنا مال) بے جا مت اُڑاؤ، یقیناً بے جا مال اُڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں، اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

بلاشبہ مال اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس سے نہ صرف یہ کہ اِنسان کو

دلجمعی نصیب ہوتی ہے؛ بلکہ بہت سی دینی خدمات اور نیکیوں کا حصول بھی مال ہی کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے۔ اَب اگر اِس مال کو معاصی اور لغویات میں خرچ کردیا جائے یا چٹورپن میں اُڑادیا جائے، تو یقیناً یہ نعمتِ خداوندی کی سخت ناشکری ہوگی۔ اور اِس عمل کا مرتکب آدمی ناشکری میں شیطان کے مشابہ قرار پائے گا کہ جس طرح اِبلیس لعین نے اللہ کی بخشی ہوئی عظیم صلاحیتوں کو نافرمانی اور گمراہی میں خرچ کیا، اِسی طرح یہ شخص بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بے جا اُڑا کر ناشکری کا اِرتکاب کررہا ہے۔ (فوائد عثمانی)

اِسراف وتبذیر کے معنی ایک ہیں یا الگ الگ؟

اکثر حضراتِ مفسرین نے لکھا ہے کہ: ''اِسراف تو مطلق حد سے تجاوز کرنے کے معنی میں آتا ہے؛ لیکن تبذیر کا لفظ خاص طور پر اللہ کی نافرمانی میں اور فتنہ وفساد کی باتوں میں مال خرچ کرنے پر بولا جاتا ہے۔ اور اگر صحیح جگہ آدمی مال خرچ کرے تو اُس کے اوپر فضول خرچی کا اِطلاق نہ ہوگا، خواہ وہ کتنا ہی مال خرچ کردے''۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۸۱۷ ریاض، الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۴/۱۷۷)

اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''جو مال بھی اللہ کی اِطاعت کے علاوہ میں خرچ کیا جائے، وہ اِسراف میں داخل ہے، اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو''۔ (عمدۃ الحفاظ فی تفسیر اشرف الالفاظ ۲۳۹ استنبول)

اور حکیم الامت حضرت مولانا اَشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اِسراف اور تبذیر کا حاصل ایک ہی ہے، کہ محل معصیت میں خرچ کرنا، خواہ وہ معصیت بالذات ہو، جیسے: شراب، قمار وزنا۔ خواہ بالغیر ہو، جیسے: بنیت شہرت وتفاخر خرچ کرنا۔ اور بعض نے یہ فرق کیا ہے کہ اِسراف میں جہل بالکمیہ ہے کہ مقادیر حقوق سے تجاوز ہو، اور تبذیر میں جہل بالکیفیت ہے کہ محل وموقع نہ سمجھے''۔ (بیان القرآن ۱/۸۸۹)

(ومثله ما جاء في نهاية المحتاج نقلاً عن الماوردي: التبذير: الجهل بمواقع الحقوق. والسرف: الجهل بمقادير الحقوق) (الموسوعة الفقهية ١٧٧/٤ الكويت)

مطلب یہ ہے کہ اِسراف وتبذیر میں فرق اِس معنی کر ہے کہ اگر بے موقع اور بے محل خرچ کرے تو تبذیر ہے۔ اور اگر جتنے میں ضرورت پوری ہوجاتی ہے، یا جس کا جتنا حق بنتا ہے، اُس پر اس سے زائد خرچ کرے تو اِسراف ہے۔

وضو میں بھی اِسراف پسند نہیں

شریعت میں اِس بات کی کس قدر رعایت رکھی گئی ہے؟ اُس کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وضو میں بھی تین مرتبہ سے زائد (بلاضرورت) پانی بہانا ظلم قرار دیا گیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ۳۴ وغیرہ)

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے، جو اُس وقت وضو میں مشغول تھے، تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''مَا هٰذَا السَّرَفُ؟'' (یعنی یہ پانی بہانے میں اسراف کیسا؟) تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ''کیا وضو میں بھی اِسراف ممکن ہے''؟ (آپ نے یہ بات اِس لئے کہی کہ عرف میں یہ محاورہ زبان زد تھا کہ: ''لاَ خَيْرَ فِيْ سَرَفٍ، وَلاَ سَرَفَ فِيْ خَيْرٍ'' (یعنی نہ تو اسراف میں خیر ہے اور نہ خیر میں اِسراف ہے) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ''نَعَمْ! وَإِنْ كُنْتَ عَلىٰ نَهْرٍ جَارٍ'' (یعنی وضو میں بھی اِسراف کا حکم لگے گا، اگرچہ تم جاری نہر پر بیٹھ کر وضو کررہے ہو) (سنن ابن ماجہ ۳۴ رقم: ۴۲۵)

اَصل میں پیغمبر علیہ السلام نے اِس جواب میں اِشارہ فرمایا کہ وضو میں تین سے زائد مرتبہ جب پانی بہایا جائے گا تو اس میں ایک تو فضول پانی اور وقت ضائع ہوگا۔ دوسرے شرعی حدود سے تجاوز لازم آئے گا۔ اور یہ سب باتیں اِسراف میں داخل ہیں۔ (حاشیہ ابن ماجہ ۳۴ نقلاً عن المرقاۃ)

اور محدث کبیر حضرت عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''جو شخص وضو میں تین سے زائد مرتبہ (بے ضرورت) پانی استعمال کرے گا، تو مجھے اُس کے گنہگار ہونے کا اندیشہ ہے''۔ (سنن الترمذی ۱/۱۷)

تو جب عبادات میں حد سے تجاوز ناپسندیدہ ہے تو اُن کے علاوہ جگہوں میں حدود کی رعایت نہ کرنا کس قدر ناپسند ہوگا، اِسی سے اندازہ لگالیا جائے، خاص طور پر مساجد ومدارس کے موقوفہ پانی کو ضائع ہونے سے بچانے کا ضرور اہتمام کرنا چاہئے۔

تعمیرات میں اِسراف

شریعت میں بقدرِ ضرورت تعمیر کرنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن بلاضرورت تعمیرات ہرگز پسندیدہ نہیں ہیں، متعدد روایات میں بے ضرورت تعمیرات کی مذمت وارد ہے۔

- ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گذر ایک صحابی کے گھر پر ہوا، جنہوں نے اپنے دروازہ پر ایک گنبد بنا رکھا تھا، تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ''یہ کیا ہے''؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ فلاں انصاری شخص نے بنایا ہے، تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''كُلُّ مَا كَانَ هٰكَذَا فَهُوَ وَبَالٌ عَلٰى صَاحِبِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ''. (یعنی ہر اِس طرح کی (بے ضرورت) عمارت قیامت کے دن اُس کے مالک پر وبال بنے گی) جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ اِرشاد اُن انصاری صحابی کو معلوم ہوا تو اُنہوں نے جاکر اُس پوری عمارت کو زمین دوز کرکے برابر کردیا۔ اُس کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پھر اُدھر سے گذر ہوا تو وہ عمارت نظر نہیں پڑی، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُس کے بارے میں پوچھا، تو لوگوں نے بتایا کہ جب آپ کا اِرشاد اِس کے مالک فلاں اَنصاری صحابی کو معلوم ہوا تو اُنہوں نے اُسی وقت اسے ڈھا دیا تھا، یہ سن کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''يَرْحَمُهُ اللّٰهُ، يَرْحَمُهُ اللّٰهُ''. (یعنی اللہ اُن پر رحم فرمائے، اللہ اُن پر رحم فرمائے) (سنن ابن ماجہ رقم: ۴۱۶۱، الترغیب والترہیب مکمل ص: ۴۲۲)
- اور سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا:

كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ، وَمَا أَنْفَقَ ہر نیکی صدقہ ہے، اور جو شخص اپنے گھر والوں پر

الرَّجُلُ عَلٰی أَهْلِهٖ كُتِبَ لَهٗ صَدَقَةٌ، وَمَا وَقٰی بِهِ الْمَرْءُ عِرْضَهٗ كُتِبَ لَهٗ بِهٖ صَدَقَةٌ، وَمَا أَنْفَقَ الْمُؤْمِنُ مِنْ نَفَقَةٍ فَإِنَّ خَلْفَهَا عَلَى اللّٰهِ، وَاللّٰهُ ضَامِنٌ إِلَّا مَا كَانَ فِيْ بُنْيَانٍ أَوْ مَعْصِيَةٍ. (الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٢٩١٣)

خرچ کرے تو اُس کے لئے صدقہ کا ثواب لکھا جاتا ہے، اور جس مال کے ذریعہ آدمی اپنی عزت بچائے تو اُس پر بھی صدقہ کا ثواب ملتا ہے، اور جو بھی برمحل خرچ کرے اُس کا بدلہ اللہ کے ذمہ ہے، اور اللہ اُس کا ضامن ہے؛ لیکن جو خرچ بے ضرورت تعمیرات یا معصیت میں خرچ کیا جائے (اُس کا کوئی بدلہ نہیں ملتا)

○ حضرت عطیہ بن قیسؒ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اَزواجِ مطہرات کے حجرے کھجور کے پتوں سے بنے ہوئے تھے (یعنی چھپر کی شکل میں تھے) تو ایک مرتبہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوہ میں تشریف لے گئے، تو اِسی دوران اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جو ایک صاحبِ وسعت خاتون تھیں) نے پتوں کے بجائے پکی اینٹیں اپنے حجرہ میں لگوادیں، تو جب پیغمبر علیہ السلام واپس تشریف لائے، تو اِس تعمیر کے بارے میں پوچھا، تو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ''میرا مقصد یہ تھا کہ میں اچھی طرح سے پردہ میں رہنے کا انتظام کروں''۔ اِس پر پیغمبر علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا:

يَا أُمَّ سَلَمَةَ! إِنَّ شَرَّ مَا ذَهَبَ فِيْهِ مَالُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ الْبُنْيَانُ. (رواه أبو داؤد في المراسيل رقم: ٤٥١، الترغيب والترهيب رقم: ٢٩١٦)

اے اُم سلمہ! سب سے بری جگہ جس میں مسلمان کا پیسہ خرچ ہوتا ہے وہ (بے ضرورت) تعمیر ہے۔

ایک طرف پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ تنبیہات ہیں، دوسری طرف اِس بارے میں سرمایہ داروں کی بے احتیاطیاں ہیں، آج جہاں بھی تھوڑا بہت روپئے پیسے کی بہتات ہوتی ہے، آدمی ضرورت بے ضرورت بلند و بالا تعمیرات میں بے تحاشا اپنا مال خرچ کرنے پر فخر محسوس کرتا

ہے، اور یہ چاہت وقت گذرنے کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے، اور اِس گرانی کے دور میں صرف ایک مکان پر لاکھوں لاکھ روپئے محض فخر وریاء کی نیت سے لگادئے جاتے ہیں، اور کوئی احساس بھی نہیں ہوتا۔

تو اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ جو پیسہ بھی فضول خرچ کیا جائے گا، آخرت میں اُس کا حساب دینا پڑے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ جب تک پانچ باتوں کا سوال نہ ہوجائے، قیامت میں کسی شخص کے قدم اپنی جگہ سے ہل نہیں پائیں گے۔ (۱) عمر کہاں لگائی؟ (۲) جوانی کہاں گنوائی؟ (۳) مال کہاں سے کمایا (۴) مال کہاں پر خرچ کیا (۵) اور اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا؟ (ترمذی شریف/ باب ماجاء فی شأن الحساب والقصاص ۲/۶۷)

اِس لئے بالخصوص سرمایہ دار حضرات یہ نہ سمجھیں کہ ہم اپنے مال کے مالک ہیں، چاہے جہاں خرچ کرلیں؛ بلکہ اگر مال کو بے جا خرچ کیا جائے گا، تو اللہ کے یہاں اُس کا حساب دینا پڑے گا، یہ بات ہر وقت پیش نظر رہنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

دوسری فصل:

کھانے پینے میں اِسراف

اِسلام نے جائز حدود میں رہتے ہوئے کھانے پینے وغیرہ پر کوئی پابندی نہیں لگائی ہے؛ لیکن اگر کسی اِنسان کی یہ حالت ہوجائے کہ وہ ہر وقت اِسی اُدھیڑ بُن میں لگا رہے کہ کیا کھائے اور کیا پئے؟ تو یہ حالت کسی بھی اِنسان کے لئے پسندیدہ قرار نہیں دی جاسکتی؛ کیوں کہ اِنسان کی پیدائش محض کھانے پینے کے لئے نہیں ہوئی ہے؛ بلکہ اپنے رب کی اِطاعت اور بندگی اُس کے وجود کا اَصل مقصد ہے، اِس مقصد کو درکنار کرکے چٹورپن کا عادی بن جانا محض خسارے کی بات ہے۔

سیدنا حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ، بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أُكُلَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ؛ فَإِنْ كَانَتْ لَا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ وَثُلُثٌ لِشَرَابِهِ وَثُلُثٌ لِنَفَسِهِ. (سنن الترمذي ۶۳/۲ رقم: ۲۳۸۰، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ۳۲۷۳)

آدمی پیٹ سے زیادہ بدترین برتن کوئی نہیں بھرتا، آدمی کو پیٹھ سیدھی رکھنے کے لئے چند لقمے کافی ہیں، پس اگر ضروری ہی ہو تو تہائی حصہ کھانے کے لئے، تہائی حصہ پینے کے لئے اور تہائی حصہ سانس لینے کے لئے رکھنا چاہئے۔

سیدنا حضرت اَبوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں ثرید (گوشت کے شوربے میں روٹی کے ٹکڑے ڈال کر تیار کیا ہوا کھانا) کھا کر پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، تو مجھے ڈکار آنے لگی، جسے سن کر پیغمبر علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا:

يَا هٰذَا! كُفَّ مِنْ جُشَائِكَ؛ فَإِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ شِبَعًا فِي الدُّنْيَا أَكْثَرُهُمْ جُوْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

اَرے بھائی! اپنی ڈکار ہم سے الگ رکھو؛ کیوں کہ دنیا میں جو لوگ زیادہ بھر پیٹ رہیں گے، وہی قیامت میں سب سے زیادہ بھوکے ہوں گے۔

سیدنا حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اِس کے بعد کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا الخ۔ (الترغیب والترہیب مکمل حدیث: ۳۲۷۴ بیت الافکار الدولیۃ)

سیدنا حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

سَيَكُوْنُ رِجَالٌ مِنْ أُمَّتِي يَأْكُلُوْنَ أَلْوَانَ الطَّعَامِ وَيَشْرَبُوْنَ أَلْوَانَ الشَّرَابِ وَيَلْبَسُوْنَ أَلْوَانَ الثِّيَابِ وَيَتَشَدَّقُوْنَ فِي الْكَلَامِ، فَأُولٰئِكَ شِرَارُ أُمَّتِي. (رواه الطبراني في الكبير ۱۰۷/۸ رقم: ۷۵۱۳ دار إحياء التراث العربي، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ۳۲۹٤ بيت الأفكار الدولية، ومثله عن فاطمةؓ رقم: ۳۲۱۲)

عنقریب میری اُمت میں ایسے لوگ پائے جائیں گے جو مختلف قسم کے کھانے کھائیں گے، اور مختلف قسم کے مشروبات پئیں گے، اور طرح طرح کے کپڑے پہنیں گے، اور مَٹھار مَٹھار کر باتیں بنائیں گے، پس یہ میری اُمت کے بدترین لوگ ہیں۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چہروں سے بھوک کا احساس فرمایا، اور پھر اِرشاد فرمایا

کہ: ''بشارت قبول کرو؛ کیوں کہ عن قریب تم پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ صبح کو تمہارے سامنے ثرید کا پیالہ لایا جائے گا اور شام کو بھی اُسی طرح کا کھانا پیش کیا جائے گا''۔ تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ اُس دن ہم لوگ اچھی حالت میں ہوں گے (گویا کہ عبادت میں یکسوئی میسر ہوگی) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''نہیں؛ بلکہ آج تم لوگ اُس دن سے زیادہ بہتر حالت میں ہو''۔ (رواہ البزار، الترغیب والترہیب حدیث: ۳۲۸۱ بیت الافکار الدولیۃ)

سیدنا حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّمَا أَخْشیٰ عَلَیْکُمْ شَهَوَاتِ الْغَيِّ فِيْ بُطُوْنِکُمْ وَفُرُوْجِکُمْ وَمُضِلَّاتِ الْهَویٰ. (رواہ أحمد ٤/٤٢٠ دار الفکر بیروت، الترغیب والترهیب مکمل رقم: ٣٢٨٧)

مجھے تم پر تمہارے پیٹوں اور شرم گاہوں اور گمراہ کن اَفکار میں کج روی کی خواہشات پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا:

کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَتَصَدَّقُوْا مَا لَمْ یُخَالِطْهُ إِسْرَافٌ وَلَا مَخِیْلَةٌ.

کھاؤ پیو اور صدقہ کرو، جب تک کہ اُس کے ساتھ اِسراف اور کبر وغرور شامل نہ ہو۔

(سنن النسائي، کتاب الزکاة / باب الاختیال في الصدقة ١/٢٧٥، سنن ابن ماجة ٢٥٧، الترغیب والترهیب مکمل رقم: ٣٢٩١)

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ شِرَارَ أُمَّتِي اَلَّذِيْنَ غُذُوْا بِالنَّعِيْمِ وَنَبَتَتْ عَلَيْهِ أَجْسَامُهُمْ. (رواه البزار، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ۳۲۹۳ بيت الأفكار الدولية)

میری اُمت کے بدترین وہ لوگ ہیں جو نعمتوں میں پلیں بڑھیں، اور اِسی حالت میں اُن کے بدن پروان چڑھیں۔

اَفسوس ہے کہ ایک طرف مذکورہ روایات ہیں، دوسری طرف آج ہم لوگوں کا حال یہ ہے کہ ہماری توجہات کھانے پینے کی لذتوں کی طرف حد سے زیادہ بڑھ چکی ہیں، قوم کا چاہے کچھ بھی حال ہو، اور دنیا کے حالات کتنے ہی سنگین ہوں، ہمارے دسترخوانوں اور ہوٹلوں پر اُس کا بظاہر کوئی اثر نظر نہیں آتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پوری قوم بس کھانے پینے میں ہی مست ہے، اور اپنی ساری خداداد صلاحیتیں اِسی پر صرف کررہی ہے۔ الامان والحفیظ۔

کھانے کو ضائع نہ کریں!

شریعت میں رزق کے احترام کی بڑی تاکید کی گئی ہے، اِسی لئے ہاتھ دھوکر دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے کا حکم ہے؛ تاکہ اگر کھانے کا کوئی حصہ دسترخوان پر گر جائے تو وہ ضائع نہ ہو؛ بلکہ جمع کرکے استعمال کرلیا جائے۔ حد تو یہ ہے کہ اُنگلیوں پر جو کھانا لگا رہتا ہے، اُسے بھی منہ سے چاٹ لینے کا حکم ہے، چاٹے بغیر کسی رومال سے صاف کرنا یا پانی سے دھولینا ممنوع ہے۔ اِسی طرح حتی الامکان پلیٹ اور برتن کو صاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس کو موجب اَجر وثواب عمل قرار دیا گیا ہے، اِس میں بھی رزق کے اجزاء کی تعظیم پیش نظر ہے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلاَ يَمْسَحْ يَدَهُ حَتّٰى يَلْعَقَهَا أَوْ يُلْعِقَهَا.

جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو اُس وقت تک اپنی اُنگلیوں کو صاف نہ کرے جب

(صحيح البخاري رقم: ٥٤٥٦، صحيح مسلم رقم: ٢٠٣١، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٣٣١٠ بيت الأفكار الدولية)

تک کہ اُنہیں خود نہ چاٹ لے، یا (کسی دوسرے بے تکلف شخص کو) نہ چٹا دے۔

سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَحْضُرُ أَحَدَكُمْ عِنْدَ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ شَأْنِهِ حَتّٰى يَحْضُرَهُ عِنْدَ طَعَامِهِ، فَإِذَا سَقَطَتْ لُقْمَةُ أَحَدِكُمْ فَلْيَأْخُذْهَا فَلْيُمِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ أَذىً ثُمَّ لِيَأْكُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ، فَإِذَا فَرَغَ فَلْيَلْعَقْ أَصَابِعَهُ؛ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي فِي أَيِّ طَعَامِهِ الْبَرَكَةُ. (صحيح مسلم رقم: ٢٠٣٣، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٣٣٠٨ بيت الأفكار الدولية)

شیطان ہر کام کے وقت تمہارے پاس موجود رہتا ہے، یہاں تک کہ کھاتے وقت بھی حاضر ہوتا ہے، پس اگر تم میں سے کسی کا لقمہ ہاتھ سے گر جائے تو وہ اُسے اُٹھا کر ناگوار چیز دور کر کے کھا لے اور شیطان کے لئے نہ چھوڑے۔ پھر جب کھانے سے فارغ ہو جائے تو اپنی اُنگلیاں چاٹ لے؛ اِس لئے کہ اُسے یہ معلوم نہیں ہے کہ کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے؟

شارحین لکھتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ گرے ہوئے لقمہ کو نہ کھانے میں ایک تو اللہ کی نعمت کی ناقدری اور رزق کی بے حرمتی لازم آتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اکثر متکبرین لوگ ہی یہ گرا ہوا لقمہ کھانے سے اعراض کرتے ہیں، اور یہ شیطان کا طریقہ ہے، اِس لئے ''**لَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ**'' (یہ لقمہ شیطان کے لئے نہ چھوڑو) کی تعبیر استعمال کی گئی ہے۔ (حاشیہ سنن الترمذی، ابواب الاطعمۃ/ باب ماجاء فی اللقمۃ تسقط ۲/۲)

بعض اَحادیث میں ہے کہ جو شخص دسترخوان پر گرے ہوئے ٹکڑوں کو کھانے کا اہتمام

رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کی مغفرت فرمائیں گے۔ (شمائل کبریٰ ۴۲/۱، بحوالہ مجمع الزوائد ۳۰/۵)

اور بعض اَکابر سے منقول ہے کہ جو شخص گرے ہوئے کھانے کے ٹکڑوں کو کھائے گا وہ تنگ دستی اور موذی بیماریوں سے محفوظ رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ (شمائل کبریٰ ۴۲/۱)

بعض لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ روٹی کے درمیانی حصہ کو کھا لیتے ہیں اور کنارے چھوڑ دیتے ہیں، اور پھر وہ کنارے کوڑے دان میں ڈال دئے جاتے ہیں، تو یہ رزق کی بڑی بے حرمتی کی بات ہے، اور سراسر اِسراف میں داخل ہے، جس سے اِجتناب کرنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ تارتا خانیہ ۱۳۴/۱۸ زکریا)

برتن دعا دیتا ہے

برتن اور پلیٹ کو صاف کر کے رزق کو بے حرمتی سے بچانے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت کی بشارت سنائی ہے۔ حضرت نبیشۃ الخیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ أَكَلَ فِي قَصْعَةٍ ثُمَّ لَحِسَهَا اِسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقَصْعَةُ. (سنن الترمذي / باب ما جاء في اللقمة تسقط ۲/۲)

جو شخص کسی پیالے میں کھانا کھائے، پھر اُس کو اچھی طرح صاف کرلے تو وہ پیالہ اُس کے لئے دعاءِ مغفرت کرتا ہے۔

اِس کی شرح کرتے ہوئے محدثین لکھتے ہیں کہ برتن کو صاف کرنا تواضع کی علامت ہے، پس جو شخص یہ عمل کرے گا وہ کبر سے بری ہونے کی وجہ سے مغفرت کا مستحق ہوگا، اور چوں کہ برتن اس مغفرت کے حصول کا سبب بن رہا ہے، اِس لئے طلب مغفرت کو برتن کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔ (طیبی بحوالہ: حاشیہ ترمذی شریف ۲/۲)

خلاصہ یہ کہ شریعت میں اِس بات کی بہت تاکید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو رزق کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، وہ اُس کی ہرگز ناقدری نہ کریں؛ لیکن اِس معاملہ میں آج کل

ہمارے معاشرے میں کوتاہیاں عام ہیں ؛ بالخصوص تقریبات اور دعوتوں میں کھانے کی جس قدر بےحرمتی ہورہی ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ ہوس میں پلیٹوں میں زیادہ کھانا نکال لیا جاتا ہے، اور پھر اُسے بےتکلف کوڑے دان میں ڈال دیا جاتا ہے، پلیٹیں صاف کرنے کی سنت متروک ہوتی جارہی ہے، اور کوئی شخص دوسرے کی پلیٹ میں چھوڑا ہوا کھانا ہرگز پسند نہیں کرتا ہے، جس کی وجہ سے اِس عمل کی برائی ہی دل سے نکل چکی ہے؛ اِس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالائے، اور ہر طرح کی ناشکری اور ناقدری سے احتراز کرے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قدر دانی کی توفیق عطا فرمائیں، اور ناقدری کی وجہ سے اپنی نعمتوں سے محروم نہ فرمائیں، آمین۔

تیسری فصل:

زیب وزینت میں اِسراف

اِسلام میں بقدرِ ضرورت زینت اختیار کرنا منع نہیں ہے۔ جیسا کہ اِرشادِ خداوندی ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ. (الاعراف، جزء آیت: ۳۲)

اے پیغمبر! آپ فرمادیجئے کہ کس نے حرام کی ہے اللہ کی وہ زینت جو اُس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی ہے، اور صاف ستھری روزی؟

لہٰذا قصداً زینت کو ترک کرنا اور نامناسب تراش وخراش اور لباس کے ساتھ رہنا (جیسا کہ جوگیوں اور سنیاسیوں وغیرہ کا طریقہ ہے) شریعت میں ہرگز پسند نہیں ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''جس شخص کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا''۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: ''ہم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اُس کا کپڑا اور جوتا شان دار ہو؟'' (جو بظاہر تکبر کی علامت قرار دیا جاتا ہے) تو اِس پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا کہ: ''یہ (محض کپڑا اور جوتا اچھا ہونا) تکبر نہیں؛ کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تو خود باجمال ہیں اور وہ جمال کو پسند فرماتے ہیں؛ بلکہ تکبر تو یہ ہے کہ آدمی حق بات کا خواہ مخواہ اِنکار کرے، اور دوسرے لوگوں کو اپنے سے کمتر سمجھے''۔ (صحیح مسلم رقم: ۹۸، سنن الترمذی رقم: ۱۹۹۹، الترغیب والترہیب مکمل ص: ۶۲۰ رقم: ۴۴۸۷ بیت الافکار الدولیۃ)

نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے ایک سفر سے واپسی کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اِرشاد فرمایا:

إِنَّكُمْ قَادِمُونَ عَلىٰ إِخْوَانِكُمْ فَأَصْلِحُوْا رِحَالَكُمْ وَأَصْلِحُوْا لِبَاسَكُمْ حَتّٰى تَكُوْنُوْا كَأَنَّكُمْ شَامَةٌ فِي النَّاسِ؛ فَإِنَّ اللّٰهَ لاَ يُحِبُّ الْفُحْشَ وَالتَّفَحُّشَ.

تم اپنے بھائیوں کے پاس حاضر ہونے والے ہو، اس لئے اپنے کجاووں اور اپنے لباس کو درست رکھو؛ تاکہ تم لوگوں کے درمیان شناسا اور ممتاز رہو؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو پراگندگی اور بدہیئتی پسند نہیں ہے۔

(أخرجه أبو داؤد، كتاب اللباس / باب ما جاء في إسبال الإزار ٥٦٥/٢)

اِس سے معلوم ہوا کہ خواہ مخواہ ناگوار لباس میں رہنا کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے؛ بلکہ جس کے پاس وسعت ہو اُسے اچھے اور باوقار انداز میں رہنا چاہئے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کا اظہار ہے۔

چناں چہ صحابی رسول سیدنا حضرت ابوالاحوص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُن کے والد پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں اِس حالت میں حاضر ہوئے کہ اُن کے بال گرد آلود اور ہیئت نہایت خراب تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ: ''کیا تمہارے پاس کچھ مال نہیں ہے؟'' تو اُنہوں نے جواب دیا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کا مال مجھے عطا فرمارکھا ہے''۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ:

فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ إِذَا أَنْعَمَ عَلىٰ عَبْدٍ نِعْمَةً أَحَبَّ أَنْ تُرىٰ عَلَيْهِ.

جب اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کسی بندہ کو نعمت سے نوازتے ہیں تو یہ چاہتے ہیں کہ اُس پر نعمت کا اظہار ہو۔

(رواه الطبراني في الصغير ١٧٩/١، الموسوعة الفقهية ٢١٦/١٠ كويت، ومثله في سنن أبي داؤد / باب الخلقان وفي غسل الثوب ٥٦٢/٢)

اور سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پراگندہ بال دیکھا، تو آپ نے اِرشاد فرمایا کہ: ''کیا اِس کے پاس کوئی ایسی چیز (کنگھی وغیرہ) نہیں ہے جس سے وہ اپنے بالوں کو درست کرے؟''

اور ایک شخص کو آپ نے میلے کپڑوں میں دیکھا، تو اِرشاد فرمایا کہ: ''کیا یہ شخص کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس سے اپنے کپڑے کو دھوئے؟'' (اخرجہ ابوداؤد ۵۶۲/۲، الموسوعۃ الفقہیۃ ۲۱۶/۱۰ کویت)

اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ، نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ. (سنن الترمذي رقم: ۲۷۹۹، الموسوعة الفقهية ۲۷٤/۱۱ الكويت)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور پاکیزگی کو پسند فرماتے ہیں اور صاف ستھرے ہیں اور نظافت کو پسند فرماتے ہیں۔

اِس طرح کی روایات سے صفائی ستھرائی اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے خوش لباسی کی اَہمیت کا اَندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مجلس میں حاضری کے وقت زینت

خاص طور پر جب آدمی کسی مجلس میں جانے کا اِرادہ کرے تو اُسے اپنی وضع قطع اور ہیئت درست کرلینی چاہئے۔ چناں چہ اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِنتظار میں دروازے پر حاضر تھے، تو جب نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن سے ملنے کا اِرادہ فرمایا تو گھر میں ایک ٹب رکھا ہوا تھا جس میں پانی تھا، پس آپ نے اُس میں اپنا چہرۂ مبارک دیکھ کر اپنی داڑھی اور سر کے بالوں کو درست فرمایا، پھر باہر تشریف لے جانے لگے، تو میں نے تعجب سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ بھی ایسا اہتمام فرماتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

نَـعَـمْ! إِذَا خَـرَجَ الـرَّجُـلُ إِلـىٰ إِخْـوَانِـهٖ فَـلْيُهَيِّئْ مِنْ نَفْسِهٖ؛ فَإِنَّ اللّٰـهَ جَـمِيْـلٌ يُـحِبُّ الْجَمَالَ. (أخرجه السمعاني، الموسوعة الفقهية ۲٦٥/۱۱ كويت)

جی ہاں! جب آدمی اپنے بھائیوں سے ملنے جائے تو اُسے اپنے کو سنوار لینا چاہیئے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ جمال والے ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں۔

اِسی بنا پر جمعہ اور عیدین میں زیب وزینت کرنے اور اچھا لباس پہننے کا حکم دیا گیا ہے، اور پیغمبر علیہ السلام کا معمولِ مبارک بھی یہی تھا۔ چناں چہ مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خاص جبہ تھا جسے آپ جمعہ اور عیدین میں زیبِ تن فرمایا کرتے تھے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۳۸/۶ کویت)

علاوہ اَزیں نماز کی حالت میں زیب وزینت بجائے خود مطلوب ہے۔ اِرشادِ خداوندی ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ. (الاعراف، جزء آیت: ۳۱)

اے آدم کی اولاد! ہر سجدہ کے وقت اپنی زینت کو اختیار کیا کرو۔

اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا:

إِذَا صَلّٰـى أَحَـدُكُـمْ فَـلْيَلْبَـسْ ثَـوْبَيْـهِ؛ فَـإِنَّ اللّٰـهَ أَحَقُّ مَنْ تَزَيَّنَ لَهٗ. (أخرجه البيهقي ۳٦/۲، الموسوعة الفقهية ۲٦۹/۱۱ الكويت)

جب کوئی آدمی نماز پڑھے تو دونوں کپڑے پہنے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ زینت کئے جانے کے زیادہ حق دار ہیں۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، تو اِرشاد فرمایا کہ: ''کیا تمہارے پاس دو کپڑے نہیں ہیں؟'' اُنہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں موجود ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ: ''اگر تمہیں گھر سے باہر کہیں بھیجا جائے تو کیا تم ایک ہی کپڑا پہن کر چلے جاؤ گے؟'' تو حضرت نافع نے عرض کیا کہ ''نہیں'' (بلکہ دونوں کپڑے پہن کر نکلوں گا) یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:

’’بتاؤ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ اِس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ اُن کے لئے زینت کی جائے یا لوگ زیادہ حق دار ہیں؟‘‘ تو حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی زینت کے زیادہ حق دار ہیں۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۱/۲۶۹ کویت)

اِن روایات وآثار سے معلوم ہوگیا کہ شریعت میں ترکِ زینت بذاتِ خود پسندیدہ نہیں ہے۔

زینت میں اِسراف ممنوع ہے

البتہ زینت میں حد سے تجاوز اور اِسراف شریعت میں پسند نہیں ہے۔ سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا، تو خاص طور پر یہ ہدایت فرمائی:

إِیَّاکَ وَالتَّنَعُّمَ! فَإِنَّ عِبَادَ اللّٰہِ لَیْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِیْنَ. (المسند للإمام أحمد ۵/۲۴۳ دار الفکر بیروت، شعب الإیمان للبیھقي ۵/۱۵۶ رقم: ۶۱۷۸، الترغیب والترھیب مکمل رقم: ۳۲۹۲)

تم (بتکلف) ناز ونعم میں پڑنے سے بچتے رہنا؛ کیوں کہ اللہ کے بندے نعمتوں میں تکلفات کرنے والے نہیں ہوتے۔

اِسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام لوگوں کو سرمایہ داروں کے ساتھ زیادہ اُٹھنے بیٹھنے سے منع فرمایا ہے؛ کیوں کہ اُن کی وسعت اور فراوانی دیکھ کر آدمی میں خواہ مخواہ اُن کی حرص کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور زندگی بے سکون ہو جاتی ہے۔ اِس کے برخلاف فقراء اور مساکین کے ساتھ رہنے میں راحت ہی راحت ہے۔

عون ابن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں سرمایہ داروں کے ساتھ رہا، تو میں نے اپنے سے زیادہ کسی کو فکرمند نہیں پایا؛ اِس لئے کہ میں مال داروں کے پاس اپنی سواری سے اچھی سواری اور اپنے کپڑے سے اچھا کپڑا دیکھتا تھا (جس سے مجھے حرص ہوتی تھی) پھر میں نے فقراء کے ساتھ روابط قائم کئے، تو مجھے سکون مل گیا۔ (سنن الترمذی/کتاب اللباس ۱/۳۰۷)

اِسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراش خراش میں میانہ روی کی تعلیم دیتے ہوئے آدمی کو روزانہ تیل کنگھی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ترمذی شریف ۱/۳۰۵ عن عبداللہ بن مغفلؓ)

الغرض اِسلام عام حالات میں تکلفات سے منع کرتا ہے، اور سادگی اور بے تکلفی کی تلقین کرتا ہے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نہایت سادہ اور تکلفات سے دور تھی، جب جیسی سہولت ہوئی، وسعت کے مطابق زیب و زینت اختیار فرمائی؛ گویا کہ نہ تو زینت کو مقصود بنایا اور نہ ہی اُس سے بالکل دوری اختیار کی؛ بلکہ موقع محل اور حالات کے اعتبار سے اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے فائدہ اُٹھاتے رہے۔

یہی مزاج صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی تھا، چناں چہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو خاص صفات بیان فرمائی ہیں، اُن میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ بہت کم تکلف کرنے والے تھے۔ (**أَقَلُّهُمْ تَكَلُّفًا**) (مشکوٰۃ شریف ۱/۳۲)

اور دیکھا جائے تو بے تکلف زندگی ہی سب سے شاندار زندگی قرار دی گئی ہے، تکلفات کے اہتمام سے آدمی غیر محسوس طریقہ پر ایک طرح کی ضیق میں مبتلا ہوجاتا ہے، اِس لئے تمام اہل ایمان کو بالخصوص بے تکلف زندگی کی عادت بنانی چاہیے، اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

چوتھی فصل:

تقریبات میں اِسراف

اِس وقت مسلمان عام طور پر اِس بات کا شکوہ کرتے ہیں کہ وہ بہت پریشان ہیں، روزگار نہیں ہے، حکومت کی نیت خراب ہے، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اُنہی مسلمانوں کی تقریبات میں ذرا آپ شریک ہوں تو ایسا لگے گا کہ اِس زمانہ میں مسلمانوں سے زیادہ خوش حال اور فارغ البال قوم کوئی اور نہیں ہے، چاہے کتنے ہی تنگی کے حالات ہوں، مگر تقریبات میں جی کھول کر اَرمان نکالے جاتے ہیں۔ نامعقول رسومات کی بے جا پابندیوں اور برادری کے ناقابل فہم ریت ورواج نے مسلم معاشرہ کو اِس قدر جکڑ رکھا ہے کہ نکاح کی تقریبات پورے معاشرے کے لئے ایک بڑا بوجھ بن چکی ہیں، حالاں کہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اِرشاد فرمایا ہے:

إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مَؤُنَةً. (رواه أحمد رقم: ٢٤٥٢٩، مشكاة المصابيح ٢٦٨)

یعنی سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم تکلفات ہوں۔

لیکن ہمارا عمل اِس اِرشادِ عالی کے بالکل برخلاف ہوتا جارہا ہے، ہم اپنی ناقص فہم کی بنیاد پر یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ جس نکاح میں جس قدر زیادہ تام جھام اور تکلفات ہوں، وہ اتنا ہی شان دار ہوگا؛ لیکن تجربہ سے وہی بات صادق آتی ہے جو الصادق الامین حبیب رب العالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے۔ چناں چہ عموماً مہنگی اور دھوم دھام والی

تقریبات میں غیر متوقع طور پر کوئی ایسی بات اکثر پیش آ ہی جاتی ہے جس سے ساری خوشی کافور ہوجاتی ہے، اور بشاشت کے بجائے بدمزگی کا ماحول بن جاتا ہے۔ جب کہ شریعت کے موافق کی جانے والی تقریبات میں ہر اعتبار سے برکت ہوتی ہے، اور واقعی قلبی مسرت اور خوشی کا احساس ہوتا ہے، اور دین پر عمل کرنے کی وجہ سے بفضلہٖ تعالیٰ عزت میں بھی اِضافہ ہوتا ہے، جس کا بار بار تجربہ کیا جاچکا ہے۔

منگنی کی تقریب اور اُس میں اِسراف

شریعت میں نکاح کو بہت آسان بنایا گیا ہے، اور اُصولی طور پر ہر طرح کے تکلفات سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی ہے؛ لیکن عجیب بات ہے کہ جو معاملہ جس قدر آسان تھا وہی محض ہمارے تکلفات کی وجہ سے انتہائی مشکل بن چکا ہے، اِس معاملہ میں قدم قدم پر ایسی فضول رسومات داخل کردی گئی ہیں کہ اُن سے باہر نکل پانا معاشرہ کے لئے آسان نہیں رہا؛ اِس لئے ملت کے بااثر اور ذمہ دار حضرات کو پوری سنجیدگی کے ساتھ اور بلاخوفِ لومۃ لائم اِس سلسلہ میں ہر سطح پر اِقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

اِن رسومات کی ابتداء منگنی کی تقریب سے ہوتی ہے، جب کہ شریعت میں منگنی کے نام سے کسی تقریب کا وجود ہی نہیں ملتا۔ دورِ نبوت یا دورِ صحابہ میں کہیں بھی یہ ثابت نہیں کہ محض منگنی اور رشتہ کی پختگی کے لئے رشتہ داروں کو بلایا گیا ہو، اور دعوت کی گئی ہو۔ جب کہ آج منگنی ہی کے موقع پر اتنی بڑی تقریب ہوجاتی ہے کہ اُس میں کئی ولیمے بآسانی کئے جاسکتے ہیں، پھر اُس میں جو لین دین اور دیگر تکلفات ہوتے ہیں وہ الگ رہے۔ یہ سب چیزیں بلاشبہ فضول خرچی میں داخل ہیں، جن سے اجتناب ضروری ہے۔

لڑکی والوں کے یہاں تقریب کا غیر ضروری اہتمام

اسی طرح شریعت میں لڑکی والوں پر کسی طرح کی دعوت کا اِلتزام نہیں ہے؛ حتیٰ کہ نکاح

کے چھوہاروں کی ذمہ داری بھی اُن پر نہیں ہے۔ گویا کہ شریعت یہ باور کرانا چاہتی ہے کہ لڑکی والوں کی سب سے بڑی قربانی یہ ہے کہ وہ اپنی لختِ جگر اور نورِ نظر لڑکی کو رخصت کر رہے ہیں، اِس سے زیادہ اُن سے کسی بات کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ شریعت کے اِس اِنتہائی مناسب نظریہ اور موقف کے برخلاف آج لڑکی والوں پر کئی طرح کا دباؤ بنایا جاتا ہے۔ مثلاً لمبی چوڑی بارات لائی جاتی ہے، اور یہ خواہش ہوتی ہے کہ بارات والوں کی خوب خاطر مدارات کی جائے؛ بلکہ کہیں کہیں تو پہلے ہی سے کھانے کے اَقسام تک طے کرالئے جاتے ہیں، اور لڑکی والا بے چارہ چار و ناچار اُن بے جا مطالبات کو ماننے پر مجبور ہوتا ہے؛ کیوں کہ اگر مطالبات پورے نہ ہوں، یا اُن میں کچھ کمی رہ جائے، تو رشتہ تک توڑنے کی دھمکیاں دی جاتی ہیں، اور نہایت بے شرمی کے ساتھ اُسے طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے، اِس سے زیادہ رذالت اور کمینگی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے؟

کچھ اسی طرح کا حال جہیز کے مطالبات کا بھی ہے جو سراسر ناجائز ہے، جس کی وجہ سے کتنی ہی غریب بچیاں ماں باپ کی ناداری کی بنا پر گھر بیٹھے بیٹھے گھٹ گھٹ کر زندگی گذار دیتی ہیں، اور معاشرہ میں فتنہ وفساد رونما ہوجاتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

ولیمہ میں اِسراف

شریعت نے نکاح کی خوشی میں لڑکے والوں پر حسبِ وسعت اہلِ تعلق کی دعوت کرنے کو پسندیدہ قرار دیا ہے، جس میں ایک خاص حکمت یہ بھی ہے کہ اِس دعوت کی وجہ سے نکاح کا اعلانِ عام بھی ہوجاتا ہے؛ لیکن ولیمہ میں کسی خاص انداز کے کھانے کو ضروری قرار نہیں دیا گیا؛ بلکہ اِس کو لڑکے والوں کی وسعت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مختلف نکاحوں میں ولیموں کا انداز الگ الگ رہا ہے، کبھی صرف ماحضر ناشتہ پر اکتفاء کیا گیا، اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ سب اپنے توشہ دان لے آئیں، اور پھر سب کے توشوں کو جمع کر کے دعوت کردی گئی، یہی ولیمہ ہوگیا۔ صرف ایک زوجہ مطہرہ اُم المومنین سیدتنا حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح میں

آپ نے ولیمہ میں گوشت کا خاص اہتمام فرمایا۔ اِس سے یہ ثابت ہوا کہ ولیمہ میں بھی بے جا تکلفات کی اِجازت نہیں ہے؛ بلکہ جب جس کو جیسی سہولت ہو، اُس کے اعتبار سے وہ سنت ولیمہ اَدا کرسکتا ہے۔

خاص طور پر ایسا ولیمہ جس میں صرف مال داروں کو دعوت دی جائے، اور غرباء کو نہ بلایا جائے، اُس کی سخت مذمت اَحادیث شریفہ میں وارد ہے۔ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُدْعىٰ لَهَا الْأَغْنِيَاءُ، وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ، الخ. (متفق علیه، مشكاة المصابيح ص: ۲۷۸)

سب سے بدترین کھانا ایسے ولیمہ کا کھانا ہے جس میں صرف مال داروں کو دعوت دی جائے اور فقیروں کو چھوڑ دیا جائے۔

اِسی طرح وہ ولیمہ جس کا مقصد فخر ومباہات اور ناموری اور مقابلہ آرائی ہو، وہ بھی انتہائی قابل مذمت ہے۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس اور سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

اَلْمُتَبَارِيَانِ لَا يُجَابَانِ وَلَا يُؤْكَلُ طَعَامُهُمَا. (مشكاة المصابيح ۲۷۹)

مقابلہ آرائی کرنے والوں کی نہ تو دعوت قبول کی جائے گی، اور نہ اُن کا کھانا کھایا جائے گا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اِس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ: ’’اِس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مہمان نوازی میں ایک دوسرے پر فخر ومباہات کی نیت سے دعوت کا اہتمام کرتے ہیں‘‘۔ (مشکوٰۃ شریف ۲۷۹)

اِس لئے دعوتِ ولیمہ میں ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔

شادی کارڈ اور ڈیکوریشن

تقریبات میں فضول خرچیوں کا ایک بڑا عنوان ’’شادی کارڈ‘‘ بھی بن گئے ہیں۔ اگر تقریب کی اطلاع کے لئے سادگی کے ساتھ کوئی تحریر لکھ کر دعوت نامہ بھیج دیا جائے، تو فی نفسہٖ

اِس میں حرج نہیں؛ لیکن افسوس ہے کہ اَب اِس اطلاع نامہ کے نام پر بھی جم کر فضول خرچی کی جاتی ہے، آج کل عجیب وغریب ڈیزائن کے نہایت گراں قیمت شادی کارڈ بازار میں دستیاب ہیں، جن پر لوگ بے دریغ روپیہ خرچ کرتے ہیں؛ حالاں کہ یہ سراسر سرمایہ کی بربادی ہے؛ کیوں کہ اِن شادی کارڈوں کی مدعو حضرات کے یہاں جو گت بنتی ہے اُسے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اِسی طرح آج کل تقریبات میں محض ڈیکوریشن اور سجاوٹ میں بڑا سرمایہ ضائع کردیا جاتا ہے، اور اِس اِضاعتِ مال پر قطعاً کوئی گرانی نہیں ہوتی۔ محض اپنا اسٹینڈرڈ ظاہر کرنے کے لئے عالی شان شادی ہال کرایہ پر لئے جاتے ہیں، اور اگر لان یا فارم ہاؤس میں شادی کا پروگرام ہو، تو لاکھوں لاکھ روپئے محض ٹینٹ اور سجاوٹ وغیرہ پر بے تکلف خرچ کئے جاتے ہیں۔

حالاں کہ قابل غور بات یہ ہے کہ یہ سجاوٹ محض وقتی دل لگی اور عارضی تماشہ کی حیثیت رکھتی ہے، اِس سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ وابستہ نہیں ہے، یہ محض مال کا ضیاع اور بے فائدہ شوق کی تکمیل ہے، اور اسراف وتبذیر میں شامل ہے، جس کی قرآن وحدیث میں صراحۃً ممانعت وارد ہے۔ کیا اچھا ہو کہ یہ سرمایہ فضول ڈیکوریشن میں لگانے کے بجائے خود میاں بیوی کے کسی فائدہ والی چیز میں لگادیا جائے۔

کھانے میں فضول خرچی

اِسی طرح آج کل تقریبات میں اَنواع واَقسام کے کھانے بہت اِفراط سے بنائے جاتے ہیں، اور بٹھا کر باعزت طریقہ پر کھلانے کے بجائے بفے سسٹم کے ذریعہ ''دستِ خود ودہانِ خود'' کے اِنتظام کو فخر سمجھا جاتا ہے؛ حالاں کہ اِس کی وجہ سے کھانوں کا جو ضیاع ہوتا ہے، اور جس طرح بچا ہوا کھانا کوڑے دانوں میں پھینکا جاتا ہے، وہ انتہائی قابلِ مذمت ہے، اور نعمتِ خداوندی کی ناشکری ہے۔ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو گرے ہوئے لقمہ کو اُٹھا کر صاف کرکے کھانے کا حکم دیا ہے، اور دسترخوان پر گرے ہوئے ٹکڑوں کو بھی پھینکنے سے منع فرمایا ہے، اور روٹی کے کنارے چھوڑ کر کھانے کی بھی ممانعت فرمائی ہے؛ حتیٰ کہ اُنگلیوں میں جو

کھانا لگا رہ جاتا ہے اُس کو منہ سے چاٹنے کا حکم دیا ہے؛ تاکہ وہ حصہ بھی ضائع نہ ہو۔ ایک طرف یہ مبارک نبوی تعلیمات ہیں، دوسری طرف ہم غیروں کے طریقہ پر چلتے ہوئے رزق کی بربادی خود اپنے ہاتھوں سے کر رہے ہیں، اِس طرزِ عمل کے باوجود برکت کی اُمید رکھنا فضول ہے۔

بریں بنا اَوّل تو محض ناموری کے لئے بہت سی قسم کے کھانے بنانے سے احتراز کرنا چاہئے، اور بہر حال کھانے کے ضیاع سے تو بچنے کا ضرور اہتمام ہونا چاہئے، یہی شکر گذار مؤمن کی ذمہ داری ہے۔

عقیقہ میں اِسراف

بچہ یا بچی کی پیدائش پر عقیقہ کرنا مستحب ہے؛ لیکن عقیقہ کا مطلب صرف اِس قدر ہے کہ حسبِ ضابطہ بکرے یا بکری کو ذبح کر دیا جائے، اور اُس کا گوشت خود استعمال کرے، یا اَعزہ واَقارب اور فقراء کو بھی تقسیم کردے، اِس سے زیادہ کوئی اہتمام عقیقہ میں نہیں ہے۔ پس عقیقہ میں وسعت نہ ہونے کے باوجود لمبی چوڑی دعوت کرنا، اور محض اِس دعوت کے اِنتظام کے لئے عقیقہ کو مؤخر کرنا روحِ شریعت کے خلاف ہے، اِس لئے اِس معاملہ میں بھی فضول خرچی اور بے جا تکلفات سے پرہیز کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر طرح کی فضول خرچی سے بچنے کی توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔

چھٹا باب:

وَلَمۡ يَقۡتُرُوۡا ○

[الفرقان، جزء آیت: ٦٧]

پہلی فصل:

بخل اور کنجوسی کی ممانعت

آیت زیر بحث: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا﴾ میں جہاں ایک طرف اِسراف اور فضول خرچی سے منع کیا گیا ہے، وہیں دوسری جانب بخل اور کنجوسی کو بھی ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔عربی میں ”قتــــر“ کے معنی تنگی کرنے کے آتے ہیں،اور یہاں اِس سے بخل مراد ہے، جو کسی نہ کسی درجہ میں اِنسان کی جبلت میں موجود ہے، اسی لئے قرآنِ کریم میں دوسری جگہ اِرشاد ہے: ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا﴾ [الاسراء، جزء آیت: ۱۰۰] یعنی اِنسان میں بخل کا مادہ رکھا گیا ہے۔(عمدۃ الحفاظ فی تفسیر اشرف الالفاظ ۴۴۰)

بخیل شخص اللہ کو پسند نہیں

ضروری اور واجبی جگہوں پر خرچ کرنے میں بخل کرنا قرآنِ کریم کی نظر میں کافروں اور منافقوں کا عمل ہے۔چناں چہ سورۂ نساء میں اِرشاد فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا. الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا. [النساء: ۳۶-۳۷]

بے شک اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہیں وہ لوگ جو اپنے کو بڑا سمجھیں اور شیخی بگھاریں، جو خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں، اور اُن چیزوں کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اُن کو اپنے فضل سے عطا کر رکھی ہیں،اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

واضح ہو کہ بخل کے اصل معنی حق دار سے مال کو روکنے کے آتے ہیں۔ (عمدۃ الحفاظ ۴۰)

بخل کا مصداق

بریں بنا بخل کا اَصل مصداق یہ ہے کہ جس شخص پر حسبِ شرائط زکوٰۃ یا صدقات واجب الاداء ہوں، اور وہ اُن کی ادائیگی میں آنا کانی کرے، یا اپنے ایسے ماتحتوں یا رشتہ داروں کے خرچ میں وسعت کے باوجود کمی کرے، جن کا خرچ اُٹھانا شرعاً اُس پر واجب ہے، تو ایسے لوگوں کا بخل کرنا سخت گناہ اور بدترین عذاب کا موجب ہے۔ چناں چہ اِرشادِ خداوندی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ. يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ، هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ. (التوبة: ٣٤)

اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجیے، جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا (اور یہ جتلایا جائے گا کہ) یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر رکھا تھا، سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

اِس لئے جن حضرات پر زکوٰۃ وغیرہ فرض ہو، تو اُنہیں حساب لگا کر خوش دلی سے زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے۔ اِسی طرح جو حقوق العباد ذمہ میں واجب ہوں، اُن کی بھی اَدائیگی کا اہتمام کرنا چاہئے۔

بخیل کا رسوا کن انجام

بلاشبہ بخل ایک ایسا مہلک مرض ہے، جو اِنسان کو بہت سے اَعمالِ خیر سے روکنے کا سبب بنتا ہے۔ سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. (آل عمران: ۱۸۰)

اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے اپنے فضل سے عطا کردہ (مال) میں بخل کرتے ہیں، وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ یہ اُن کے لئے کوئی اچھی بات ہے؛ بلکہ یہ بات اُن کے لئے بہت ہی بری ہے، وہ لوگ قیامت کے دن اِس بخل کردہ مال کا طوق پہنائے جائیں گے،اور حقیقت میں آسمان وزمین (بالآخر) اللہ ہی کا رہ جائے گا، اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

اِس آیت کی تشریح میں پیغمبر علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ ”بخیل شخص کا مال قیامت کے دن بھیانک اژدہے کی شکل میں تبدیل کر کے اُس کے گلے میں لپیٹ دیا جائے گا“۔العیاذ باللہ۔

چناں چہ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ شجاعًا أَقْرَعَ لَهٗ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ، يَعْنِيْ بِشِدْقَيْهِ، يَقُوْلُ: أَنَا مَالُكَ أَنَا كَنْزُكَ، ثُمَّ تَلاَ هٰذِهِ الآيَةَ: الخ. (صحيح البخاري، كتاب الزكاة / باب إثم مانع الزكاة ۱۸۸/۱ رقم: ۱۴۰۳، تفسير ابن كثير مكمل ۲۸۲)

جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا، پھر اُس نے اُس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی،تو اُس کا مال اُس کے لئے قیامت کے دن ایک گنجے سانپ کی شکل میں لایا جائے گا، جس کے دو نوکیلے دانت ہوں گے (یا اُس کی آنکھ پر دو کالے داغ ہوں گے) جو قیامت کے دن اُس کے گلے میں طوق بن کر اُس کے جبڑے کو پکڑ کر یہ کہے گا کہ: ”میں ہی تیرا مال ہوں، اور تیرا جمع کردہ خزانہ ہوں“۔ پھر پیغمبر علیہ السلام نے اُس کی تائید میں مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔

پس معلوم ہوا کہ مالی فرائض وواجبات کی اَدائیگی میں بخل انجام کے اعتبار سے انتہائی تباہ کن اور رسوائی کا سبب ہے۔

پیغمبر علیہ السلام کی ایک اَہم دعا

اِسی لئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بکثرت یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْكَسَلِ وَأَرْذَلِ الْعُمُرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَفِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ.

اے اللہ! میں آپ سے بخل، سستی، نکمی عمر، عذابِ قبر اور زندگی اور موت کے فتنہ سے پناہ چاہتا ہوں۔

(رواه مسلم رقم: ٢٧٠٦ بيت الأفكار الدولية، الترغيب والترهيب رقم: ٣٩٥٤ بيت الأفكار الدولية)

واقعہ یہ ہے کہ بخیل شخص مال کی محبت میں ایسا مجبور ہو جاتا ہے کہ عقل کے تقاضے اور شرعی واضح حکم کے باوجود اُسے ضروری مواقع پر خرچ کرنا بھی سخت ترین بوجھ معلوم ہوتا ہے۔

دوسری فصل:

بخیل اور سخی کی ایک مثال سے وضاحت

اُس کی اِس کیفیت کو درج ذیل حدیث میں اِس طرح واضح فرمایا گیا:

مَثَلُ الْبَخِيْلِ وَالْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُنَّتَانِ مِنْ حَدِيْدٍ قَدْ اضْطُرَّتْ أَيْدِيْهِمَا إِلىٰ ثُدِيِّهِمَا وَتَرَاقِيْهِمَا فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ انْبَسَطَتْ عَنْهُ وَجَعَلَ الْبَخِيْلُ كُلَّمَاهَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ وَأَخَذَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ بِمَكَانِهَا. (متفق عليه، صحيح مسلم ۱/۳۲۸، مشكاة المصابيح ۱/۱٦٤)

کنجوس آدمی اور صدقہ خیرات کرنے والے آدمی کی مثال ایسے دو شخصوں کی طرح ہے جو لوہے کی دو زرہیں پہنے ہوئے ہوں، جس کی (تنگی کی) وجہ سے ان کے دونوں ہاتھ ان کے سینے اور گردن سے چمٹ گئے ہوں۔ پس جب صدقہ دینے والا صدقہ دینا شروع کرتا ہے تو اس کی زرہ کھلتی چلی جاتی ہے (اور انبساط کے ساتھ اپنا ارادہ پورا کرتا ہے) اور جب بخیل کچھ صدقہ کا اِرادہ کرتا ہے تو زرہ کے سب اجزاء مل جاتے ہیں اور ہر ہر جوڑ اپنی جگہ پکڑ لیتا ہے۔

جس کی بنا پر بخیل کے لئے صدقہ کے ارادہ کو پورا کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔

بخیل شخص جنت سے دور ہے

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خَبٌّ وَلاَ مَنَّانٌ وَلاَ بَخِيْلٌ. (سنن الترمذي رقم: ۱۹٦۳)

جنت میں کمینہ اور صدقہ دے کر احسان جتانے والا اور بخیل شخص داخل نہ ہوگا۔

اورسیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

اَلسَّخِيُّ قَرِيْبٌ مِنَ اللّٰهِ، قَرِيْبٌ مِنَ الْجَنَّةِ، قَرِيْبٌ مِنَ النَّاسِ، بَعِيْدٌ مِنَ النَّارِ. وَالْبَخِيْلُ بَعِيْدٌ مِنَ اللّٰهِ، بَعِيْدٌ مِنَ الْجَنَّةِ، بَعِيْدٌ مِنَ النَّاسِ قَرِيْبٌ مِنَ النَّارِ. وَلَجَاهِلٌ سَخِيٌّ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِيْلٍ. (سنن الترمذي رقم: ١٩٦١)

سخی اللہ سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے اور جہنم سے دور ہے۔ اور بخیل شخص اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے۔ اور جاہل سخاوت کرنے والا اللہ کو بخیل عبادت کرنے والے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

اورسیدنا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا:

خَصْلَتَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِيْ مُؤْمِنٍ: اَلْبُخْلُ وَسُوْءِ الْخُلُقِ. (سنن الترمذي رقم: ١٩٦٢، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٣٩٦٦ بيت الأفكار الدولية)

دو عادتیں مؤمن (کامل) میں جمع نہیں ہوتیں: (۱) کنجوسی (۲) بدخلقی۔

نیز سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا:

إِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ، وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ، وَأُمُوْرُكُمْ شُوْرٰى بَيْنَكُمْ، فَظَهْرُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ بَطْنِهَا، وَإِذَا كَانَتْ أُمَرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ،

جب تمہارے اُمراء تم میں بہتر لوگ ہوں، اور تمہارے مال دار تم میں سخاوت کرنے والے ہوں، اور تمہارے معاملات مشورہ سے طے ہوں، تو زمین سے اوپر کا حصہ تمہارے لئے زمین کے اندر کے حصہ سے بہتر ہے (یعنی زندگی غنیمت

وَأَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَاءَ كُمْ، وَأُمُوْرُكُمْ إِلىٰ نِسَائِكُمْ، فَبَطْنُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا.

(سنن الترمذي رقم: ٢٢٦٦)

ہے) اور اگر تمہارے اُمراء (یعنی حکام) تم میں سب سے بدتر لوگ ہوں، اور تمہارے مال دار تم میں بخیل لوگ ہوں، اور تمہارے معاملات عورتوں کے حوالے ہوں، تو پھر تمہارے لئے زمین کے اندر کا حصہ اوپر کے حصہ سے بہتر ہوگا۔ (یعنی زندگی سے موت بہتر ہوگی)

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً مروی ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا:

إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ خَيْرًا وَلّٰى أَمْرَهُمُ الْحُكَمَاءَ وَجَعَلَ الْمَالَ عِنْدَ السُّمَحَاءِ، وَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ شَرًّا وَلّٰى أَمْرَهُمُ السُّفَهَاءَ وَجَعَلَ الْمَالَ عِنْدَ الْبُخَلَاءِ. (كتاب الآثار للإمام أبويوسف / باب الغزو والجيش ٢١٤ رقم: ٩٤٩، الترغيب والترهيب رقم: ٣٩٧١)

جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ خیر کا اِرادہ فرماتے ہیں، تو اُن کے معاملات عقل مندوں کے حوالے کرتے ہیں، اور مال سخاوت کرنے والوں کو عطا فرماتے ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ برائی کا اِرادہ فرماتے ہیں، تو اُن کے معاملات بے وقوفوں کے حوالے کردیتے ہیں، اور مال بخیلوں کو عطا کرتے ہیں۔

اور ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

صَلَاحُ أَوَّلِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بِالزَّهَادَةِ وَالْيَقِيْنِ وهَلَاكُهَا بِالْبُخْلِ وَالْأَمَلِ. (المعجم الأوسط للطبراني ٣١٦/٨)

اِس اُمت کی سب سے پہلی صلاح کا سبب یقین اور زہد (کے اوصاف) تھے اور اس میں بگاڑ کی ابتداء بخل اور ہوس سے ہوگی۔

بریں بنا ہر صاحبِ ایمان کو حتی الامکان بخل اور کنجوسی سے قصداً بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی سب ناپسندیدہ باتوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

❖

ساتواں باب:

وَ کَانَ بَیۡنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ○

[الفرقان، جزء آیت: ٦٧]

میانہ روی

پہلی فصل:

میانہ روی؛ ایک پسندیدہ صفت

''عبادالرحمٰن'' کی صفات بیان کرتے ہوئے فضول خرچی اور اِسراف کی مذمت کے ساتھ ساتھ کنجوسی کو بھی ناپسند قرار دیا گیا؛ گویا کہ اِسراف اور بخل کے درمیانی درجہ کو پسندیدہ صفت مانا گیا ہے، یہ میانہ روی اِسلام کی ایک نہایت اِمتیازی صفت ہے۔

اِسلام ہر معاملہ میں اِفراط وتفریط سے بچتے ہوئے اعتدال پسندی کی تعلیم دیتا ہے۔ چناں چہ فرمایا گیا:

وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا. (الفرقان: ٦٧)

وہ جب مال خرچ کرنے پر آتے ہیں تو نہ تو فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی خرچ میں تنگی کرتے ہیں؛ بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔

یہاں اگر چہ یہ مضمون بخل واِسراف کے تذکرہ کے ضمن میں آیا ہے؛ لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ شریعت میں ہر معاملہ میں میانہ روی پسند ہے؛ بلکہ یہ اُمتِ محمدیہ کا خاص امتیاز ہے۔ چناں چہ قرآنِ کریم میں اِرشاد فرمایا گیا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا.

اور اِسی طرح ہم نے تم کو ایک معتدل اُمت بنایا؛ تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ، اور رسول تم پر گواہی دینے والے ہوں۔

(البقرة، جزء آیت: ١٤٣)

اِمام راغب اَصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''وسط'' سے مراد ایسی پسندیدہ حالت

ہے جو دو ناپسندیدہ اور ناگوار حالتوں کے درمیان ہو، مثلاً ''جود و سخا'' جو فضول خرچی اور بخل کے درمیان کی صفت ہے۔ (عمدۃ الحفاظ فی تفسیر اشرف الالفاظ ۶۳۰)

اِس معنی کے اعتبار سے عدل اور صراطِ مستقیم پر استقامت ہی میانہ روی کا سب سے بڑا مصداق ہے۔ اِسی لئے قرآنِ کریم میں جابجا صفتِ عدل کی تاکید کی گئی ہے، اور اُسے ایک قابل تعریف صفت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ایک آیت میں اِرشاد فرمایا گیا:

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ. (الأعراف: ۱۸۱)

اور جن کو ہم نے پیدا کیا ہے اُن میں ایک جماعت ہے جو سچی راہ بتلاتے ہیں، اور اُسی کے موافق اعتدال کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

اور ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثَلاثٌ مُنْجِیَاتٌ: خَشْیَةُ اللّٰهِ تَعَالیٰ فِي السِّرِّ وَالْعَلانِیَةِ، وَالْعَدْلُ فِي الرِّضیٰ وَالْغَضَبِ، وَالْقَصْدُ فِي الْفَقْرِ والْغِنیٰ.

تین چیزیں نجات دینے والی ہیں: (۱) ظاہر وباطن میں اللہ سے ڈرنا (۲) خوشی اور ناراضگی میں بھی عدل پر قائم رہنا (۳) مال داری اور محتاجگی میں میانہ روی اختیار کرنا۔

(السراج المنیر ۵۵/۳ عن أنسؓ بسند ضعیف، ومثلہ في المعجم الأوسط للطبراني ۳۵۲/۶ عن ابن عمرؓ)

غور کیا جائے تو یہ تینوں باتیں اِنتہائی قیمتی اور پرحکمت ہیں، بہت سی مرتبہ آدمی لوگوں کے سامنے تو خوب پارسائی کا اظہار کرتا ہے؛ لیکن اُس کی ذاتی زندگی تقویٰ سے خالی ہوتی ہے، ایسا شخص کبھی بھی بارگاہِ رب العالمین میں سرخ روئی حاصل نہیں کرسکتا؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چھپی اور کھلی بات سے واقف ہے، اِس لئے کوئی شخص کہیں بھی اور کبھی بھی اُس سے چھپ نہیں سکتا۔

اِسی طرح عام طور پر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جس سے خوش ہوتے ہیں، تو اُس کی تعریف

میں زمین وآسمان کے قلابے ملانے لگتے ہیں، اور بے تحاشا مبالغہ سے کام لیتے ہیں، اور جس سے ناراض ہوئے، تو اُسے بس جہنم کے آخری درجہ کا مستحق قرار دینے میں لگ جاتے ہیں، اور اس کی خوبیوں کو یکسر فراموش کردیتے ہیں، جس کی وجہ سے معاشرہ میں اور اِداروں میں فتنے رونما ہوتے ہیں، اور لوگوں کی حسنات وسیئات کا توازن بگڑ جاتا ہے، اِس لئے ایسے مواقع پر بہرحال میانہ روی ہی سے نقصان سے نجات مل سکتی ہے۔

یہی حال مال داری اور تنگ دستی کا ہے کہ آدمی عموماً مالی وسعت کے نشہ میں حلال وحرام کی تمیز کھو بیٹھتا ہے، اور تنگ دستی میں بے جا اخراجات کی وجہ سے مزید ذہنی اَذیت میں مبتلا ہوجاتا ہے، جب کہ میانہ روی اختیار کرنے میں ہی ہر طرح کی عافیت ہے، جس کا ہر شخص تجربہ کرسکتا ہے۔

اَخلاق میں توازن

انسانی اخلاق میں بھی درمیانی خلق ہی انسانیت کے لئے باعثِ عزت وشرافت ہے، جس کی تفصیل کرتے ہوئے علماء نے فرمایا ہے کہ انسان میں اللہ تعالیٰ نے تین طرح کی صلاحیتیں رکھی ہیں:

(۱) قوتِ عقلیہ

(۲) قوتِ شہوانیہ۔

(۳) قوتِ غضبیہ۔

اَب ہر ایک کے تین درجات ہیں:

الف:- پس قوتِ عقلیہ میں اگر آدمی حد سے زیادہ آگے بڑھ جائے اور ہر جگہ اپنی فکری صلاحیت لگانے کا شوق رکھے اور کسی حد پر رکنے کو تیار نہ ہو، تو انسان کی یہ کیفیت مذموم ہے، جسے ''جزبرہ'' کہا جاتا ہے۔ اِس طرح کا انسان عموماً گم راہ ہوجاتا ہے، اور اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔

اِس کے بالمقابل اگر آدمی ضروری عقلی صلاحیت سے محروم ہو تو یہ بھی پسندیدہ حالت نہیں

ہے،اسے ''سفاہت''یعنی بے وقوفی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور اِن دونوں حالتوں کے درمیان ایک حالت ہے جسے ''حکمت'' سے تعبیر کرتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی صرف ضرورت کی جگہ پر عقل کا استعمال کرے،اور اپنی حدود پر قائم رہے،تو یہ صفت پسندیدہ ہے۔جس کی قرآنِ کریم میں تعریف کی گئی ہے،اِرشادِ خداوندی ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا. (البقرة، جزء آيت: ٢٦٩)

اور جس کو حکمت عطا کی گئی اُسے خیر کثیر سے نوازا گیا۔

ب:- اِسی طرح قوتِ شہوانیہ کے بھی تین درجات ہیں: اول یہ کہ آدمی شہوت کے حصول میں بے قابو ہوجائے اور حلال وحرام کی تمیز چھوڑ دے،اور دن ورات اسی اُدھیڑ بن میں لگا رہے کہ کیسے شہوت اور لذت نصیب ہو،تو یہ کیفیت انتہائی مذموم ہے، جسے ''فجور'' کہا جاتا ہے،ایسا انسان فتنہ وفساد کا سرچشمہ اور پورے معاشرہ کے لئے رسوائی کا سامان بن جاتا ہے۔

اِس کے بالمقابل اگر آدمی جسمانی اعتبار سے ایسا کمزور ہو کہ شہوت کی تکمیل پر قادر ہی نہ ہو،تو یہ صورت بھی پسندیدہ نہیں،اسے ''عنۃ''یعنی نامردی کہا جاتا ہے۔

اور اِن دونوں حالتوں کے درمیان وہ حالت ہے جسے ''عفت'' کہتے ہیں،یعنی نہ تو آدمی بے قابو ہو اور نہ عاجز اور نامرد ہو؛ بلکہ درمیانی کیفیت اسے نصیب ہو کہ شہوت کے حصول کے حرام طریقوں سے بچے اور صرف حلال طریقے کو اپنائے،یہی درمیانی طریقہ قابل تعریف اور لائق تقلید ہے۔ایسے لوگوں کے بارے میں قرآنِ کریم میں فرمایا گیا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ. اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ. فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ. (المؤمنون: ٥-٧)

اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کو تھام کر رکھتے ہیں،مگر اپنی بیویوں اور باندیوں سے،تو اُن پر کچھ ملامت نہیں۔پس جو شخص اس کے علاوہ شہوت رانی کرے وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

ج:- کچھ اسی طرح حال قوتِ غضبیہ کا بھی ہے کہ اپنی ضرورتوں کی تکمیل اور جانی ومالی نقصان کے دفاع کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان میں قوتِ غضبیہ رکھی ہے، جو فی نفسہٖ ضروری ہے؛ لیکن اگر یہ قوت حد سے آگے بڑھ جائے کہ موقع بے موقع ہر وقت آدمی غصہ ہی کرتا رہے، کمزوروں پر ظلم کرے، چھوٹوں پر جبر کرے، گھر والوں پر خواہ مخواہ دھونس جمائے، تو یہی قوتِ غضبیہ آدمی کے لئے موجب لعنت بن جاتی ہے، اس حالت کو ''تہوّر'' کہا جاتا ہے۔

اس کے بالمقابل اگر آدمی سرے سے قوتِ غضبیہ سے محروم ہو، اور جہاں غصہ آنا چاہئے وہاں بھی اسے غصہ نہ آئے، تو اُسے ''جمود'' کہتے ہیں اور ایسا شخص ''دبّو، دیوث'' اور بزدل کہلاتا ہے۔ معاشرہ میں اس کی کوئی عزت نہیں ہوتی، اور رسوائی اور ذلت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

لیکن ان دونوں حالتوں کے درمیان جو صفت ہے اسے ''شجاعت'' کہا جاتا ہے، کہ نہ تو آدمی بے موقع غصہ کرے اور نہ ہی موقع پر مداہنت کرے؛ بلکہ اس قوت کا برموقع اور برمحل استعمال کرے، تو یہ صفت قابل تعریف ہے۔ (تلخیص وتشریح از: فیض ابرار، مجموعہ خطبات: مولانا سید ابرار احمد صاحب دھولیوی جلد چہارم)

چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص صفت یہ تھی کہ ''آپ نے اپنی ذات کے لئے کسی سے نہ تو انتقام لیا، اور نہ غصہ کا اظہار فرمایا؛ لیکن جب اللہ کے کسی حکم کو توڑنے کی بات سامنے آتی تو اس وقت آپ کو ایسا جلال آتا تھا کہ کسی کو آپ کے غصہ کی تاب لینے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ (شمائل ترمذی ص:۲۴)

اِس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ ہر معاملہ میں میانہ روی اختیار کرے، اور افراط وتفریط اور حدود سے تجاوز سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو خیر کی توفیق سے نوازیں، اور کوتاہیوں کو درگذر فرمائیں، آمین۔

دوسری فصل:

دین داری میں میانہ روی کی تاکید

اِسلام میں ہر چیز میں اعتدال مطلوب اور پسندیدہ ہے، حتیٰ کہ دین پر عمل کرنے میں بھی اعتدال اور میانہ روی کی تاکید کی گئی ہے کہ آدمی نہ تو ایسا بے پروا ہو کہ فرائض وواجبات سے غفلت برتنے لگے، اور نہ ہی عبادات میں ایسا منہمک ہو کہ واجبی حقوق کی اَدائیگی میں بھی کوتاہی کرنے لگے؛ بلکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو پیش نظر رکھ کر زندگی گذارنی چاہیئے، اور افراط وتفریط سے بچنا چاہیئے۔

چناں چہ صحیح روایات میں وارد ہے کہ صحابی رسول سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوری پوری رات عبادت میں گذار دیتے تھے، اور مسلسل روزہ رکھتے تھے، جب اُن کی یہ حالت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہوئی تو آپ نے اُنہیں بلایا اور فرمایا کہ: ''مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم ہمیشہ روزہ رکھتے ہو، اور پوری رات قرآنِ پاک پڑھتے ہو؟'' تو اُنہوں نے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! بات ایسی ہی ہے؛ لیکن اِس سے میرا مقصد تو صرف خیر کا حصول ہی ہے''۔ تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ: ''تمہارے لئے ہر مہینے میں بس تین روزے کافی ہیں''۔ تو حضرت عبداللہ نے عرض کیا کہ میں اِس سے زیادہ روزے رکھنے پر قادر ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہارے مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے، اِس لئے تمہیں اگر روزہ رکھنا ہی ہے، تو تم اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام کے طریقے پر روزہ رکھو، جو لوگوں میں

سب سے زیادہ عبادت گذار تھے''۔ تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! حضرت داؤد علیہ السلام والا روزہ کیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ: ''وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے، اور ایک دن بے روزہ رہتے تھے''۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''ہر مہینے میں ایک قرآن پڑھا کرو''، تو اُنہوں نے عرض کیا کہ ''میں اور زیادہ پڑھ سکتا ہوں''۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ہر بیس دن میں ایک قرآن ختم کیا کرو''۔ تو اُنہوں نے عرض کیا کہ: ''میں اِس سے زیادہ پر قدرت رکھتا ہوں''۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''پھر دس دن میں ختم کیا کرو''۔ پھر اُنہوں نے عرض کیا کہ ''میں اس سے زیادہ پڑھ سکتا ہوں''۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اچھا سات دن میں ختم کیا کرو، اور اس سے زیادہ مت کرو؛ اِس لئے کہ تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تم سے ملنے جلنے والوں کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے''۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود ہی اپنے اوپر سختی کی، جس کی وجہ سے مجھے سخت مشقت برداشت کرنی پڑی، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ تمہیں نہیں معلوم کہ ہوسکتا ہے کہ تمہاری عمر لمبی ہو (اور تمہیں اپنا معمول برقرار رکھنا مشکل ہو) چناں چہ جب میں بڑی عمر کو پہنچا تو اَب مجھے یہ خواہش ہونے لگی کہ کاش میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت قبول کرلیتا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''اگر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر مہینے میں تین روزے رکھنے والی بات قبول کرلیتا تو یہ میرے لئے سب گھربار سے زیادہ پسندیدہ بات ہوتی''۔ (مسلم شریف ۱/۳۶۵ حدیث: ۱۱۵۹-۱۸۱-۱۸۳)

اِس واقعہ سے صاف معلوم ہوا کہ تحمل سے زیادہ معمولات بنانا بہتر نہیں ہے۔

اِسی طرح ایک روایت میں ہے کہ تین حضرات (جن کے نام درج ذیل ہیں: حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم) ازواجِ مطہرات

کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اُن سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبادات کے معمول کے بارے میں دریافت فرمایا، اور جب اُنہیں آپ کے معمولات کا پتہ چلا تو اُسے اُنہوں نے اپنی دانست میں بہت کم سمجھا، اور یہ کہنے لگے کہ ہمارا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا مقابلہ؟ آپ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردئے گئے ہیں۔ پھر اُن تینوں میں سے ایک نے یہ کہا کہ: ’’میں تو اَب زندگی بھر ہر رات نماز ہی میں گذاروں گا‘‘۔ اور دوسرے صاحب نے یہ کہا کہ: ’’میں اَب ہمیشہ روزہ رکھوں گا، کبھی بھی بے روزہ نہ رہوں گا‘‘۔ اور تیسرے صاحب نے یہ کہا کہ: ’’میں تا زندگی عورتوں سے الگ رہوں گا، اور کبھی شادی نہ کروں گا‘‘۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اِن لوگوں کی یہ باتیں معلوم ہوئیں، تو آپ نے اُن سے اِرشاد فرمایا:

أَمَا وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ؛ لٰكِنِّي أَصُوْمُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي. (صحيح البخاري، كتاب النكاح / باب الترغيب في النكاح ۷۵۷/۲ زكريا)

سنو! اللہ کی قسم، میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تقویٰ والی زندگی گذارنے والا ہوں؛ لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں، اور بے روزہ بھی رہتا ہوں، اور نماز بھی پڑھتا ہوں، اور آرام بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، پس جو شخص میرے طریقہ سے اعراض کرے، اُس کا مجھ سے تعلق نہیں۔

اور مجمع الزوائد میں ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ مال دار صحابی تھے، اُنہوں نے یہ طے کرلیا کہ ہمیشہ دن میں روزے رکھیں گے اور رات بھر عبادت میں مشغول رہیں گے، اسی درمیان اُن کی اہلیہ (جو کافی حسین وجمیل تھیں) بعض اَزواجِ مطہرات کے پاس گئیں، تو اُنہوں نے اُن کی بری حالت (سادہ کپڑے وغیرہ) دیکھ کر اُس کی وجہ دریافت کی، اِس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے جواب دیا کہ: ’’ہمارا عثمانؓ سے اب کیا واسطہ؟ وہ دن بھر روزے سے رہتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں‘‘۔ یہ بات اَزواجِ مطہرات نے آنحضرت

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل کردی، چناں چہ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن سے اِرشاد فرمایا ''اے عثمانؓ! کیا میری زندگی میں تمہارے لئے کوئی اُسوہ اور نمونہ نہیں ہے؟'' حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان! اے اللہ کے رسولؐ وہ کیا اُسوہ ہے؟'' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''تم رات بھر عبادت کرتے ہو، اور دن میں روزے رکھتے ہو، حالاں کہ تمہاری اہلیہ کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے؛ لہٰذا نماز بھی پڑھو، اور سوؤ بھی، اور روزہ رکھو اور بے روزہ بھی رہو''۔

چناں چہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس نصیحت پر عمل کیا، بعد میں جب اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے اُن کی بیوی کو دیکھا تو خوب خوشبو لگائے ہوئے تھیں اور خوش تھیں۔ (مجمع الزوائد ۴/۳۰۲)

اور بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے دین داری کے شوق میں عورتوں سے الگ تھلگ رہنے کی اِجازت چاہی تھی، جس کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نامنظور فرمادیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو اِس کی اِجازت دے دیتے، تو ہم سب اپنے کو خصی کرالیتے (تاکہ خواہش نفس باقی ہی نہ رہتی)۔ (بخاری شریف، کتاب النکاح/ باب ما یکرہ من التبتل والخصاء ۲/۷۵۹)

اِس سے یہ پتہ چلا کہ یہ کوئی دین داری نہیں ہے کہ آدمی سب سے الگ تھلگ ہوکر سنیاسی اور راہب بن جائے، یہ فطرت کے خلاف ہے اور دنیوی مصالح کے بھی معارض ہے۔ فرض کیجیے کہ اگر سب لوگ اِسی راستہ پر چل پڑیں، تو جلد ہی دنیا ویران ہوجائے گی، اور سارا نظام عالم خربطہ میں پڑ جائے گا؛ اِس لئے اِسلام جیسا دین فطرت اِس بے اعتدالی کو ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔ اور تاریخ اِس بات کی گواہ ہے کہ جن فرقوں نے بھی اِس راستہ کو اپنایا ہے وہ اُس کے تقاضوں کو پورا کرنے میں پوری طرح ناکام رہے ہیں، اور بالآخر فطرت کے آگے سپر ڈالنے

پر اُنھیں مجبور ہونا پڑا ہے، جیسا کہ عیسائیوں کے بارے میں قرآنِ پاک میں فرمایا گیا:

وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا. (الحديد، جزء آيت: ٢٧)

اور جس رہبانیت (ترکِ لذات) کو اُنھوں نے دین میں ایجاد کیا تھا، اُس کو ہم نے اُن پر لازم نہیں کیا تھا؛ بلکہ اُن پر صرف اللہ کی رضا جوئی لازم تھی۔ پس اُنھوں نے اُس (اپنے مزعومہ طریقے) کی کما حقہ رعایت نہیں رکھی۔

اِسی بنا پر اِسلام میں رہبانیت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، اور جائز حدود میں رہ کر دنیوی نعمتوں سے فائدہ اُٹھانے کی کھلی اِجازت دی گئی ہے۔ چناں چہ اِرشادِ خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ. (المائدة:)

اے ایمان والو! اللہ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کی ہیں، اُن کو اپنے اوپر حرام مت کرو، اور حد سے تجاوز مت کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ کو حد سے آگے بڑھنے والے لوگ پسند نہیں ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

أَحَبُّ الْأَدْيَانِ إِلَى اللّٰهِ الْحَنِيْفِيَّةُ السَّمْحَةُ. (الجامع الصغير للسيوطي مع التيسير للمناوي ٣٩/١ المكتبة الشاملة)

اللہ کو سب سے پسندیدہ دین وہ ہے جو بالکل راہِ راست پر ہو، اور آسان ہو۔

یعنی سب سے کامل دین داری یہ ہے کہ آدمی باطل افکار ونظریات سے دور ہو، اور سادگی اور سہولت کے ساتھ اِس طرح دین پر عمل کرنے والا ہو کہ اُس پر قائم رہنے میں اُسے کوئی دشواری پیش نہ آئے، یہی مذہب اِسلام کی امتیازی خوبی ہے۔ اللہ تعالیٰ پوری اُمت کو اعتدال واِستقامت کی دولت سے مالا مال فرمائیں، اور بے اعتدالی سے محفوظ رکھیں، آمین۔

تیسری فصل:

شریعت میں غلو پسندیدہ نہیں

’’صراطِ مستقیم‘‘ یعنی ’’بالکل سیدھا راستہ‘‘ جس کی دعا سورۂ فاتحہ میں ہر مسلمان مانگتا ہے، یہ وہ راستہ ہے جو ہر طرح کی کجی کے بغیر سیدھا جنت کے ’’صدر دروازہ‘‘ تک پہنچانے والا ہے۔ اِس راستہ کا مرکزی رہبر خود ’’قرآنِ کریم‘‘ ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ﴾ [بنی اسرائیل، جزء آیت: ۹] (یعنی یہی وہ قرآنِ کریم ہے جو سب سے سیدھے راستہ کی رہنمائی کرتا ہے) اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً صِرَاطًا	اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کی ایک مثال بیان
مُسْتَقِيْمًا وَعَنْ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ	فرمائی ہے، جس کے دونوں جانب دو دیواریں
سُوْرَانِ، فِيْهِمَا أَبْوَابٌ مُفَتَّحَةٌ،	ہیں، جن میں جا بجا دروازے کھلے ہوئے ہیں،
وَعَلَى الْأَبْوَابِ سُتُوْرٌ مُرْخَاةٌ،	اور اُن دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں،
وَعِنْدَ رَأْسِ الصِّرَاطِ دَاعٍ يَقُوْلُ:	اور راستہ کے شروع میں ایک آواز لگانے والا
اِسْتَقِيْمُوْا عَلَى الصِّرَاطِ وَلاَ	کہہ رہا ہے کہ ’’راستہ میں سیدھے چلتے رہو،
تَعَوَّجُوْا، وَفَوْقَ ذٰلِكَ دَاعٍ	اور اِدھر اُدھر مت مڑو‘‘۔ اِسی طرح راستہ کے
يَدْعُوْ كُلَّمَا هَمَّ عَبْدٌ أَنْ يَفْتَحَ	آخری سرے پر بھی ایک آواز لگانے والا ہے،
شَيْئًا مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ قَالَ:	جب کوئی شخص اُن دروازوں میں سے کسی
وَيْحَكَ لاَ تَفْتَحْهُ؛ فَإِنَّكَ إِنْ	دروازہ کو کھولنے کا اِرادہ کرتا ہے تو وہ اُوپر سے

تَفْتَحُهُ تَلِجْهُ، ثُمَّ فَسَّرَهُ، فَأَخْبَرَهُ: أَنَّ الصِّرَاطَ هُوَ الإِسْلَامُ، وَأَنَّ الْأَبْوَابَ الْمُفَتَّحَةَ مَحَارِمُ اللّٰهِ، وَأَنَّ السُّتُوْرَ الْمُرْخَاةَ حُدُوْدُ اللّٰهِ، وَأَنَّ الدَّاعِيَ عَلىٰ رَأْسِ الصِّرَاطِ هُوَ الْقُرْآنُ، وَأَنَّ الدَّاعِيَ مِنْ فَوْقِهٖ هُوَ وَاعِظُ اللّٰهِ فِيْ قَلْبِ كُلِّ مُؤْمِنٍ. (مشكاة المصابيح ۳۱/۱، ومثله في مسند أحمد ۱۸۱/۲۹ رقم: ۱۷٦۳٤ الرسالة دمشق)

آواز دینے والا شخص کہتا ہے کہ ’’ارے تیرا برا ہو! دروازہ مت کھول! کیوں کہ اگر تو دروازہ کھولے گا تو اُس میں داخل ہوجائے گا‘‘۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی وضاحت فرمائی کہ دیواروں میں کھلے ہوئے دروازوں سے اللہ کی حرام کردہ باتیں مراد ہیں، اور اُن پر جو پردے پڑے ہوئے ہیں اُن سے اللہ کی حدود مراد ہیں، اور راستہ کے شروع میں جو آواز لگا رہا ہے وہ قرآنِ پاک ہے، اور راستہ کے آخری سرے پر جو آواز لگا رہا ہے وہ ہر مؤمن کے دل میں پایا جانے والا اللہ کا واعظ ہے۔ (یعنی وہ ایمانی شعور ہے جو اللہ نے ہر مؤمن کے دل میں ودیعت رکھا ہے)

اور ایک روایت میں خادمِ رسول سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھا خط کھینچا، اور فرمایا کہ یہ سبیل اللہ (اللہ کا راستہ) ہے، پھر آپؐ نے اُس خط کے دائیں بائیں کچھ اور لائنیں کھینچیں، اور فرمایا کہ یہ الگ الگ راستے ہیں، اِن میں سے ہر راستہ پر ایک شیطان بیٹھا ہوا ہے، جو اُس کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ، وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ [الانعام، جزء آیت:] (اور یہ میرا سیدھا راستہ ہے، پس اِسی کی پیروی کرو، اور دیگر راستوں پر نہ چلو، ورنہ وہ تم کو اللہ کے راستہ سے جدا کردیں گے) (مشکوٰۃ شریف ۳۰/۱)

اِن روایات سے معلوم ہوا کہ شریعت میں وہی راستہ مطلوب ہے جو ہر طرح کی کجی سے

پاک ہو، اور جس میں کسی بھی موقع پر حدود سے تجاوز نہ ہو؛ کیوں کہ حد سے تجاوز یہ راستہ سے ہٹ جانا ہے، جس سے منزلِ مقصود تک پہنچنے میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اِسی حد سے تجاوز کو دوسرے اَلفاظ میں ''غلو'' سے تعبیر کیا گیا ہے، اور قرآنِ کریم میں متعدد جگہ دین میں غلو کرنے سے ممانعت مذکور ہے۔ چناں چہ سورۂ نساء میں فرمایا گیا:

یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ. (النساء: ۱۷۱)

اے اہل کتاب اپنے دین کی بات میں غلو مت کرو، اور اللہ کی شان میں صرف سچی ہی بات کہا کرو۔

اور دوسری جگہ سورۂ مائدہ میں اِرشاد ہوا:

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ. (المائدۃ: ۷۷)

اے پیغمبر آپ اِرشاد فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب اپنے دین کی باتوں میں ناحق مبالغہ مت کرو، اور ایسے لوگوں کے خیالات پر مت چلو جو پہلے خود بھی گمراہ ہو چکے اور بہتوں کو گمراہ کر گئے، اور سیدھے راستہ سے بہک گئے۔

اِس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''عقیدہ کا مبالغہ یہ ہے کہ ایک مولودِ بشری کو خدا بنادیا، اور عمل میں غلو وہ ہے جسے ''رہبانیت'' کہتے ہیں ...... یہود کی جو قبائح بیان کی جاچکیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا پرستی میں غرق ہونے کی وجہ سے دین اور دین داروں کی اُن کے یہاں کوئی عظمت ووقعت نہ تھی، حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کی اِہانت وقتل وغیرہ اُن کا خاص شعار تھا۔ برخلاف اُس کے نصاریٰ نے تعظیم انبیاء میں اِس قدر غلو کیا کہ اُن میں سے بعض کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے لگے، اور ترکِ دنیا کر کے رہبانیت اختیار کرلی''۔ (فوائد عثمانی ۱؍۱۴۵ کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ غلو چاہے عقائد میں ہو یا اَعمال میں، وہ شریعت میں منظور نہیں؛ بلکہ یہی

وہ دروازہ ہے جو تمام گمراہیوں کی طرف کھلتا ہے۔

اُمتوں کی تاریخ پڑھنے سے بآسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جہاں بھی گمراہیاں آئیں، اُن کی ابتداء عقیدہ یا عمل میں غلو سے ہوئی۔ شروع میں اُس پر روک ٹوک نہیں کی گئی، اور اُسے ہلکا سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا، جس کا نتیجہ انجامِ کار کھلی ہوئی گمراہیوں کی شکل میں ظاہر ہوا۔

اِفراط وتفریط دونوں ممنوع ہیں

شریعت میں صراطِ مستقیم کی جو حدود مقرر ہیں، اُس میں جس جانب بھی کوتاہی کی جائے گی، اور حدود سے تجاوز کیا جائے گا، اور شخصیات اور اَحکام کو اپنی جگہ اور مقام سے اِدھر اُدھر کیا جائے گا، تو یقیناً راہِ حق سے اِنحراف لازم آئے گا، جیسا کہ پرانی اُمتوں نے کیا۔

مثلاً عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں اِس قدر اِفراط سے کام لیا کہ اُنہیں خدا کے درجہ تک پہنچا دیا۔ اور دوسری طرف یہودیوں نے اِس قدر تفریط سے کام لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت تک کا انکار کر بیٹھے۔ اور بہت سے اَنبیاء علیہم السلام کی شان میں اِہانت اور گستاخیوں کے مرتکب ہوئے۔ (نعوذ باللہ) اِن دونوں باتوں کی مذمت قرآن وسنت میں موجود ہے۔

اور قرآنِ کریم میں بطورِ خاص اِن باتوں کا تذکرہ دراصل اُمتِ محمدیہ کی تنبیہ اور رہنمائی کے لئے کیا گیا ہے؛ تاکہ اُمت ایسی اِفراط وتفریط سے اپنے کو بچانے کی فکر کرے۔

لیکن یہ بات قابلِ تشویش ہے کہ اُمتِ محمدیہ میں بھی عقائد اور اَعمال میں اِفراط وتفریط کرنے والی جماعتیں پائی جاتی رہی ہیں۔ چناں چہ آج بہت سے لوگ وہ ہیں جنھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ والا شان سے متعلق ایسے عقائد گڑھ رکھے ہیں، جن سے شرک فی الصفات کا پہلو نمایاں ہوتا ہے، یہ سراسر غلو ہے، جس کی خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ممانعت فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشادِ عالی ہے:

لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارىٰ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ؛ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهٗ؛ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا: عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ. (بخاري شريف ٤٩٠/١ رقم: ٣٤٤٥ عن ابن عباس)

میری تعریف میں اِس قدر مبالغہ مت کرو جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں کیا، پس میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں؛ لہٰذا (میرے بارے میں) یہی کہا کرو کہ ’’اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول‘‘۔

اور ایک روایت میں خادمِ رسول سیدنا حضرت اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوکر اِس طرح مخاطب ہوئے کہ: ’’اے اللہ کے رسول! آپ ہم میں سب سے بہتر اور سب سے بہتر کے بیٹے اور ہمارے سردار اور سردار کے بیٹے ہیں‘‘۔ یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ! قُوْلُوْا بِقَوْلِكُمْ، وَلَا يَسْتَهْوِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ، وَاللّٰهِ مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُوْنِيْ فَوْقَ مَا رَفَعَنِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ. (مسند أحمد ١٦٦/٢١ رقم: ١٣٥٢٩ مؤسسة الرسالة دمشق، السنن الكبرىٰ للنسائي، كتاب عمل اليوم والليلة / ذكر اختلاف الأخبار في قول القائل سيدنا وسيدي ٧٠/٦ رقم: ١٠٠٧٧ بيروت)

اے لوگو! تم اپنی بات کہو، اور شیطان تم پر اثر انداز نہ ہو، میں تو عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں، اور اللہ کا رسول ہوں، بخدا! مجھے یہ بات ہرگز پسند نہیں ہے کہ تم مجھ کو میرے اُس درجہ اور مقام سے بلند کرو جس درجہ پر اللہ نے مجھے فائز فرمایا ہے۔

پس ظاہر ہے کہ جب پیغمبر علیہ السلام نے اپنی شان میں ایسے الفاظ اِستعمال کرنے سے خود ممانعت فرمائی ہے، تو کسی کے لئے حد سے تجاوز کی کیسے گنجائش ہوسکتی ہے؟

اِسی طرح بزرگانِ دین اور مرحوم اَولیاء اللہ رحمہم اللہ کے بارے میں مبالغہ آرائی اور بدعقیدگی بھی عام ہے، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بزرگوں کے مزارات پر کی جانے والی من گھڑت رسومات ہی کو اَصل دین کا روپ دے دیا گیا ہے، اور جو اُس پر نکیر کرے، اُلٹا اُسی کو مطعون قرار دیا جانے لگا ہے۔ حالاں کہ یہ ساری خرافات اَولیاء اللہ کی تعلیمات کے بالکل برخلاف ہیں، اور اُن کے نام پر یہ کھیل تماشے دراَصل اُن کی کھلی ہوئی توہین اور برملا مذاق کہلائے جائیں تو بجا ہے۔ اِن غلو آمیز حرکتوں کی وجہ سے دین کی شبیہ داغ دار ہو رہی ہے؛ لیکن ذرہ برابر اس کا احساس نہیں، اِس پر جس قدر بھی اَفسوس کیا جائے؛ کم ہے۔

یہ تو افراط کا پہلو ہے؛ دوسری طرف تفریط کے مرتکب بھی کم نہیں ہیں۔ چناں چہ بعض ایسے کم نصیب لوگ بھی موجود ہیں جو اپنی ہمہ دانی کے زعم میں جب گفتگو کرتے ہیں، تو اُن کے تبصروں کی زد سے کبھی شانِ نبوت بھی نعوذ باللہ مجروح ہو جاتی ہے، جیسا کہ منکرین حدیث کا حال ہے۔

اور بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ تاریخ وسیر کی رطب و یابس روایات کو ہاتھ میں لے کر چودہ سو سال بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مابین پیش آمدہ واقعات کے فیصل بن کر بیٹھ گئے، اور پھر اُن کے قلم نے ایسے نشتر چلائے کہ اہلِ ایمان کے قلب وجگر زخمی ہو گئے، اور اَہلِ دانش نے دانتوں تلے اُنگلیاں دبالیں، اور ہر طرف سے الامان والحفیظ کی صدائیں بلند ہوئیں، بلاشبہ یہ لوگ صحابہ کے معیارِ حق کا اِنکار کر کے راہِ حق سے انحراف کر بیٹھے، یہ سب تفریط کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے۔

اِسی طرح ایک جماعت نے شرک وبدعت کی اصلاح کا خوشنما عنوان لگا کر سرے سے تصوف واحسان اور اِس راہ سے کی جانے والی کوششوں کو تنقید کا نشانہ بنایا، اور اِس بہانے اَولیاء اللہ کی خدمات پر پانی پھیرنے کی ناروا کوشش کی، یہ بھی تفریط کا ایک پہلو ہے اور دین واِنصاف سے بعید ہے۔

اِسی تفریط میں وہ لوگ بھی پیش پیش ہیں جو دنیا میں غیر مقلدیت کا علم اُٹھائے ہوئے ہیں، اور بات بات پر اَکابر فقہاء وائمہ مجتہدین اور سلفِ صالحین سے تعلق رکھنے والے جلیل القدر اَساطینِ اُمت کی فکری اور فقہی آراء پر بے دریغ تنقیدیں کرتے ہیں، اور اُن کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کا مشن چلائے ہوئے ہیں، یہ سب لوگ بھی بدترین غلو کرنے والوں میں شامل ہیں؛ اِس لئے کہ مجمل نصوص کے معانی کی تعیین اور متعارض دلائل میں ترجیح کا کام مجتہدین کے بغیر انجام نہیں پاسکتا، اِس لئے اُن کی خدمات کو نظر انداز کر دینا اور اپنے ناقص علم کی بنیاد پر اُن اَکابر کی تنقیص کرنا، یہ بجائے خود اپنے ناقص ہونے کی دلیل ہے، جس سے اُمت میں انتشار ہوتا ہے، اور فتنوں کی آبیاری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُمت کو ہر سطح پر اِفراط وتفریط سے محفوظ رکھیں، آمین۔

چوتھی فصل:

دین کسی خاص شعبہ میں منحصر نہیں

شریعتِ اسلامیہ مختلف شعبوں پر مشتمل ہے، اور ہر شعبہ کی اپنی جگہ مستقل اہمیت ہے، جن میں سے کسی بھی شعبہ کی تنقیص روا نہیں۔ دین کا کام تقسیم کار کے اُصول پر چلتا ہے۔ یعنی مختلف افراد، جماعتیں اور تنظیمیں الگ الگ شعبوں سے وابستہ ہوکر دین کی خدمت بجالائیں؛ لیکن نہ تو دین کو اپنے شعبہ میں منحصر سمجھیں، اور نہ ہی دوسرے شعبوں سے وابستہ لوگوں کی تحقیر وتنقیص کریں؛ بلکہ سب لوگ ایک دوسرے کی خیرخواہی اور قدردانی کے ساتھ دین کی سربلندی کے مشترکہ اور متفقہ مقصد کو سامنے رکھ کر خدمات اَنجام دیں، تو بلاشبہ دین کو عزت ملے گی، اور کام کرنے والے لوگوں کی حوصلہ افزائی ہوگی۔

اِس کے برخلاف اگر اِس معاملہ میں اِفراط وتفریط کا ماحول بن جائے، یعنی جو شخص جس شعبہ سے وابستہ ہو، وہ اُسی کو سب کچھ سمجھے، اور دوسرے شعبوں سے بالکل نظریں پھیر لے، تو اِس سے نہ صرف یہ کہ کام کرنے والوں میں محاذ آرائی اور تنافس وتقابل کے جذبات اُبھریں گے؛ بلکہ دین کا بڑا نقصان ہوگا، جس کا بار بار مشاہدہ کیا جاچکا ہے۔

اِس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنا ذہن کشادہ رکھے، اور وسعتِ ظرفی کے ساتھ دینی خدمات انجام دے۔ اِسی کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان نے اِرشاد فرمایا کہ:

''ہماری دینی جماعتیں جو تعلیم دین یا اِرشادِ تلقین یا دعوت وتبلیغ اور اصلاحِ معاشرہ کے لئے قائم ہیں، اور اپنی اپنی جگہ مفید خدمات بھی انجام دے رہی ہیں، اُن میں بہت سے علماء

وصلحاء اور مخلصین کام کررہے ہیں، اگر یہی متحد ہو کر تقسیم کار کے ذریعہ دین میں پیدا ہونے والے تمام رخنوں کے اِنسداد کی فکر اور اِمکانی حد تک باہم تعاون کرنے لگیں، اور اِقامت دین کے مشترک مقصد کی خاطر ہر جماعت دوسری کو اپنا دست و بازو سمجھے، اور دوسروں کے کام کی ایسی ہی قدر کریں، جیسی اپنے کام کی کرتے ہیں، تو یہ مختلف جماعتیں اپنے اپنے نظام میں الگ رہتے ہوئے بھی اِسلام کی ایک عظیم الشان طاقت بن سکتی ہیں، اور تقسیم عمل کے ذریعہ اکثر دینی ضرورتوں کو پورا کرسکتی ہیں۔

مگر عموماً یہ ہو رہا ہے کہ ہر جماعت نے اپنی سعی وعمل کا ایک دائرہ اور نظامِ عمل بنایا ہے، عملی طور پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدمتِ دین کو اِسی میں منحصر سمجھ رہے ہیں، گو زبان سے نہ کہیں، دوسری جماعتوں سے اگر جنگ وجدل بھی نہیں، تو بے قدری ضرور دیکھی جاتی ہے، اس کے نتیجہ میں اُن جماعتوں میں بھی ایک قسم کا تشتت پایا جاتا ہے۔ غور کرنے سے اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقصد سب کا اگرچہ دین کی اِشاعت، حفاظت اور مسلمان کی علمی، عملی، اَخلاقی اور اِصلاحی ہی ہے؛ لیکن اِس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے کسی نے ایک دارالعلوم قائم کرکے تعلیم دین کی اَہم خدمت انجام دی، کسی نے ایک تبلیغی جماعت بنا کر رشد وہدایت کا فرض اَدا کیا، کسی نے کوئی انجمن بنا کر اَحکامِ دین کی نشر واِشاعت کا تحریری انتظام کیا، کسی نے فتویٰ کے ذریعہ خلق خدا کو ضروری اَحکام بتانے کے لئے دارالافتاء قائم کیا، کسی نے اِسلام کے خلاف ملحدانہ تلبیسات کے جواب کے لئے تصنیفات کا یا ہفتہ واری، ماہواری رسالہ واخبار کا سلسلہ جاری کیا، یہ سب کام اگرچہ صورت میں مختلف ہیں، مگر درحقیقت ایک مقصد کے اجزاء ہیں۔ ان مختلف محاذوں پر جو مختلف جماعتیں کام کریں گی، یہ ضرور ہے کہ ہر ایک کا نظام عمل مختلف ہوگا، اِس لئے ہر جماعت نے بجاطور پر سہولت کے لئے اپنے اپنے مذاق اور ماحول کے مطابق ایک نظامِ عمل اور اُس کے اُصول وقواعد بنا رکھے ہیں، اور ہر جماعت اُن کی پابند ہے، یہ ظاہر ہے کہ اصل مقصد تو منصوص اور قطعی اور قرآن وسنت سے ثابت ہے، اس سے انحراف کرنا قرآن وسنت

کے حدود سے نکلنا ہے؛ لیکن یہ اپنا بنایا ہوا نظامِ عمل اور اُس کے تنظیمی اُصول وقواعد نہ منصوص ہیں، نہ اُن کا اتباع اَز روئے شرع ہر ایک کے لئے ضروری ہے؛ بلکہ جماعت کے ذمہ داروں نے سہولتِ عمل کے لئے اُن کو اختیار کرلیا ہے، اُن میں حسبِ ضرورت تبدیلیاں وہ خود بھی کرتے رہتے ہیں، اور حالات اور ماحول بدلنے پر اُس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا نظامِ عمل بنالینا بھی کسی کے نزدیک ناجائز یا مکروہ نہیں ہوتا؛ مگر اس میں عملی غلو تقریباً ہر جماعت میں یہ پایا جاتا ہے کہ اپنے مجوزہ نظامِ عمل کو مقصد ومنصوص کا درجہ دے دیا گیا، جو شخص اس نظام عمل میں شریک نہیں، اگرچہ مقصد کا کتنا ہی عظیم کام کررہا ہو، اُس کو اپنا بھائی، اپنا شریک کار نہیں سمجھا جاتا، اور اگر کوئی شخص اس نظام عمل میں شریک تھا، پھر کسی وجہ سے اس میں شریک نہ رہا، تو عملاً اسے اصل مقصد اور دین سے منحرف سمجھ لیا جاتا ہے، اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو دین سے انحراف کرنے والوں کے ساتھ ہونا چاہئے، اگرچہ وہ اصل مقصد یعنی اِقامت دین کی خدمت پہلے سے بھی زیادہ کرنے لگے۔ اِس غلو کے نتیجہ میں وہی تحزب وتعصب اور گروہ بندی کی آفتیں اچھے خاصے دین دار لوگوں میں پیدا ہوجاتی ہیں، جو جاہلی عصبیتوں میں مبتلا لوگوں میں پائی جاتی ہیں‘‘۔

(وحدتِ اُمت ۲۲-۲۴، بحوالہ: ’’غلو فی الدین‘‘ ۳۰۸-۳۱۰، از: مولانا مفتی شعیب اللہ خاں صاحب مدظلہ)

صرف اپنے ہی کام کو دین کا کام سمجھنا غلطی ہے

اور برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ اِس بے احتیاطی پر تنبیہ کرتے ہوئے اِرشاد فرماتے ہیں کہ:

’’محض اِس وجہ سے کہ ہم ایک کام میں لگے ہوئے ہیں، یا ہمارے نزدیک ایک کام اَہم ہے، باقی ساری عبادات پر اور دوسرے سارے دینی کاموں پر پانی پھیر دینا سخت ناانصافی ہے۔ میرا مقصود یہ نہیں کہ اس کی ترغیب نہ دی جائے، یا دوسروں کو اس طرف متوجہ نہ کیا جائے، میرا مقصود یہ ہے کہ اس میں اتنا غلو نہ کیا جائے جو حدود سے متجاوز ہوجائے کہ نہ اس کے مقابلہ میں کوئی فرض رہے نہ واجب، نہ عذر رہے نہ معذرت، جو لوگ اس کے سلسلہ میں منسلک نہ ہوں

وہ جہنمی بنادئے جائیں، وہ بے ایمان اور کافروں میں شمار کردئے جائیں، جیسے کہ بہت سی تقریروں اورتحریروں میں دیکھا جاتا ہے،اور بہت زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض اونچے درجہ کے اکابراور ذمہ دارحضرات کی زبان سے بھی ایسے لفظ نکل جاتے ہیں،حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کاارشادہے کہ:''جوشخص کسی کے بارے میں ایسی بات کوشائع کرے جس سے وہ بری ہے، توحق تعالیٰ شانہ اُس کوقیامت کے دن جہنم میں پگھلائیں گے، یہاں تک کہ اپنی بات کوسچا ثابت کرے''۔ (درمنثور، سنن ابی داوٗد، کتاب القضاء/ الرجل یعین علیٰ خصومۃ من غیران یعلم امرہا رقم: ۳۵۹۷،مسند احمد ۲؍۷۰،المستدرک للحاکم ۲؍۲۷،الاعتدال فی مراتب الرجال ۶۸-۶۹)

دعوت وتبلیغ کا کوئی خاص طریقہ لازم نہیں

دین کی دعوت واِشاعت بلاشبہ مقصود ہے؛لیکن اُس کا کوئی خاص طریقہ شرعاً متعین نہیں کیا گیا؛ بلکہ ضرورت، تقاضہ اورزمانہ کے اعتبار سے اُس کی صورتیں مختلف ہوسکتی ہیں۔ مثلاً: جہاد، وعظ وخطابت، درس وتدریس،تصوف واحسان اور اِفتاء وتصنیف وغیرہ، اِن سب پر جزوی یا کلی طور پر دعوت کا مفہوم صادق آتا ہے۔اَب اگرکوئی دعوت وتبلیغ کے مفہوم کوصرف اپنے بنائے ہوئے طریقۂ کار تک محدود کرلے،تو یہ غلواورزیادتی کی بات ہوگی، جوشرعاً قابل قبول نہیں ہے۔ چناں چہ مفکر اِسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ اِس غلو پر تنبیہ کرتے ہوئے ایک خطبہ میں اِرشادفرماتے ہیں کہ:

''اَب دعوت الی اللہ کی مثال لیجئے! اللہ کی طرف اوراُس کے دین کی طرف لوگوں کو بلانا فرض ہے،انفرادی ہو یا اِجتماعی،تقریر سے ہو یا تحریر سے،علانیہ ہو یا خلوت میں،اس میں کوئی شکل متعین نہیں......لہٰذا دعوتِ دین کا کام کرنے والے ہرفردوجماعت کواختیار ہے کہ وہ جس ماحول میں اپنے لئے جوطریقہ صحیح جانے وہ مقرر کرے،اوراپنی سعی وجہد کا جوطرز مناسب اورمفید سمجھے وہ اختیارکرے،اس میں کسی کو جائز یا ناجائز کہنے یا کوئی روک لگانے کا حق حاصل نہیں ہے،جب تک کہ اُس میں کوئی ایسا عنصر شامل نہ ہوجائے جوشرعی طور پر منکر یا مقاصد دینیہ کے لئے مضر ہو۔

بعض عوامی حلقوں میں اِس وقت اِن دونوں حصوں کوخلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ منصوص کو غیر منصوص کا درجہ دیا جاتا ہے، اور غیر منصوص کو منصوص کے مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے، اس کے نتیجے میں مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں، اور مختلف اِداروں اور دعوتوں میں اکثر تنازعہ کی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر ہم ان چیزوں کے فرق کو سمجھ لیں، تو بہت سی مشکلات حل ہو جائیں گی، سینکڑوں تنازعوں کا سدباب ہو جائے گا، اور بہت سی ذہنی اُلجھنیں ختم ہو جائیں گی۔

دعوت الی اللہ کی مخصوص شکل اور طرز کی اِفادیت وتاثیر کی وضاحت کی جاسکتی ہے؛ لیکن کسی کو اپنے تجربے یا مطالعہ کا اس طرح پابند نہیں کیا جاسکتا جیسے اَحکامِ قطعیہ اور نصوصِ قرآنیہ کا، دین کی خدمت کرنے والی کوئی جماعت اگر کسی خاص طریقۂ کار کو اختیار کرتی ہے (بشرطیکہ وہ دین کے اُصول اور سلفِ صالحین کے متفقہ مسلک اور طرزِ عمل کے مخالف نہ ہو) تو وہ اپنے فیصلے میں حق بجانب ہے۔ ہم اپنے مخصوص طرزِ کار کو دوسری دعوتوں اور دین کی خدمت کرنے والے دوسرے حلقوں کے سامنے بہتر سے بہتر طریقے پر پیش کر سکتے ہیں؛ لیکن اگر صرف طرزِ کار کے فرق کی وجہ سے ہم اُن کو غلط کار سمجھیں یا اُن کی دینی مساعی اور مشاغل کی نفی کریں، جن کو اُنہوں نے اپنے تجربہ اور مطالعہ اور زمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر اختیار کیا ہے، اور اُن کی اِفادیت، واقعات اور برسوں کے تجربہ سے اُن پر واضح ہوچکی ہے، اور کتاب وسنت اور سیرتِ نبوی اور حکمت دین کے وسیع دائرے میں اُس کے لئے اُن کے پاس شواہد اور دلائل پائے جاتے ہیں، تو یہ ہماری غلطی اور زیادتی ہے۔

کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک طبقہ یہ سمجھنے لگا ہے کہ یہی طریقۂ کار اور یہی طرز دین کی خدمت اور احیاء کے لئے ہمیشہ کے واسطے اور ہر جگہ کے لئے ضروری ہے، اور اس کے علاوہ سب غلط ہے، جب تک اس مخصوص طریقے پر کام نہ ہو، تو سمجھا جاتا ہے کہ ساری جدوجہد رائیگاں گئی اور جو کچھ ہوا سب فضول ہوا، یہ بے اعتدالی ہے اور یہ رویہ خطرناک ہے‘‘۔ (دیکھئے: خطباتِ علی میاں ۴۴۱/۵ - ۴۴۸)

ایک چشم کشا فتویٰ

اور حضرت الاستاذ المعظم، مخدومِ گرامی، فقیہ الامت حضرت اَقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند اپنے ایک چشم کشا فتوے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین سیکھنا، اُس پر عمل کرنا، اُس کو دوسروں تک پہنچانا نہایت اَہم اور ضروری ہے، اُمت نے اُس کی اَہمیت کو محسوس کیا ہے؛ البتہ طریقہ اس کا یکساں اختیار نہیں کیا، کسی ایک طریقہ کو سب کے لئے لازم نہیں قرار دیا، وعظ وتقریر، تصنیف وتالیف، اِرشاد وتلقین حسبِ استعداد مناسب طرق سے کام لیا گیا، جس طرح مدارس کا نصاب ونظم ہے کہ وہ نہایت مفید ہے، اور اُس کو برقرار رکھنا ضروری ہے، مگر قرونِ اُولیٰ میں یہ طریقہ موجود نہیں تھا، محض اِس بنا پر اُس کو غلط نہیں کہا جائے گا، اور متقدمین پر یہ الزام نہیں ہوگا کہ اُنہوں نے اِس کو کیوں اختیار نہیں کیا؛...... لیکن جو شخص مدرسہ میں داخل نہ ہو، اُس کو مطعون وملعون نہیں قرار دیا جائے گا، بہت سے بہت یہ کہا جائے گا کہ وہ اس نصاب کے فوائد سے بے بہرہ ہے۔ اِس دور میں بے علمی وبے عملی عام ہے، مدارس میں پڑھنے والوں کی تعداد قلیل ہے، تو عوام تک دین پہنچانے اور اُن کے دین کو پختہ کرنے کا ذریعہ موجودہ تبلیغی جماعت ہے، جو کہ بے حد مفید ہے اور اُس کا مشاہدہ ہے؛ لیکن جو شخص دوسرے طریقہ سے دین حاصل کرے اور دوسروں تک پہنچائے، اس کو مطعون اور ملعون کرنا ہرگز جائز نہیں''۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/۲۱۴)

دین کو بقا ہے؛ اِداروں کو نہیں

یہاں یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشیں کرلینی چاہئے کہ تا قیامت دین کی بقا اور حفاظت کا اللہ کی طرف سے وعدہ ہے؛ اِس لئے مجموعی حیثیت سے اِن شاء اللہ دین اپنی اصلی شکل وصورت میں زندہ اور باقی رہے گا، اور کسی مٹانے والے کے مٹانے سے ہرگز مٹ نہیں پائے گا، جیسا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اِرشاد ہے:

لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللّٰهِ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ، حَتّٰى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللّٰهِ. (صحيح البخاري / كتاب المناقب ۱/۵۱٤ رقم: ۳٦٤۱ عن معاويةؓ)

میری اُمت میں ایک جماعت اللہ کے حکم پر قائم رہے گی، جس کی مخالفت کرنے والے اور ذلیل کرنے والے اُس جماعت کو نقصان نہ پہنچا پائیں گے، یہاں تک کہ اِسی حالت پر رہتے ہوئے اللہ کا حکم (قیامت) قریب آجائے۔

تاہم ایک غیر متعین جماعت کے تاقیامت حق پر قائم رہنے کی بشارت کے باوجود؛ متعین طور پر کسی دینی اِدارے، تنظیم اور جماعت کی حفاظت اور بقا کا کوئی وعدہ منصوص نہیں ہے۔ چناں چہ تاریخ شاہد ہے کہ کتنے ہی عظیم الشان اِدارے وجود میں آئے؛ لیکن مرورِ زمانہ کے بعد اپنے وقت پر تاریخ کا حصہ بن گئے۔

اِس لئے کسی بھی اِدارے سے وابستہ اَفراد اِس غلط فہمی میں ہرگز نہ رہیں کہ اُن کا اِدارہ دائمی حیثیت رکھتا ہے؛ البتہ یہ ضرور ہے کہ جو اِدارے جس قدر شرعی اُصول وحدود پر قائم رہیں گے، اُتنی ہی اُن کی اِفادیت بڑھتی چلی جائے گی، اور جس قدر شرعی حدود سے اِنحراف ہوگا، اُتنا ہی اُن اِداروں کا دائرہ محدود سے محدود تر ہوتا چلا جائے گا، اور ممکن ہے کہ اُن کا نام ونشان ہی مٹ جائے، جیسا کہ اِس آیت سے مستفاد ہوتا ہے۔ اِرشادِ خداوندی ہے:

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ. (محمد: ۳۸)

اگر تم پھر جاؤگے تو تمہارے بجائے اور لوگوں کو بدل دے گا، پھر وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے۔

لہٰذا جو لوگ بھی اپنے اِداروں اور جماعتوں کی بقا کا انتظام کرنا چاہتے ہیں، اُنہیں نفسانیت سے اوپر اُٹھ کر ہر سطح پر شرعی حدود کی رعایت رکھتے ہوئے ہر ممکن طور پر اِجتماعیت قائم رکھنا لازم ہے، اِس کے بغیر ترقی نصیب نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہِ حق پر اِستقامت عطا فرمائیں، آمین۔

○❖○

پانچویں فصل:

اختلاف میں میانہ روی

اِجتماعی زندگی میں آراء کا اِختلاف کوئی حیرت انگیز اَمر نہیں ہے؛ کیوں کہ ہر آدمی کی ذہنی صلاحیت اورسوچنے کا انداز الگ ہوتا ہے، ضروری نہیں کہ ہر معاملہ میں ہر شخص دوسرے سے پوری طرح اتفاق ہی کرے؛ بلکہ فکرونظر میں اختلاف ہوا ہے اور ہوتا رہے گا، اور اِس طرح کے اختلاف کو گوارا کیا گیا ہے، اور گوارا کیا جانا چاہئے۔

خاص طور پر جس اختلاف کی بنیاد محض طریقۂ کار کے اختلاف پر ہو تو اس میں تو وسعت کی بہت گنجائش ہوتی ہے، اُس کے دائرہ کو تنگ کر کے اختلاف کو ایک محاذ آرائی اور فتنہ کی شکل دے دینا، اور اِصلاح کے خوب صورت عنوان سے اِجتماعیت کو تار تار کر دینا ہرگز پسندیدہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

مثلاً کسی تعلیمی اِدارے میں نصاب کی تعیین، یا گھنٹوں کی ترتیب یا اَوقات کی تبدیلی کے بارے میں اختلافِ رائے ہو جائے، تو اُسے ضد اور اَنا کا موضوع نہ بنایا جائے؛ بلکہ ہر فریق کی طرف سے حتی الامکان معاملہ کو حل کرنے کی کوشش کی جائے، اور کسی رائے پر اِصرار کے بجائے اِجتماعیت کی بقا کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو اِدارہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا، اور جو لوگ بھی اِس کا سبب بنیں گے، وہی عند اللہ وعند الناس اِس نقصان کے ذمہ دار قرار پائیں گے۔

ہمارے معاشرہ کا ایک بڑا اَلمیہ یہ ہے کہ جہاں کسی سے رائے کا اختلاف ہوا؛ بس آر پار

کی لڑائی شروع ہو جاتی ہے، اور پھر اِس لڑائی میں وہ راہ چلتے لوگ بھی پورے شدّ ومَد کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں، جن کا اَصل معاملہ سے کوئی تعلق بھی نہیں ہوتا، اور دیکھتے ہی دیکھتے دو فریق بن جاتے ہیں۔ اور جو فریق جس کی حمایت کرتا ہے اُس کی ساری غلطیوں کو نظر انداز کر دیتا ہے، اور جس کی مخالفت میں آگے بڑھتا ہے، تو اُس کی ساری خوبیوں کو منٹوں میں خاک میں ملا دیتا ہے۔

یہ بے احتیاطی بڑے بڑے فتنوں کو جنم دیتی ہے، جس کی زد میں آکر بڑے شان وشوکت والے اِدارے بھی عبرت کا نمونہ بن جاتے ہیں، اور دلوں میں بغض وعداوت کا ایسا طوفان اُٹھتا ہے جو ذخیرۂ حسنات کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے، اِس لئے ایسے مواقع پر شریعتِ مطہرہ ہمارے لئے کیا رہنمائی کرتی ہے، اُسے پیشِ نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔

ایک جامع ترین کتاب

اِس موضوع پر اُردو زبان میں ایک جامع ترین کتاب برکۃ العصر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' کے نام سے تالیف فرمائی، جس کا ایک ایک لفظ روشن ہے، اور فکر وعمل میں اعتدال کی دعوت دینے والا ہے۔

یہ کتاب اُس وقت لکھی گئی جب تقسیم ہند کی تحریک چل رہی تھی، اور لیگ اور کانگریس کا اختلاف شباب پر تھا۔ اَخبارات، اِشتہارات اور پمفلٹوں کا ایک سیل رواں تھا، جو ذہنوں کو پراگندہ کر رہا تھا۔ اُس گرم ماحول میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنے ایک کرم فرما کے تیکھے سوالوں کا مدلل جواب دیتے ہوئے یہ رسالہ تحریر فرمایا، جس میں آیاتِ قرآنیہ، اَحادیث نبویہ اور آثار صحابہؓ کی روشنی میں اعتدال کا راستہ اپنانے کی تلقین فرمائی۔ یہ رسالہ ایک عرصہ تک مخطوطہ کی شکل میں رہا، حضرت شیخ رحمہ اللہ کو اِسے شائع کرنے میں قدرے تردد تھا؛ لیکن بعد میں عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ اور داعی الی اللہ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر اِس کو شائع فرمایا۔

یہ رسالہ اگرچہ زیادہ ضخیم نہیں ہے؛ لیکن اِس میں ۳۶۲ مرفوع اَحادیث اور تقریباً سو آثارِ صحابہ وتابعین جمع کردئے گئے ہیں۔

یہ رسالہ بلاشبہ اِس قابل ہے کہ ہر وقت ہمارے مطالعہ میں رہے، اور ہم اِس میں تحریر کردہ ہدایات کو اپنانے کی ہر ممکن کوشش کریں، اور اپنی ذات کو کسی بھی فتنہ کو ہوا دینے میں استعمال نہ ہونے دیں۔

راقم مرتب نے اپنی یاد دِہانی کے لئے اِس مبارک اور نافع کتاب کے چند حوالے نوٹ کئے تھے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ قارئین کی نظر سے بھی گذر جائیں، اِن شاء اللہ فائدہ ہوگا:

اختلاف میں حدود سے تجاوز نہ ہو

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”علاوہ اَزیں ایک چیز اور بھی نہایت قابل اہتمام ہے، غور سے سنو! کہ اختلافِ رائے خواہ ممدوح ہو یا مذموم، کسی اختلاف میں بھی حدود سے تجاوز کرجانا اور مخالفین کے ساتھ اعتدال سے بڑھ کر معاملہ کرنا اِسلامی تعلیم کے منافی ہے۔ قرآنِ پاک کا اِرشاد ہے: ﴿وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا﴾ (المائدۃ، جزء آیت: ۲) (ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے جن کو اِس سبب سے بغض ہے کہ اُنہوں نے تم کو مسجد حرام میں جانے سے روک دیا ہے، وہ بغض تمہارے لئے اُس کا باعث بن جائے کہ تم حد سے نکل جاؤ)

غور کرو کہ یہاں کفار کی مخالفت کیسی سخت اور مذموم تھی؛ لیکن اِس کے باوجود مسلمانوں کو اُن کی مخالفت میں بھی حد سے تجاوز کرنے کی ممانعت کردی گئی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اختلافِ رائے نہیں ہوتا، یا اختلافِ مسائل نہیں ہوتا، یا آپس کا نزاع نہیں ہوتا، یہ سب چیزیں ہمیشہ سے ہوتی آئی ہیں اور رہیں گی، مخالفتیں ممدوح بھی ہوتی ہیں اور مذموم بھی؛ مگر کونسی چیز ہمارے لئے ایسی ہے جس کے بارے میں ہمارے پاس اَسلاف کی رائے، اُن کا فعل، اُن کا عمل مشعل ہدایت نہیں ہے، آپس کی مخالفت کے قصے دیکھنا ہو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اختلافات دیکھو کہ وہ آپس میں لڑ کر اِس تعلیم کو بھی پورا فرما گئے ہیں“۔ (الاعتدال فی مراتب الرجال ۲۳۹-۲۴۰)

فریق مخالف کو خود غرض قرار دینا سخت ذمہ داری ہے

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''اِس لئے ہر اُس شخص کو جو اپنی رائے کے خلاف رائے رکھتا ہو، خود غرض بتا دینا یا حبِ جاہ اور حبِ مال کا مجرم وملزم بنا دینا، بڑی سخت ذمہ داری ہے، کیا یہ ممکن نہیں کہ اُس کے نزدیک دین کے لحاظ سے یا مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے واسطے یہی صورت مناسب اور ضروری ہو، جو وہ اختیار کر رہا ہے؟ مانا کہ تمہارے نزدیک وہ خطرناک صورت ہے اور نہایت نقصان دہ؛ لیکن اَول تو تمہارے پاس بھی وحی نہیں ہے کہ جو راستہ تمہارا ہے وہی حق ہے، خطا اور صواب کا احتمال ہر جانب ہے۔ دوسرے اگر مان بھی لیا جائے کہ یہی راستہ متعین ہے تو بھی یہ ضروری نہیں کہ دوسرے شخص نے غلط راستہ بددیانتی اور خود غرضی سے ہی اختیار کیا ہے، خطاء اجتہادی سے بھی ممکن ہے، اِس لئے تم پر ضروری ہے کہ اُس کو سمجھاؤ، اور اُن اخلاقِ اسلامی سے جو ایک مسلمان کی شایانِ شان ہیں، اُس کو اپنا ہم نوا بناؤ، نہ یہ کہ جھوٹے سچے عیوب اُس پر چسپاں کرو اور ہر وقت بہتان وغیبت میں مبتلا رہو اور اُس کے درپے آزار رہو۔ اللہ جل جلالہٗ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا. (الأحزاب: ۵۸) (اور جو لوگ مؤمن مرد اور مؤمن عورتوں کو بدون اس کے کہ اُنھوں نے کوئی ایسا کام کیا ہو (جس سے وہ شرعاً ستانے کے مستحق بن جائیں) ایذا دیتے ہیں، وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں)'' (الاعتدال فی مراتب الرجال ۱۵۱)

زبان قابو میں رکھیں!

اِختلاف کے وقت عام طور پر زبانیں بے قابو ہو جاتی ہیں، اِس پر متنبہ کرتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''درحقیقت ہم لوگوں کی زبانیں قابو میں نہیں ہیں، جس شخص کے متعلق جو چاہے، بے تکلف حکم لگا دیتے ہیں، حالاں کہ زبان کی حفاظت بہت ہی زیادہ اَہم ہے۔

ایک صحابی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مجھے کوئی ایسی چیز بتادیجئے جس کو مضبوط پکڑلوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کی طرف اِشارہ فرمایا کہ: ''اِس کا مالک بنا رہ''۔ (المعجم الکبیر للطبرانی رقم: ۳۳۴۸-۳۳۴۹)

ایک دوسرے صحابیؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کس چیز سے بچوں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''زبان سے''۔ (الترغیب والترہیب للمنذری، کتاب البر والصلۃ/ الترغیب فی الصمت اِلاعن خیر الخ ۳۳۸/۳ بیروت)

حدیث میں آیا ہے کہ جو لوگ آدمیوں کا مذاق اُڑاتے ہیں، اُن کے لئے قیامت میں جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا، اُن میں سے ہر ایک کو آوازیں دی جائیں گی کہ جلدی آجا جلدی آجا، جب وہ اُس تکلیف اور مصیبت کی وجہ سے جس میں وہ مبتلا ہوگا، بڑی دقت سے دروازہ کے قریب پہنچے گا، وہ دروازہ فوراً بند کرلیا جائے گا، اور دوسری طرف ایک دروازہ کھل جائے گا اور وہاں سے اِسی طرح بلانے کی آوازیں آئیں گی، اور جب وہ بڑی مشقت سے اُس دروازہ کے قریب پہنچے گا، تو وہ بھی بند ہوجائے گا، اور تیسرا دروازہ اِسی طرح کھلے گا۔ یہی معاملہ اُس کے ساتھ رہے گا، حتیٰ کہ وہ مایوس ہوکر اس کھلے ہوئے دروازہ کی طرف جانے کی بھی ہمت نہ کرے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی / باب: ۴۴ فی تحریم اعراض الناس الخ ۳۱۰/۵-۳۱۱ بیروت، رقم: ۶۷۵۷، الترغیب والترہیب، کتاب البر والصلۃ/ الترہیب من احتقار المسلم ۳۷۴/۳ بیروت)

یہ بدلہ ہے اُس کے مسلمان کے ساتھ ٹھٹول اور مذاق کرنے کا کہ اُس کے ساتھ بھی مذاق کا معاملہ کیا جائے گا، جو لوگ معمولی سی مخالفت پر مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے ہیں، اُن کے کارٹون شائع کرتے ہیں، اُن کی ہجو میں قصائد لکھتے ہیں، وہ کبھی خلوت میں بیٹھ کر اپنے حشر کا بھی غور کریں''۔ (الاعتدال فی مراتب الرجال ۱۵۲-۱۵۳)

مسلمان کی آبروریزی برداشت نہیں

ایک دوسری جگہ اِسی ضمن میں حضرت شیخ رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل فرمائی کہ:

’’حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی مدد سے ایسے وقت میں دست برداری کرتا ہے، جس وقت اُس کی اِہانت کی جارہی ہو، اُس کی آبروریزی کی جارہی ہو، تو حق تعالیٰ شانہ ایسے وقت میں اُس کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے جس وقت یہ خود مدد کا ضرورت مند ہوگا، اور جو کسی مسلمان کی مدد ایسے وقت میں کرے گا، جب کہ اُس کی آبروریزی کی جارہی ہو، اُس کی اِہانت کی جارہی ہو، تو حق تعالیٰ شانہ اُس شخص کی ایسے وقت میں مدد فرمائیں گے جس وقت کہ اُس کو مدد کی ضرورت ہو‘‘۔ (مشکوٰۃ شریف، کتاب الآداب/ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص:۴۲۴، ابوداؤد شریف، کتاب الادب/ الرجل یذب عن عرض اخیہ ۲/۶۶۹ رقم:۴۸۸۴، الاعتدال فی مراتب الرجال ۱۴۸)

ذرا غور فرمائیں! مذکورہ روایت میں کیسی سخت تنبیہ کی گئی ہے۔

سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی نہایت قیمتی نصیحتیں

عام طور پر اِختلاف کے وقت فریقِ مخالف کو ذلیل کرنے کے لئے بہانے ڈھونڈے جاتے ہیں، اور اگر اعتراض کی کوئی بات ہاتھ لگ جائے، تو اُس کا پتنگڑ بنادیا جاتا ہے، اور اَب تو سوشل میڈیا کا دور ہے، ہر شخص انجام سے بے پروا ہوکر جو چاہے بات چلا دیتا ہے، اِس کی وجہ سے اِختلافات کی خلیج مزید گہری ہوجاتی ہے، اور بدگمانیاں عام ہوجاتی ہیں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ نے اِس صورتِ حال کو سامنے رکھ کر صحابیِ رسول سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی چند قیمتی نصیحتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اِن نصیحتوں کا ہر ہر لفظ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں:

’’لیکن اِس بارے میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی وصیت سامنے رکھو، اُنہوں نے ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے، اور اللہ اُن پر رحمت کرے، کس قدر نفیس بات کہی ہے۔ اِرشاد فرماتے ہیں:

وَأُحَذِّرُكُمْ زَيْغَةَ الْحَكِيمِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَقُولُ كَلِمَةَ الضَّلَالَةِ عَلىٰ لِسَانِ الْحَكِيمِ، وَقَدْ يَقُولُ الْمُنَافِقُ كَلِمَةَ الْحَقِّ.

قُلْتُ لِمُعَاذٍ: مَا يُدْرِيْنِي رَحِمَكَ اللّٰهُ أَنَّ الْحَكِيْمَ قَدْ يَقُوْلُ كَلِمَةَ الضَّلَالَةِ، وَأَنَّ الْمُنَافِقَ قَدْ يَقُوْلُ كَلِمَةَ الْحَقِّ؟

قَالَ: بَلٰى! اِجْتَنِبْ مِنْ كَلَامِ الْحَكِيْمِ الْمُشْتَهِرَاتِ الَّتِي يُقَالُ: مَا هٰذِهٖ؟ وَلَا يُثْنِيَنَّكَ ذٰلِكَ عَنْهُ؛ فَإِنَّهُ لَعَلَّهُ أَنْ يُرَاجِعَ وَتَلَقَّ الْحَقَّ إِذَا سَمِعْتَهُ؛ فَإِنَّ عَلَى الْحَقِّ نُوْرًا. (سنن أبي داؤد، كتاب السنة / باب في لزوم السنة ٦٣٣/٢ رقم: ٤٦١١ رشيدية دهلى)

ترجمہ:- میں تمہیں حکیم کی کجی سے ڈراتا ہوں کہ شیطان کبھی ناحق بات حکیم کی زبان سے کہہ دیتا ہے، اور کبھی منافق بھی حق بات کہہ دیتا ہے، شاگرد نے عرض کیا: اللہ آپ پر رحم کرے جب ایسا ہے تو مجھے کس طرح معلوم ہوگا کہ حق کیا ہے اور گمراہی کیا ہے؟ اِرشاد فرمایا کہ ہاں! حکیم کی ایسی باتوں سے پرہیز کرو جن کے متعلق یہ کہا جائے کہ یہ کیا ہوگیا؟ یہ کیسے کہہ دیا؟ اوراس کا خیال رکھنا کہ حکیم کی یہ باتیں تجھے اس سے روگردان نہ کردیں، بہت ممکن ہے کہ وہ رجوع کرلے، اورحق بات کو سن کر اُسے قبول کرو؛ کیوں کہ حق بات میں ایک قسم کا نور ہوتا ہے۔

اَب غور کرو کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اِس ضابطہ اورنصیحت میں کتنے اہم امور ارشاد فرمائے ہیں:

(۱) ہر حق بات کہنے والا حکیم نہیں، کبھی منافق بھی حق بات کہہ دیتا ہے، اِس لئے محض ایک بات کسی کی سن کر اُس کا معتقد نہ ہونا چاہئے۔ ہماری عادت یہ ہے کہ ایک تقریر کسی کی سنی یا ایک مضمون کسی کا پڑھا فوراً اُس کے معتقد ہوگئے، ساتویں آسمان پر اُس کو پہنچا دیا۔ الخ......۔

(۲) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ حکیم سے بھی کجی کی بات ہوجاتی ہے، اِس لئے محض ایک آدھ بات کی وجہ سے غیر معتقد نہیں ہوجانا چاہئے؛ بلکہ دونوں کے مجموعہ سے یہ اُصول معلوم ہوا کہ اَول تو آدمی کی حالت کا پورا غور وتعمق سے مطالعہ کرنا چاہئے، اگر وہ اکثر وبیشتر اُمور میں شریعتِ مطہرہ کا متبع ہے اور سنتِ نبویہ کا دل دادہ ہے، تو بے شک وہ قابل اتباع ہے، قابل اقتداء ہے، پھر اگر کسی کو اپنی پوری ذمہ دارانہ تحقیق سے کوئی بات اُس کے

خلاف معلوم ہو، تو اس بات کو نہ لینا چاہئے؛ لیکن اِس کی وجہ سے اُس حکیم سے علیحدگی اختیار نہ کرنی چاہئے؛ کیوں کہ اِس بات کا احتمال ہے کہ وہ تو رجوع کرے اور تم ہمیشہ کے لئے اُس سے چھوٹ ہی جاؤ گے، یہ اِجمال ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اِرشاد کا۔ تفصیل میں غور کے بعد بہت سی گنجائش ہے۔

اَب موجودہ صورت کو جانچو، ہمارا طرزِ عمل کیا ہے؟ ایک بات اپنے ذہن میں صحیح سمجھ لی، کیسی ہی معمولی سی بات ہو، کتنی ہی جزوی چیز ہو؟ پھر کسی کا مضمون کسی کی تقریر اُس کے موافق دیکھ لی یا سن لی، تو اُس کی تعریفوں کے پل باندھ دئے جاتے ہیں، اُس کو سراہا جاتا ہے، اُس کی جا و بے جا حمایت کی جاتی ہے، اُس میں جو خلافِ شرع واقعی باتیں ہوں، اُن کو معمولی سمجھا جاتا ہے، جو سب سے زیادہ سخت چیز ہے، یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ جو بات حق ہے اُس کو حق کہا جائے، جو غلط ہے اُس کو غلط کہا جائے، یا کم اَز کم سکوت کیا جائے؛ لیکن ہمارا عمل یہ ہے کہ اُس شخص کی حمایت میں اُن شرعی اُمور ہی کو سرے سے لغو بتا دیا جاتا ہے، جن کی وہ خلاف ورزی کرتا ہے، الخ...... اُس کے بالمقابل اگر کسی کی کوئی معمولی سی بات اپنی رائے کے خلاف سن لی یا دیکھ لی، تو اُس کا ہر فعل عیب ہے، جو واقعی خوبیاں اُس میں ہیں وہ بھی سراسر مذمت کے قابل سمجھی جاتی ہیں، حالاں کہ شرع اور عقل وفہم کے نزدیک ہر چیز کا ایک مرتبہ ہے، جس سے نہ گھٹانا چاہئے نہ بڑھانا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک اِرشاد ہے:

"أَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ". كذا في الجامع برواية مسلم وأبي داؤد عن عائشة ورقم له بالصحة. (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب / باب في تنزيل الناس منازلهم ٦٦٥/٢ رقم: ٤٨٤٢)

ترجمہ:- لوگوں کو اُن کے مرتبہ میں رکھا کرو (یعنی نہ مرتبہ سے بڑھاؤ نہ گھٹاؤ)

لیکن ہم لوگوں کا عام برتاؤ آج کل یہ ہے کہ ہر چیز میں اِفراط وتفریط ہے، اعتدال کا ذکر نہیں"۔ (الاعتدال فی مراتب الرجال ۱۷-۱۹)

اور بذل المجہود شرح ابوداؤد میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کے حوالہ سے مذکوہ بالا روایت کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''اِس میں غلطی کے باوجود صاحبِ حکمت عالم دین سے الگ نہ ہونے کی جو ہدایت دی گئی ہے، اُس کے دو معنی ہوسکتے ہیں:

اول یہ کہ اگر تم اُس کے ساتھ جڑے رہوگے تو ممکن ہے کہ تمہارے اَثر سے اور تم سے شرما کر وہ آئندہ حق کو قبول کرلے۔ (اور بالکل راہِ راست پر آجائے)

اور دوسرے معنی یہ کہ اُس سے الگ مت ہو؛ بلکہ یہ توقع رکھو کہ وہ آئندہ غلط بات سے رجوع کرکے حق بات کا برملا اعلان کرے گا''۔ (بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد ۱۳/۱۷ مرکز الشیخ ابی الحسن علی الندویؒ مظفر پور اعظم گڈھ)

کسی کے قول کی تردید کا حق کس کو ہے؟

یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی سے مخالفت ہوجائے تو ہر کس وناکس اَہلیت کا لحاظ رکھے بغیر زبان درازی پر اُتر آتا ہے، اِس کے متعلق تنبیہ فرماتے ہوئے حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں:

''کسی عالم کے قول کو رد کرنے کا حق ضرور حاصل ہے، اِس کی تردید ضرور کی جاسکتی ہے، مگر جب ہی جب اُس کے قول کے بالمقابل تردید کا شرعی سامان موجود ہو، اُس کے قول کے خلاف نصوصِ شرعیہ موجود ہوں، اور رد کرنے والا نصوص سے استدلال کی صلاحیت رکھتا ہو، یہ میرا مقصود ہرگز نہیں ہے کہ عالم جو بھی کہہ دے وہ صحیح ہے، اور اُس کے کسی قول پر رد اور اِنکار نہ کیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے، جس کے قول پر رد نہ کیا جاسکے، یا اُس کے اَقوال واَفعال میں غلطی کا احتمال نہ ہو، بے شک ہے اور ضرور ہے؛ لیکن رد کرنے کے واسطے اور غلطی پکڑنے کے واسطے بھی شریعتِ مطہرہ میں حدود قائم ہیں، اُس کے درجات ہیں، اُس کے قواعد اور آداب ہیں؛ تاوقتیکہ اُن سے واقفیت نہ ہو تو رد کرنے کا حق بھی کسی کو نہیں ہے''۔ (الاعتدال فی مراتب الرجال ۱۶۹-۱۷۰)

اختلاف کے وقت عام لوگ کیا کریں؟

جب اختلافات عام ہوں تو جو لوگ قدرت رکھتے ہیں وہ دیانت داری اور اِخلاص کے ساتھ اِختلافات کو مٹانے کی کوشش کریں، اور جو لوگ قدرت نہ رکھیں اُن کے لئے بہتر یہی ہے کہ یکسو ہوجائیں، بس اپنے کام سے کام رکھیں، اور کسی اختلاف میں نہ پڑیں۔ اِس بارے میں حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں:

''اس کی صورت یہ ہے کہ سمجھ دار اور پکے لوگ جو حالات سے بھی واقف ہوں، اور اہل علم بھی ہوں کہ ہر بات کا شرعی درجہ سمجھ سکیں، متحمل مزاج بھی ہوجائیں، طویل طویل گفتگو کریں، مفصل اور پکے صحیح حالات سنائیں اور اُن کی سنیں، اِن شاء اللہ کسی وقت میں اختلاف رفع ہوجائے گا، اور جو یہ نہ کرسکتے ہوں وہ اُن کو معذور سمجھیں اور اپنی تقصیر پر میری طرح سے اَفسوس کریں؛ لیکن گالیاں دینا یہ عام مؤمنوں کو بھی جائز نہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کو ابھی نقل کیا گیا ہے کہ: ''سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ'' (مؤمن کو گالیاں دینا فسق ہے) اِس حدیث کو حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابوہریرہ، حضرت سعد، حضرت عبد اللہ بن مغفل، حضرت عمرو بن النعمان اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم نے نقل فرمایا ہے۔ اتنے جلیل القدر اور اکابر صحابہ نے نقل کیا ہے، پھر چہ جائے کہ اَولیاء اللہ کو گالیاں دینا برا بھلا کہنا کہ اس میں اپنا ہی کچھ بگاڑتا ہے، کسی کا کیا نقصان ہے''۔ (الاعتدال فی مراتب الرجال ۲۲)

اور پھر حضرت شیخ الحدیثؒ خلاصہ کے طور پر تحریر فرماتے ہیں:

''الغرض جہاں قدرت ہو وہاں نکیر کرنا نہایت ضروری ہے، اِسی طرح دوسری جانب جہاں قدرت نہ ہو، نکیر پر کوئی فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہو، کسی دینی مضرت اور نقصان کا خیال ہو، وہاں خواہ مخواہ خم ٹھوک کر نہ کھڑے ہونا؛ بلکہ اُس مجمع سے یکسوئی اختیار کرنا اور لوگ تمہاری یکسوئی پر برا بھلا کہیں، گالیاں دیں، طعن وتشنیع کریں، اُس کو برداشت کرنا، ہمت ہو تو اُن کے لئے دعاء خیر کرنا۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لاَ يَعْلَمُوْنَ. (اے اللہ میری قوم کو ہدایت فرما کہ یہ

لوگ جانتے نہیں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر پاک اور اُونچا اُسوہ ہے؛ لیکن یہ نہ ہوسکے تب بھی ایسے مواقع میں جھگڑے سے علیحدہ رہنا، اِصلاح کی فکر میں نہ لگنا، اپنے کو سنبھالے رہنا بہت غنیمت ہے''۔(الاعتدال فی مراتب الرجال ۲۵۲)

یہ چند جواہر پارے برائے اِصلاح نقل کئے گئے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حدود پر قائم رہ کر زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور ہر قسم کے شرور وفتن سے محفوظ رکھیں، آمین۔

نوٹ:- اِس مضمون میں ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' کے جس نسخہ کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ مکتبۃ الاتحاد دیوبند سے جناب مولانا محمد جاوید بالوی سہارنپوری اور مولانا اشرف علی اعظمی زید علمہما کی تحقیق وتخریج کے ساتھ شائع شدہ ہے۔(مرتب)

آٹھواں باب:

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا آخَرَ ○

[الفرقان، جزء آیت: ٦٨]

توحیدِ خالص پر استقامت

پہلی فصل:

توحید خالص پر ثبات قدمی

’’عباد الرحمٰن‘‘ کی صفات بیان کرتے ہوئے آگے یہ فرمایا گیا: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ﴾ [الفرقان، جزء آیت: ٦٨] (یعنی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو معبود نہیں مانتے) بلاشبہ یہ صفت ایمان کی بنیاد ہے، اور تمام انبیاء علیہم السلام نے دنیا میں آکر اس کی تعلیم دی ہے، اِس میں ذرہ برابر بھی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ.

(النحل، جزء آیت: ٣٦)

اور ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجے کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت (بت، شیطان وغیرہ) سے بچتے رہو۔

اور دوسری جگہ اِرشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ. (الانبیاء: ٢٥)

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے، اُن کو یہی حکم دیا کہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی بندگی نہیں، پس میری ہی عبادت کرو۔

اِسی بنا پر اِسلام کا پہلا کلمہ: ’’لا إلٰه إلا اللّٰه‘‘ تمام معبودانِ باطلہ کی نفی سے شروع ہوتا ہے، پس معبودانِ باطلہ کی عبادت کی قطعاً نفی اور معبود برحق رب العالمین کی عبادت کا حتمی طور پر اثبات؛ یہی اِسلام کا مطلوب ومقصود ہے، اِس نظریہ میں کسی طرح کی کمزوری ہرگز منظور نہیں کی جاسکتی۔ اِسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ. (صحيح البخاري / كتاب الإيمان ۸/۱، صحيح مسلم / كتاب الإيمان ۳۶/۱)

مجھے یہ حکم ہے کہ اُس وقت تک لوگوں سے لڑوں جب تک کہ وہ اِس بات کی شہادت نہ دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اِسلام کسی بھی سطح پر کسی قسم کے شرک کو برداشت نہیں کرتا، توحیداور خالص توحید اِسلام کا خاصہ ہے۔ اِسی لئے قرآن وحدیث میں جابجا توحید کی تاکیداور شرک کی مذمت کی گئی ہے، اورمشرکین کی جانب سے پیش کردہ تمام باتوں کا مسکت جواب دیا گیا ہے۔

شرک: سفید جھوٹ

واقعہ یہ ہے کہ شرک سے بڑا جھوٹ دنیا میں کوئی نہیں ہے، یہ اِتنا بڑا جھوٹ ہے کہ اگر اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑے اور زمین شق ہوجائے تو بجا ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کے لئے ہم جنس اَولاد کے لچر عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے بہت زوردار انداز میں ارشاد فرمایا گیا:

وَقَالُوْا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا. لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا. تَكَادُ السَّمٰوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا. اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا. وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا. اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا.

(مریم: ۸۸-۹۳)

اور لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن اولاد رکھتا ہے، یقیناً تم بہت بھاری چیز لائے ہو، قریب ہے کہ اس کی وجہ سے سب آسمان پھٹ پڑیں اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے اور پہاڑ ریت ہوکر گر پڑیں، اس پر کہ رحمٰن کے نام پر اولاد پکارتے ہیں، اور رحمٰن کو اولاد رکھنا زیب نہیں دیتا، جو کچھ بھی آسمان وزمین میں ہے وہ رحمٰن کے سامنے بندہ ہی ہوکر آئے گا۔

دیکھئے کیسا پرشوکت اور پراثر اُسلوب ہے جو ذہن ودماغ کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی ہے، اور شرک وکفر کے تار وپود کو بکھیر دینے والا ہے۔

شرک کا عقیدہ عقل وفطرت کے خلاف ہے

غور کیا جائے تو عقیدۂ شرک کا خلافِ عقل ہونا بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے؛ کیوں کہ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ بغیر بنائے کوئی چیز بن جائے۔ مشہور ہے کہ اِمام اعظم حضرت اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک دہریہ شخص توحید ربوبیت پر بحث کے لئے آیا، تو حضرت نے فرمایا کہ آگے بحث تو بعد میں ہوگی، پہلے یہ بتاؤ کہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ ایک کشتی خود بخود بن گئی، اور پھر اُس میں خود بخود سامان لادا گیا، اور پھر وہ کشتی خود بخود پانی میں چل پڑی، اور دوسرے کنارے پر پہنچ کر اُس نے سامان اُتار دیا، تو کیا یہ ممکن ہے؟ تو اُس شخص نے کہا کہ یہ تو بالکل محال ہے، بھلا کسی کے بنائے اور چلائے بغیر کشتی کیسے چل سکتی ہے؟ تو حضرت الامامؒ نے فرمایا کہ تم ہی بتاؤ جب ایک کشتی اس طرح نہیں چل سکتی، تو یہ نظامِ کائنات بغیر خالق ومالک کے کیسے چل سکتا ہے؟ (شرح فقہ اکبر لملا علی قاری ۲۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ کوئی نظام بیک وقت دو متوازی طاقتوں کے ذریعہ بخیر وخوبی چل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا. (الانبیاء، جزء آیت: ۲۲)

اگر ہوتے ان دونوں میں اور حاکم اللہ کے سوا تو دونوں خراب ہوجاتے۔

اس کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’اس کو یوں سمجھو کہ عبادت نام ہے کامل تذلل کا، اور کامل تذلل صرف اسی ذات کے سامنے اختیار کیا جاسکتا ہے جو اپنی ذات وصفات میں ہر طرح کامل ہو اسی کو ہم ’’اللہ‘‘ یا ’’خدا‘‘ کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ خدا کی ذات ہر قسم کے عیوب ونقائص سے پاک ہو، نہ وہ کسی حیثیت سے ناقص ہو نہ بیکار، نہ عاجز ہو نہ مغلوب، نہ کسی دوسرے سے دبے نہ کوئی اس کے کام میں

روک ٹوک کر سکے۔ اب اگر فرض کیجئے آسمان وزمین میں دو خدا ہوں، تو اگر دونوں اسی شان کے ہوں گے، اس وقت دیکھنا یہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور علویات وسفلیات کی تدبیر دونوں کے کلی اتفاق سے ہوتی ہے یا گاہ بگاہ باہم اختلاف بھی ہو جاتا ہے۔ اتفاق کی صورت میں دو احتمال ہیں: یا تو اکیلے ایک سے کام نہیں چل سکتا تھا؛ اس لئے دونوں نے مل کر انتظام کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں میں سے ایک بھی کامل قدرت والا نہیں، اور اگر تنہا ایک سارے عالم کا کام کامل طور پر سر انجام دے سکتا تھا تو دوسرا بیکار ٹھہرا......۔

اور اگر اختلاف کی صورت فرض کریں تو لامحالہ مقابلہ میں ایک مغلوب ہو کر اپنے ارادہ اور تجویز کو چھوڑ بیٹھے گا تو وہ خدا نہ رہا، اور یا دونوں بالکل مساوی ومتوازی طاقت سے ایک دوسرے کے خلاف اپنے ارادے اور تجویز کو عمل میں لانا چاہیں گے تو اول تو (معاذ اللہ) خداؤں کی اس رسہ کشی میں سرے سے کوئی چیز موجود ہی نہ ہو سکے گی، اور موجود چیز پر زور آزمائی ہونے لگی، تو اس کش مکش میں ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گی۔ یہاں سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر آسمان وزمین میں دو خدا ہوتے تو آسمان وزمین کا یہ نظام کبھی کا درہم برہم ہو جاتا، ورنہ ایک خدا کا بیکار یا ناقص وعاجز ہونا لازم آتا جو خلاف مفروض ہے"۔ (فوائد عثمانی بر ترجمہ شیخ الہندؒ ۴۳۱)

اِسی بات کو قرآنِ کریم میں دوسری جگہ اِس طرح بیان کیا گیا:

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ، سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ. (المؤمنون: ۹۱)	اللہ نے کوئی بیٹا نہیں بنایا، اور نہ اس کے ساتھ کسی کا حکم چلے، یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم والا اپنی بنائی چیز کو، اور چڑھائی کرتا ایک پر ایک، اللہ نرالا ہے ان کی بتلائی باتوں سے۔

اِن مدلل آیات سے پتہ چلا کہ اللہ کی ذات وصفات میں کسی دوسرے کو شریک ماننا پرلے درجہ کی جہالت اور حماقت ہے، کوئی بھی عقل مند شخص اسے قبول نہیں کر سکتا، اسی لئے قرآنِ کریم نے یہاں تک فرمادیا کہ اللہ پر ایمان نہ لانے والے اور شرک وبت پرستی وغیرہ پر

جمنے والے لوگ دائرۂ انسانیت ہی سے خارج اور جانوروں اور چوپایوں کی صف میں کھڑے کیئے جانے کے لائق ہیں۔ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُوْنَ بِهَا. وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ. (الاعراف: ۱۷۹)

اور ہم نے پیدا کیئے دوزخ کے واسطے بہت سے جن اور آدمی، ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں، اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں، اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں، وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے؛ بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ، وہی لوگ ہیں غافل۔

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ. (الانفال: ۵۵)

اللہ کے یہاں سب جانداروں میں بدتر وہ ہیں جو منکر ہوئے پھر ایمان نہیں لائے۔

اور قرآن وحدیث میں جو جابجا شرک کو ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل سے نواز کر اتنی صلاحیت تو ہر عقل مند کو پہلے ہی سے عطا کردی ہے کہ وہ ذرا سی توجہ سے شرک کے گھناؤنے عقیدہ سے بچ سکتا ہے، اس نعمتِ عظمیٰ کے ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص شرک سے نہ بچے تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑا احسان فراموش اور غافل اور کون ہوسکتا ہے؟ ایسے شخص کو جتنی بھی سزا دی جائے کم ہے۔

دوسری فصل:

توحید کے درجات

مسند الہند، امام اکبر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عقیدۂ توحید کی تکمیل کے لئے چار درجوں کی توحید کا ماننا لازم ہے، اگر کسی بھی درجہ کی توحید میں ذرہ برابر بھی کمی رہ جائے گی تو انسان ہرگز ''موحد'' نہیں کہلایا جاسکتا، وہ چار درجے یہ ہیں:

(۱) توحیدِ ذات:- یعنی یہ ماننا کہ واجب الوجود ذات جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے، وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یہ بات اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے میں قطعاً نہیں پائی جاتی۔

(۲) توحیدِ خلق:- یعنی یہ تسلیم کرنا کہ آسمان وزمین، عرش وکرسی اور تمام مخلوقات کا خالق صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہے، صفت خلق میں اس کا کوئی سہیم وشریک نہیں ہے (اس کو ''توحید ربوبیت'' بھی کہتے ہیں)

(۳) توحیدِ تدبیر:- یعنی یہ یقین کرنا کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہوا ہے یا ہو رہا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے، ان سب کا چلانے والا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس نظام کو چلانے میں کسی غیر کو دور دور تک کوئی دخل نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کا خود مالک ہے، اس کے فیصلے کو کوئی روک نہیں سکتا۔

(۴) توحیدِ اُلوہیت:- یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو معبود بنانا ہرگز جائز نہیں ہے، اور ''توحیدِ تدبیر'' کے لئے ''توحیدِ

الوہیت'' لازم ہے، یعنی جو کائنات کو چلانے والا ہے بس وہی عبادت کے لائق ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ، مع رحمۃ اللہ الواسعۃ ۱/۵۹۰)

توحید کے درج بالا درجات میں سے اول دو درجے یعنی ''توحیدِ ذات'' اور ''توحیدِ خلق'' عام طور پر بہت سے مشرکین کے نزدیک بھی قابل قبول تھے، اور آج بھی اکثر مشرکین کا یہی حال ہے کہ وہ خالق تو صرف ایک ہی کو مانتے ہیں (جسے وہ اپنی زبان میں ''ایشور'' یا ''بھگوان'' وغیرہ کا نام دیتے ہیں) لیکن توحید کے تیسرے اور چوتھے درجے کو وہ ماننے پر نہ کل تیار تھے اور نہ آج تیار ہیں۔ حالاں کہ اُن کو مانے بغیرِ ایمان کا کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا۔ (شرح العقیدۃ الطحاویہ لا مام ابن ابی العز الدمشقی ۲۱)

دنیا میں مروجہ شرک کی قسمیں

دنیا میں جو شرک رائج ہے، وہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے وسیع مطالعہ کی روشنی میں بنیادی طور پر تین قسموں پر منقسم ہے:

(۱) ستارہ پرستی:- کچھ لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ آسمان پر نظر آنے والے چاند سورج اور ستاروں کے اثرات اور منافع روئے ارض پر آنکھوں سے نظر آتے ہیں، اس لئے انہوں نے ان ستاروں ہی کو معبود بنا ڈالا اور ان کی تصاویر بنا کر ان کی پوجا شروع کردی، اور حوادث عالم میں ان ستاروں کو مؤثر بالذات سمجھنے لگے (چناں چہ آج بھی ''سوریہ دیوتا'' اور ''چندر ما دیوتا'' کا تصور برادران وطن میں موجود ہے)

نیز قرآنِ کریم میں سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی قوم کے ستارہ پرست ہونے کا ذکر ہے، جس پر نہایت مؤثر انداز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نکیر فرمائی ہے۔

(دیکھئے: سورۂ انعام: ۷۶-۷۹)

بت پرستی اور مورتی پوجا

(۲) بہت سے مشرکین گوکہ تخلیق عالم میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت کے قائل ہیں؛ لیکن

انھوں نے اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اپنی دانست میں خود تراشیدہ مورتیوں کو وسیلہ بنا کر اُن کی عبادت جاری کر رکھی ہے، اور خدائے وحدہ لاشریک کو بھول بیٹھے ہیں، وہ اپنے اس عمل کی تائید میں عام طور پر تین باتیں کہتے ہیں:

الف:- اللہ تعالیٰ کے جو نیک بندے پہلے گذرے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں بہت مقرب تھے، جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے کچھ اختیارات سونپ دئے ہیں، (جیسے ہمارے ملک کے ہندو ''کالی دیوی'' کے لئے تعلیم کے اختیارات اور ''لکشمی دیوی'' کے لئے مالی اختیارات وغیرہ ثابت کرتے ہیں، گویا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے وزیروں کی پوری کابینہ بنادی ہے، نعوذ باللہ) اسی لئے ان کی پوجا کی جاتی ہے؛ تاکہ وہ ہمارے حق میں اپنے مفوضہ اختیارات استعمال کرسکیں۔

ب:- مشرکین کی زبانوں پر یہ بات بھی رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نہایت درجہ بلند و برتر ہے، ہم ضعیفوں کی وہاں تک رسائی براہِ راست نہیں ہوسکتی؛ اس لئے ہم ان گذرے ہوئے بزرگوں اور صالحین کا دامن پکڑتے ہیں؛ تاکہ اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرلیں۔ قرآنِ کریم میں ان کا یہ نظریہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ أَوْلِيَآءَ، مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى. (الزمر: ۳)

اور جنھوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو حمایتی بنا رکھا ہے (وہ کہتے ہیں) کہ ہم تو ان کو صرف اس لئے پوجتے ہیں؛ تاکہ وہ ہم کو اللہ کے قریبی درجہ میں پہنچادیں۔

گویا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اپنے مزعومہ معبودوں کی پرستش ضروری خیال کرتے ہیں اور جس طرح دنیا میں کسی وزیر اعظم تک بغیر پیش کار اور سکریٹری کے رسائی نہیں ہوتی، اسی طرح وہ سمجھتے ہیں کہ ان معبودوں کے بغیر اللہ تعالیٰ تک رسائی نہیں ہوسکتی، حالاں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں تصور سراسر جہالت پر مبنی ہے۔

ج:- بعض مشرکین کے نزدیک اللہ کے خاص بندے مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں، اورلوگوں کی فریادسن کر اسے حل کرانے میں سرگرم رہتے ہیں، انہی مخصوص بندوں کی طرف دل کو متوجہ رکھنے کے لئے اُن کی تصویریں تراشی گئی ہیں؛ تاکہ انہیں راضی کرکے اپنا کام نکالا جاسکے۔ تو شروع شروع میں یہ بت اصل نہ تھے؛ بلکہ وہ ''صالحین'' اصل مقصود تھے جن کی یہ تصویریں بنائی گئی تھیں، پھر بعد میں آنے والوں نے اصل سے قطع نظر کرکے انہی بتوں کو اصل معبود کا درجہ دے دیا۔ (حجۃ اللہ البالغۃ مع رحمۃ اللہ الواسعۃ ۱/۵۹۴-۵۹۵)

غور کیا جائے تو مشرکین کی یہ سب دلیلیں قطعاً لچر اور بودی ہیں، نہ تو اللہ تعالیٰ نے کسی فرد کو اختیارات منتقل فرمائے ہیں، اور نہ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کی سفارش ماننے پر مجبور ہیں؛ بلکہ اس کی اجازت کے بغیر کسی کو سفارش کے لئے دم مارنے کی ہمت بھی نہیں ہے، اور نہ ہی انبیاء یا اولیاء دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد نظام عالم میں متصرف ہیں، یہ سب خیالات محض جھوٹے، بے دلیل اور من گھڑت ہیں، اور اٹکل اور تخمینے کی باتیں ہیں، حقیقت سے ان کا دور دور تک واسطہ نہیں ہے، قرآنِ کریم میں جابجا مشرکین کے ان موہوم نظریات کی تردید کی گئی ہے، جو قرآنِ کریم کا مطالعہ کرنے والوں پر مخفی نہیں ہے۔

جیسا کہ سورۂ والنجم میں اِرشادِ خداوندی ہے:

اِنْ هِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَی الْاَنْفُسُ، وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰی. (النجم: ۲۳)

یہ صرف تمہارے اور تمہارے باپ دادوں کے رکھے ہوئے (فرضی) نام ہیں، جن کی کوئی دلیل اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمائی۔ یہ لوگ صرف گمان اور نفسانی خواہش کی پیروی کررہے ہیں، حالاں کہ اُن کے پاس اُن کے رب کی طرف سے ہدایت (قرآنِ کریم) آچکی ہے۔

قرآنِ کریم نے جو منظر کشی کی ہے، وہ بالکل واقعہ کے مطابق ہے۔ چناں چہ خود ہمارے

ملک میں قریبی زمانہ میں وفات پانے والے بعض سیاسی لیڈروں کے نام پر مندر بننے شروع ہوگئے ہیں، اور اُن کی تصاویر کی باقاعدہ پوجا ہونے لگی ہے، العیاذ باللہ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا ماننا

(۳) مشرکین کا تیسرا گروہ عیسائیوں کا ہے، انہوں نے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عام لوگوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا خاص مقرب خیال کرتے ہوئے کبھی تو ''ابن اللہ'' یعنی اللہ کا بیٹا کہہ دیا، اور کبھی خود ذاتِ خداوندی کو نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں حلول مان کر انہی پر ''اللہ'' کا اطلاق کردیا، اور پھر بعد میں آنے والوں نے سب باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے ان کو اللہ تعالیٰ کے حقیقی بیٹے کے درجے میں رکھ دیا، اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ان میں ثابت کردیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیم وہدایات کو پامال کرتے ہوئے خود انہیں ہی معاذ اللہ معبود ماننے لگے۔

چناں چہ قرآنِ پاک میں جابجا اس من گھڑت عقیدے کی پوری قوت کے ساتھ تردید کی گئی ہے، اور فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے بیوی ہی نہیں ہے، تو اَولاد کیسے ہوسکتی ہے؟ اور یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تو خود خالق ومالک اور موجود ہے، اُسے اَولاد کی کیا حاجت؟ وغیرہ۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ ۱/۵۹۶-۵۹۷)

دنیا میں شرک کے مظاہر

شرک کی اصل حقیقت یہ ہے کہ مدعو، یا مسجود کو کامل ترین اور بااختیار مان کر اس کے سامنے کمالِ تذلل کا اظہار کیا جائے، (جیسا کہ ایک عابد اپنے معبود کے سامنے کرتا ہے) اس معنی کے اعتبار سے شرک کا اصل تعلق تو دل کے اعتقاد سے ہے؛ لیکن کچھ ظاہری اعمال ایسے ہیں جو انسان کے دل میں موجود خیالات کے لئے علامت اور دلیل بنتے ہیں، اور انہیں دیکھ کر فاعل کے نظریات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے؛ لہٰذا اسلامی شریعت میں وہ تمام افعال جو شرک پر دلیل

بنتے ہوں انہیں مطلق حرام قرار دیا گیا ہے، اب ان افعال کے ساتھ اگر نعوذ باللہ دل کا عقیدہ بھی شامل ہو تو بلاشبہ آدمی مشرک ہو جائے گا اور اگر دلی عقیدہ نہ ہو پھر بھی یہ فعل حرام ہوگا؛ کیونکہ یقیناً یہ مشرکانہ فعل انجام کار مشرکانہ عقیدہ تک پہنچنے کا ذریعہ بن سکتا ہے، اور جو اعمال خاص طور پر شرک کے مظاہر قرار پاتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) غیر اللہ کو سجدہ کرنا: اگر یہ سجدۂ عبادت ہے تو بلاشبہ سجدہ کرنے والا مشرک ہے، اور اگر محض اظہار تعظیم کے لئے سجدہ کیا ہے پھر بھی یہ سجدہ عمل شرک ہونے کی بنا پر حرام ہے۔

(۲) اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے (غائب یا میت) غیر اللہ سے فریاد کرنا۔

(۳) کسی کو اللہ کا بیٹا یا بیٹی کہنا۔

(۴) کتاب اللہ کو چھوڑ کر علماء ومشائخ کو شریعت میں تحلیل وتحریم کا اختیار دینا (البتہ اگر علماء کو شریعت کا ترجمان سمجھ کر ان کی بات مانیں تو وہ اس میں داخل نہیں ہے)

(۵) غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کرنا (جیسا کہ بہت سے مندروں اور مزارات پر جانور چڑھائے اور ذبح کئے جاتے ہیں)

(۶) غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنا (جیسا کہ غیر مسلم لوگ سانڈ وغیرہ چھوڑ دیتے ہیں)

(۷) غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا (حتیٰ کہ نبی اور قرآنِ کریم کی قسم کھانا بھی جائز نہیں ہے)

(۸) غیر اللہ کی متعین جگہوں کا حج کرنا (چناں چہ بہت سے برادرانِ وطن بعض مندروں کا باقاعدہ طواف کرتے ہیں، اور اسی طرح اہل بدعت مسلمان بھی بہت سے مزارات کا چکر لگاتے ہیں اور خصوصاً عرس کے مواقع پر طرح طرح کی خرافات کرتے ہیں، یہ سب رسومات شریعت میں حرام ہیں)

(۹) غیر اللہ کی طرف بندگی کی نسبت کرنا، چناں چہ زمانۂ جاہلیت میں بتوں کی بندگی والے نام رکھنے کا بڑا رواج تھا، اور مسلمانوں میں بھی ''عبدالنبی'' اور ''غلام رسول'' جیسے ناموں کا رواج رہا ہے، جو پسندیدہ نہیں ہے (کیوں کہ بندگی صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے لئے زیب

دیتی ہے، کوئی بندہ دوسرے کا بندہ حقیقۃً نہیں ہوسکتا)

(اس مضمون کی مزید تفصیل شارح علوم ولی اللّٰہی حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کی معرکۃ الآراء کتاب ''رحمۃ اللہ الواسعۃ، شرح حجۃ اللہ البالغہ'' کے ۶۱۶-تا-۶۳۱ میں ملاحظہ فرمائیں)

تیسری فصل:

شرک کی بعض مروجہ صورتیں

علامہ احمد رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''مجالس الابرار'' میں شرک کی درج ذیل چھ قسمیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) شرکِ استقلال:- یعنی ایک یا زیادہ مستقل معبود اور خداؤں کو ماننا، جیسے: مجوسی (آتش پرست) خالق الخیر کو ''یزدان'' اور خالق الشر کو ''اَہرمن'' کہتے ہیں۔ اِسی طرح مشرکین اور ہندو متعدد معبود مانتے ہیں۔ اِس تصور کا قرآنِ کریم میں جا بجا بہت ہی مضبوط انداز میں رد کیا گیا ہے۔

(۲) شرکِ تبعیض/شرکِ تثلیث:- یعنی مثلاً ایک کے بجائے تین خداؤں کو ماننا، جیسے: نصاریٰ (عیسائی) اللہ تعالیٰ، حضرت مسیح علیہ السلام اور روح القدس یا حضرت مریمؑ اِن تینوں کے مجموعے کو ایک کہتے ہیں۔ جس سے اُنہوں نے ''تین ایک'' اور ''ایک تین'' کا فلسفہ اِیجاد کیا۔ قرآنِ کریم میں اِس نظریہ کی بھی پرزور انداز میں مذمت کی گئی ہے۔ اِرشادِ خداوندی ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَّاحِدٌ، وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. (المائدة: ۷۳)

اور بے شک وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے، حالاں کہ ایک معبودِ حقیقی کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور اگر وہ اپنی کہی ہوئی بات سے باز نہ آئے، تو اُن میں سے کفر پر قائم رہنے والوں کو ضرور بالضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔

اور دوسری جگہ فرمایا گیا:

وَلاَ تَقُوْلُوْا ثَلاَثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحَانَهٗ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلاً. (النساء: ۱۷۱)	اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں، اِس نظریہ سے باز آجاؤ، یہی تمہارے لئے بہتر ہوگا، بلاشبہ اللہ تو صرف ایک ہے۔ اُس کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو، آسمان وزمین میں جو کچھ ہے وہ سب اُسی کی ملک ہے، اور اللہ تعالیٰ کافی ہے کارساز۔

معلوم ہوا کہ تثلیث کا عقیدہ بھی سراسر غیر معقول اور قطعاً لچر ہے۔

(۳) شرکِ تقریب:- یعنی اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کرنے کے لئے کسی کو معبود بنا کر خوش کرنا۔ اِس کی تردید کرتے ہوئے قرآنِ کریم میں فرمایا گیا:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لاَ يَضُرُّهُمْ وَلاَ يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ. (یونس: ۱۸)	اور اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کی عبادت کرتے ہیں جو اُنہیں نہ نقصان پہنچا سکے اور نہ نفع، اور کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں (گویا اللہ کے پیش کار ہیں)

حالاں کہ مشرکین کا ان بتوں وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں سفارشی ماننا سراسر بے دلیل اور قطعاً من گھڑت ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ پر نہ تو کسی کا زور اور جبر چل سکتا ہے اور نہ ہی اُس کی اِجازت کے بغیر کسی کو سفارش کرنے کی مجال ہوسکتی ہے۔

سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد شیطان کی برابر یہ کوشش رہی کہ لوگوں کو اِسلام سے برگشتہ کردے؛ تاآں کہ اُس نے تلبیہ کے اندر یہ الفاظ شامل کرادئے:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لاَ	میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، میں

شَرِيُکَ لَکَ إِلَّا شَرِيُکًا هُوَ لَکَ تَمۡلِکُهٗ وَمَا مَلَکَهٗ.	حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، مگر تیرا وہ شریک جس کا تو ہی مالک ہے، اور وہ از خود مالک نہیں ہے۔

(گویا کہ اللہ تعالیٰ کے اختیار دینے کی وجہ سے وہ شریک بنایا گیا ہے، نعوذ باللہ منہ)

سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اِس تلبیہ کے ذریعہ شیطان نے پوری قوم کو اِسلام سے نکال کر شرک میں مبتلا کر دیا۔ (مجمع الزوائد ۳؍۲۲۳)

اور سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ مشرکین کے اِسی من گھڑت تلبیہ کے تناظر میں یہ آیت نازل ہوئی:

ضَرَبَ لَکُمۡ مَثَلاً مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ هَلۡ لَّکُمۡ مِنۡ مَّا مَلَکَتۡ اَيۡمَانُکُمۡ مِنۡ شُرَکَآءَ فِيۡ مَا رَزَقۡنَاکُمۡ فَاَنۡتُمۡ فِيۡهِ سَوَآءٌ تَخَافُوۡنَهُمۡ کَخِيۡفَتِکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ. (الروم: ۲۸)	اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر ہی سے ایک مثال بیان فرمائی ہے، بتاؤ کیا تمہارے غلام باندیاں ہماری دی ہوئی روزی میں تمہارے شریک ہیں؟ کہ تم سب اُس میں برابر ہو، اور تم اُن سے ایسا ہی خطرہ رکھو جیسا تم آپس میں رکھتے ہو۔

یعنی جب تم اپنے غلاموں کو جو تم جیسے ہی اِنسان ہیں، اپنے ساتھ برابر کا شریک نہیں مانتے، تو بھلا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کی کسی مخلوق کو کیسے شریک قرار دیا جا سکتا ہے؟ یہ تو بالکل خلافِ عقل بات ہے۔ (مجمع الزوائد ۳؍۲۲۳)

(۴) شرکِ تقلید:- یعنی باپ دادا یا بڑوں کی تقلید میں بلا سمجھے بوجھے شرک کا قائل ہونا۔ اِس پر نکیر کرتے ہوئے قرآن کریم میں فرمایا گیا:

قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَا اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ آبَاءَ نَا، اَوَ لَوۡ کَانَ آبَاؤُهُمۡ لاَ يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡئًا وَّلاَ يَهۡتَدُوۡنَ. (البقرة: ۱۷۰)	مشرکین کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اُسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء واَجداد کو پایا ہے، تو بھلا اگر چہ اُن کے باپ دادا کچھ نہ سمجھتے ہوں، اور سیدھا راستہ نہ جانتے ہوں۔

(یعنی ایسی گم کردہ راہوں کی پیروی کیسے درست اور معتبر ہوسکتی ہے؟)

اور قیامت کی منظر کشی کرتے ہوئے مشرکین کا یہ جملہ نقل کیا گیا:

وَقَالُوْا رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلاً. (الأحزاب: ٦٧)

اور (مشرکین قیامت میں) کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے بڑوں اور سرداروں کی بات مانی، پھر اُنہوں نے ہم کو راہِ حق سے گم راہ کردیا۔

(اہم تنبیہ:- واضح ہو کہ مشرکین کی تقلید تعصب یا جہالت پر مبنی ہونے کی وجہ سے شرک تھی، اِس کے بالمقابل ائمہ اربعہ کی تقلید کا مطلب یہ ہے کہ ”دلیل (قرآن وسنت) سے حکم سمجھنے کے بارے میں جانکار ائمہ اور علماء کی اتباع کرنا“ یہ تقلید ممنوع نہیں؛ بلکہ کم علم رکھنے والوں کے لئے پسندیدہ ہے، اور گمراہی سے بچنے کا ذریعہ ہے، جس کے دلائل خود نصوص میں موجود ہیں؛ لہٰذا اِس کا موازنہ مشرکین کی مذموم تقلید سے کرنا صحیح نہیں ہے)

(۵) شرکِ اَسباب:- یعنی اَسباب کو مؤثر حقیقی سمجھنا اور نظامِ غیبی کا قائل نہ ہونا۔ جیسے: کوئی بارشوں میں موسموں کی تاثیر کا قائل ہو اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت یا تصرف کو اُن میں نہ مانے۔

(٦) شرکِ اَغراض:- یعنی غیر اللہ کو خوش کرنے یا اُس سے مفاد حاصل کرنے کے لئے عبادت کرنا۔ (جیسے آج کل بعض فرقے اپنے مذہبی مقتداء کو سجدہ کرتے ہیں) (اِضافہ وتلخیص: مجالس الابرار ۱۵۰-۱۵۲ بحوالہ: بدر اللیالی شرح بدء الامالی، اِفادات: حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ شیخ الحدیث دار العلوم زکریا جنوبی افریقہ ۱/۴۱-۴۳)

عبادات کے اعتبار سے شرک کی چار تقسیمات

واضح ہو کہ عبادات خواہ بدنی ہوں یا مالی، قولی ہوں یا قلبی، سب صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں، اور غیر اللہ کے لئے کسی بھی طرح کی عبادت کرنا موجب شرک ہے۔ جس کی قدرے

تفصیل ذیل میں درج ہے:

(۱) مالی عبادات میں شرک:- یعنی غیر اللہ کے لئے نذر و منت وغیرہ ماننا، غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا، یا مٹھائی وغیرہ غیر اللہ کے نام پر تقسیم کرنا، جیسے کہا جائے کہ: فلاں بزرگ کے تقرب کے لئے یہ بکرا صدقہ کرتا ہوں۔ اِسے علماء نے ﴿مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ [المائدة: ۳] کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے۔

(۲) بدنی عبادات میں شرک:- یعنی غیر اللہ کے لئے رکوع یا سجدہ کرنا، اگر غیر اللہ کو متصرف مانے تو شرک ہے، ورنہ حرام ہے۔

سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: ''کیا ہم اپنے بھائی یا دوست سے ملاقات کے وقت جھک سکتے ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں''۔ پھر عرض کیا کہ: ''کیا مصافحہ کر سکتے ہیں؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں''۔ (ترمذی شریف/ باب ما جاء فی المصافحۃ حدیث: ۲۷۲۸)

دیکھئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''انحناء'' یعنی جھکنے سے منع فرمایا؛ اِس لئے کہ انحناء کا آخری درجہ سجدہ ہے، جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا. (الجن: ۱۸)	اور سجدہ کی جگہیں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، پس اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مت پکارا کرو۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ.	مت سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو؛ بلکہ اُس اللہ کو سجدہ کرو جس نے اُنہیں پیدا فرمایا ہے۔

(حم السجدة: ۳۷)

(۳) قولی عبادات میں شرک:- یعنی غیر اللہ کو مدد کے لئے پکارنا، یا اُن سے مدد

مانگنا، اِس کو شرکِ قولی یا شرک فی الدعاء کہتے ہیں؛ اگرچہ یہ عباداتِ بدنی میں شامل ہے؛ لیکن چوں کہ بہت سے لوگ غیر اللہ کے لئے قولی عبادات میں مبتلا ہیں؛ اِس لئے اِس کو مستقل عنوان سے ذکر کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔

درج ذیل آیات میں صراحۃً اِس سے منع کیا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمۡثَالُکُمۡ. (الأعراف: ١٩٤)

بلاشبہ جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو، وہ تم ہی جیسے اللہ کے بندے ہیں۔

نیز فرمایا گیا:

وَالَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مَا یَمۡلِکُوۡنَ مِنۡ قِطۡمِیۡرٍ. (الفاطر: ١٣)

اور اللہ کو چھوڑ کر تم جن سے فریاد کرتے ہو، وہ ایک کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں۔ (یعنی بالکل لاچار ہیں)

(۴) قلبی عبادات میں شرک:- یعنی دل میں کسی سے اِس طرح کا خوف یا اُمید رکھنا کہ اگر وہ ناراض ہوجائے تو مافوق الاسباب ضرر پہنچا دے گا، اور اگر خوش ہوجائے تو فائدہ اور خیر پہنچا دے گا، حالاں کہ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَکَیۡفَ اَخَافُ مَا اَشۡرَکۡتُمۡ وَلَا تَخَافُوۡنَ اَنَّکُمۡ اَشۡرَکۡتُمۡ بِاللّٰهِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِهٖ عَلَیۡکُمۡ سُلۡطَانًا، فَاَیُّ الۡفَرِیۡقَیۡنِ اَحَقُّ بِالۡاَمۡنِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ. (الأنعام: ٨١)

اور میں تمہارے (مقرر کردہ) شریکوں سے کیوں ڈروں؟ حالاں کہ تم اِس بات سے قطعاً خوف نہیں کھاتے کہ تم نے (اَز خود) اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسوں کو شریک بنا رکھا ہے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں اُتاری، پس دونوں فریقوں میں کون دل جمعی کا مستحق ہے، بولو اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

اور ایک جگہ اِرشاد فرمایا گیا:

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلاَ كَاشِفَ لَهٗ اِلاَّ هُوَ، وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. (الأنعام: ١٧)

اور اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائیں، تو اُس کے سوا اُسے کوئی ہٹا نہیں سکتا، اور اگر تمہارے ساتھ کسی خیر کا اِرادہ فرمائیں، تو وہ ہر چیز پر قادر ہیں۔

(مستفاد و تلخیص از: بدر اللیالی شرح بدء الامالی، افادات: حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ شیخ الحدیث دار العلوم زکریا جنوبی افریقہ ۱/۴۳-۴۵ مطبوعہ: اِدارۃ الصدیق ڈابھیل)

(اِس کے برخلاف اَسباب کے ذریعہ کسی کی مدد کرنا، یا سبب ظاہری کے طور پر کسی اِنسان سے مدد مانگنا یہ ممنوع نہیں ہے) (مرتب)

چوتھی فصل:

اللہ کی ذات وصفات سے متعلق ہمارا عقیدہ

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق ہمارا کیا عقیدہ ہونا چاہئے؟ اِس بارے میں بار بار استحضار کرنے اور مذاکرہ کرنے کی ضرورت ہے؛ تا کہ ایمان میں تازگی اور توحید میں مزید پختگی ہو سکے، اور فاسد افکار ونظریات کی تردید کی جا سکے۔

چناں چہ اِمام اعظم حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر معتبر ائمہ عظام نے علماء حق اہل سنت والجماعت کا توحید کے بارے میں جو موقف بیان فرمایا ہے اُس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ تن تنہا اور اکیلا ہے، اُس کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں۔ ﴿وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ، لَا اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ [البقرة: ١٦٣] ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ [الاخلاص: ١]

(۲) وہ سب سے بے نیاز ہے۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ، وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ [الفاطر: ١٥] ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ [الاخلاص: ٢]

(۳) وہ نہ خود جنا گیا اور نہ اُس سے کسی کی پیدائش ہوئی۔ ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ﴾ [الانعام، جزء آیت: ١٠١] ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ [الاخلاص: ٣]

(۴) اُس کا کوئی ہم جنس نہیں۔ ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ [الاخلاص: ٤]

(۵) وہ مخلوقات میں سے کسی چیز کے مشابہ نہیں۔ ﴿سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوۡنَ﴾ [الانعام: ۱۰۰]

(۶) اور مخلوقات میں سے بھی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے مشابہ نہیں۔ ﴿اَفَمَنۡ يَّخۡلُقُ كَمَنۡ لَّا يَخۡلُقُ، اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ﴾ [النحل: ۱۷] ﴿لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ﴾ [الشوریٰ: ۱۱]

(۷) وہ اپنی ذات وصفات کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡحَىُّ الۡقَيُّوۡمُ﴾ [البقرۃ: ۲۵۵] ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، كُلُّ شَىۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ﴾ [القصص: ۸۸] ﴿كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ. وَّيَبۡقٰى وَجۡهُ رَبِّكَ ذُو الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ﴾ [الرحمٰن: ۲۶-۲۷]

وقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ. (صحیح مسلم ۳۴۸/۲)

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ قدیمہ

ویسے تو اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا اِحاطہ کرنا کسی مخلوق کے بس میں نہیں ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے تمام کمالات کے ساتھ واجب الوجود ہے؛ تاہم ذہن سے قریب کرنے کے لئے علماء اہلِ سنت نے خاص طور پر درج ذیل آٹھ صفات کو بیان فرمایا ہے، جو صفاتِ ذاتیہ قدیمہ میں داخل ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) صفتِ حیات:- یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذاتی اور اَزلی صفتِ حیات سے ہمیشہ سے باحیات ہے اور ہمیشہ باحیات رہنے والا ہے۔ یہ صفت اُس میں کسی غیر کے سبب حاصل نہیں ہوئی؛ بلکہ وہ ذاتی طور پر ہمیشہ سے حیات کی صفت سے متصف ہے، اور ہمیشہ رہے گا، اُس پر موت طاری ہونا قطعاً محال ہے۔ ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡحَىُّ الۡقَيُّوۡمُ. لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوۡمٌ﴾ [البقرۃ: ۲۵۵] ﴿وَتَوَكَّلۡ عَلَى الۡحَىِّ الَّذِىۡ لَا يَمُوۡتُ﴾ [الفرقان، جزء آیت: ۵۸]

(۲) صفتِ قدرت:- یعنی اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ سے اپنی اَزلی اور اَبدی قدرت کی بنا پر

تمام کائنات پر مکمل قدرت واختیار اور اقتدار حاصل ہے، اور ایسا نہیں ہے کہ یہ قدرت پہلے نہ ہو، بعد میں حادث ہو؛ بلکہ ہمیشہ ہمیش سے وہ قادر مطلق ہے، اور قادر مطلق رہے گا۔ نہ تو کوئی اُس کے فیصلہ کو ٹال سکتا ہے اور نہ ہی اُسے کوئی عاجز کرسکتا ہے، زندگی اور موت پر صرف اسی کا اختیار ہے، کسی شئ کو عدم سے وجود میں لانا، یا موجود کو معدوم کرنا، پھر معدوم کو دوبارہ وجود میں لانا اُس کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ اِسی طرح مخلوق کو روزی دینا یا روزی میں کمی کرنا وغیرہ سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ [البقرة: ٢٠] ﴿قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ﴾ [آل عمران: ٤٠] ﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى، يُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَیِّ، ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾ [الانعام: ٩٥] ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ [هود، جزء آيت: ٦] ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَیْءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ، اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا﴾ [الفاطر: ٤٤]

(۳) صفتِ علم:- یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات کے اعتبار سے ہمیشہ سے تمام جزئیات وکلیات، موجودات ومعدومات، ممکنات وغیر ممکنات، کھلی ہوئی یا پوشیدہ، چھوٹی سے چھوٹی یا بڑی سے بڑی ہر چیز کا کامل ومکمل علم حاصل ہے، جس میں کمی بیشی، تغیر وتبدل کا کہیں سے کہیں تک کوئی امکان نہیں، اس کا علمِ یقینی کائنات کی ہر شئ کو محیط ہے۔

مغیبات کے تمام علوم کی چابی صرف اور صرف اُسی کے پاس ہے، اُس کے بتائے بغیر کسی کو علمِ یقینی براہِ راست بلاسبب ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا، حتیٰ کہ فرشتوں اور رسولوں کو بھی صرف اُسی قدر علم ہے جو اُنہیں اللہ تعالیٰ نے عطا کیا، اُس سے زائد ایک ذرہ بھی کسی کو اپنے طور پر نہیں مل سکتا۔ ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ، وَيَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ، وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ. وَهُوَ الَّذِیْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ﴾ [الانعام:

۵۹-۶۰] ﴿وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [المنافقون: ۱۱] ﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ [الحديد: ٤] ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ، وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ [الحجرات: ١٦] ﴿وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ [التغابن: ٤] ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ [الطلاق: ١٢] ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا. اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا﴾ [الجن: ٢٦-٢٧]

(اِسی سے معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کسی کو بھی ذاتی طور پر ''عالم الغیب'' کی صفت سے متصف نہیں کیا جا سکتا)

(۴) صفتِ کلام:- یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اَزل سے اَبد تک صفتِ کلام سے متصف ہے، اور کلام سے مراد دراصل وہ مافی الضمیر معانی ہیں، جو حروف اور آوازوں کے محتاج نہیں؛ تاہم اللہ تعالیٰ حسبِ ضرورت مخلوقات کے سامنے اپنی وحی کو براہِ راست یا بواسطہ ملائکہ حروف یا آواز کے ذریعہ حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ظاہر فرماتا ہے، گویا کہ اَصلاً کلامِ الٰہی اگرچہ اَصوات وحروف سے مبرا ہے؛ لیکن مخلوق کو سمجھانے کے لئے خود اللہ تعالیٰ نے اُسے حروف کا پیراہن عطا فرمایا ہے۔ اِس لئے اِس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ''قرآنِ مقدس'' اَلفاظ وحروف اور معانی دونوں اعتبار سے یقیناً اللہ رب العزت کا بےنظیر وبےمثال معجزانہ کلام ہے، جس میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں، اور مخلوق اُس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

﴿الٓمّٓ. ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ [البقرة: ١-٢] ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [البقرة: ٢٣] ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾

[البقرة: ١٦٤] ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا﴾ [النساء: ١٦٤] ﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ [بنی اسرائیل: ٨٨] ﴿سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَبٍّ رَّحِيمٍ﴾ [یس: ٥٨]

حضرت اِمام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کلامِ الٰہی قرآنِ کریم کا تعارف کراتے ہوئے بہت شاندار انداز میں تحریر فرماتے ہیں:

وَإِنَّ الْقُرْآنَ كَلَامُ اللّٰهِ، مِنْهُ بَدَا بِلَا كَيْفِيَّةٍ قَوْلًا، وَأَنْزَلَهُ عَلٰى رَسُولِهِ وَحْيًا، وَصَدَّقَهُ الْمُؤْمِنُونَ عَلٰى ذٰلِكَ حَقًّا، وَأَيْقَنُوا أَنَّهُ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى بِالْحَقِيقَةِ، لَيْسَ بِمَخْلُوقٍ كَكَلَامِ الْبَرِيَّةِ، فَمَنْ سَمِعَهُ فَزَعَمَ أَنَّهُ كَلَامُ الْبَشَرِ فَقَدْ كَفَرَ، وَقَدْ ذَمَّهُ اللّٰهُ وَعَابَهُ، وَأَوْعَدَهُ بِسَقَرَ، حَيْثُ قَالَ تَعَالٰى: ﴿سَأُصْلِيهِ سَقَرَ﴾ [المدثر: ٢٦] فَلَمَّا أَوْعَدَ اللّٰهُ بِسَقَرَ لِمَنْ قَالَ: ﴿إِنْ هٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾ [المدثر: ٢٥] عَلِمْنَا وَأَيْقَنَّا أَنَّهُ قَوْلُ خَالِقِ الْبَشَرِ، وَلَا يُشْبِهُ قَوْلَ الْبَشَرِ. (العقيدة الطحاوية ١٠٢ مؤسسة المختار القاهرة)

یقیناً قرآنِ پاک اللہ کا کلام ہے، جو اُس سے بلا کیف قولاً ظاہر ہوا، اور اُس نے اُس کو اپنے رسول پر وحی کے ذریعہ نازل فرمایا، اور اہل ایمان نے اُس کے حق ہونے کی تصدیق کی، اور اِس بات پر یقین کیا کہ وہ حقیقۃً اللہ ہی کا کلام ہے، وہ مخلوقات کے کلام کی طرح مخلوق نہیں ہے، پس جس نے قرآن سن کر یہ دعویٰ کیا کہ وہ اِنسان کا کلام ہے تو وہ کافر ہوگیا، اور ایسے شخص کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے مذمت اور تنقیص فرماتے ہوئے اُسے دہکتی ہوئی جہنم کی آگ کی وعید سنائی ہے۔ چناں چہ اِرشادِ خداوندی ہے کہ: ''میں اُسے دہکتی ہوئی آگ میں ڈالوں گا''۔ پس جب اُس شخص کے لئے جو یہ کہتا ہو کہ: ''قرآن تو صرف ایک اِنسان کی بات ہے'' اللہ نے جہنم کی وعید سنائی ہے تو ہم کو اِس بات کا یقین ہوگیا کہ یہ قرآنِ پاک اِنسانوں کے خالق کا کلام ہے، اور کسی مخلوق کے کلام کے مشابہ نہیں ہے۔

(۵) صفتِ سمع:- یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اپنی ذاتی صفت سماعت سے حروف اور آوازوں کا سننے والا ہے۔ جب کوئی سننے والا نہ تھا جب بھی وہ سننے والا تھا، اور جب مخلوق میں سے کوئی سننے والا نہ رہے گا، پھر بھی اللہ تعالیٰ سننے کی صفت سے متصف رہے گا، اس کی سماعت کا مدار نہ تو کسی عضو یا آلہ پر ہے، اور نہ وہ کسی سنانے والے یا سننے والے کا محتاج ہے۔ ﴿**لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ**﴾ [الشوریٰ: ۱۱]

(۶) صفتِ بصر:- یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کو دیکھنے والا ہے، اور اس کے دیکھنے کے لئے ان اَسباب کی قطعاً ضرورت نہیں ہے جو مخلوق کے دیکھنے کے لئے ضروری ہیں، مثلاً آنکھ کا ہونا، یا اُجالے کا ہونا وغیرہ؛ بلکہ اللہ تعالیٰ بلا کسی سبب کے ذاتی اعتبار سے صفت بصارت سے کامل طور پر متصف ہے، کوئی بھی چیز اس کے لئے بصارت سے کہیں بھی مانع نہیں ہے۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ کا بصیر ہونا نظر آنے والی شیٔ کے وجود پر موقوف نہیں ہے؛ بلکہ جب کائنات میں کوئی شیٔ قابل رویت نہ تھی، جب بھی اللہ تعالیٰ کامل طور پر دیکھنے والا تھا، اور اگر اُس کی ذات کے علاوہ کچھ بھی نہ رہے پھر بھی وہ دیکھنے کی صفت سے متصف رہے گا۔ الغرض وہ اَزل سے اَبد تک بلا کسی مانع کے مکمل طور پر دیکھنے والا رہا ہے اور رہے گا۔ ﴿**لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ**﴾ [الشوریٰ: ۱۱]

(۷) صفتِ ارادہ ومشیت:- یعنی کائنات میں پیش آمدہ مثبت یا منفی اُمور سب کے سب اللہ تعالیٰ کی صفت اِرادہ ومشیت کے تابع ہیں، اُس کے اِرادہ کے بغیر کائنات میں کوئی بھی عمل (خواہ وہ شریعت میں مطلوب ہو یا ممنوع) ہرگز وجود میں نہیں آسکتا، حتیٰ کہ ساری مخلوقات اگر کسی ساکن ذرہ کو متحرک کرنے یا متحرک کو ساکن کرنے کی کوشش کریں، تو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اِرادہ کے بغیر وہ حرکت یا سکون پر قطعاً قادر نہ ہوں گے۔ ﴿**وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ**﴾ [البقرۃ: ۲۵۳] ﴿**اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ**﴾ [ھود: ۱۰۷] ﴿**وَمَا تَشَآؤُنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ**﴾ [التکویر: ۲۹]

البتہ اہل سنت والجماعت اِرادۂ خداوندی کو دو قسموں پر تقسیم فرماتے ہیں:

الف:- اِرادۂ قدریہ کونیہ:- اِس اِرادہ کا تعلق مطلقاً بلا تفصیل تمام حوادث عالم سے ہے، چاہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اعمال وحوادث پسندیدہ ہوں یا نہ ہوں۔ اِس اِرادہ کے اعتبار سے ہدایت اور ضلالت دونوں اِرادۂ خداوندی کے تابع ہیں، جیسا کہ اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ، وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ﴾ [الانعام: ۱۲۵] (پس اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینے کا ارادہ فرماتا ہے، اُس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے، اور جس کو گمراہ رکھنا چاہتا ہے، اُس کے سینہ کو تنگ کردیتا ہے، گویا کہ وہ آسمان میں چڑھا چلا جارہا ہو)

ب:- اِرادۂ دینیہ اَمریہ شرعیہ:- یعنی ان اُمور کا اِرادہ فرمانا جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور محبت متعلق ہے، جیسے فرمایا گیا: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرۃ: ۱۸۵) (اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ سہولت کا اِرادہ کرتا ہے، اور وہ تم کو تنگی میں نہیں ڈالنا چاہتا)

پس شریعت کے تمام مامورات اُسی اِرادہ کے تحت آتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا سبب ہیں۔ (مستفاد: شرحِ فقہ اکبر لملاعلی القاری ۴۰ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۸) صفتِ تکوین:- یعنی کائنات کو وجود بخشنے یا معدوم کرنے یا قائم رکھنے وغیرہ میں اَصلاً اللہ تعالیٰ کی صفتِ تکوین مؤثر ہوتی ہے، یہ صفت اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ قدیمہ میں داخل ہے، اور اِس کے تحت وہ تمام اُمور آتے ہیں جو تدبیر کائنات اور ایجاد سے متعلق ہیں، مثلاً مخلوق کی روزی کا اِنتظام، یا زندگی اور موت، یا دیگر انقلاباتِ عالم وغیرہ، اِس لئے اِس صفت کو صفتِ فعلیہ سے بھی تعبیر کردیا جاتا ہے۔ ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا﴾ [الفرقان، جزء آیت: ۲] ﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ [یس: ۸۲]

(اور صفاتِ ذاتیہ اور فعلیہ میں ایک باریک فرق یہ ہے کہ صفاتِ ذاتیہ کے مفہومِ مخالف کو ذاتِ خداوندی کی طرف منسوب کرنا محال ہے، مثلاً اللہ تبارک وتعالیٰ صفتِ حیات سے

متصف ہے، تو اُس کو کبھی بھی موت سے متصف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اِسی طرح اُس کی طرف علم کے بجائے جہل یا قدرت کے بجائے عاجزی کی نسبت ہرگز نہیں کی جا سکتی۔ اِس کے برخلاف صفاتِ فعلیہ میں اَفعالِ متعارضہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً زندہ کرنا اور موت دینا، عطا کرنا اور محروم کرنا، رحم کرنا اور غصہ کرنا؛ یہ سب باتیں بیک وقت اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو سکتی ہیں، اور اِن سب کا تعلق صفتِ تکوین سے ہے۔ (مستفاد: بدر اللیالی شرح بدء الامالی فی علم العقائد ۱/۱۲۵-۱۲۷، اِفادات: مولانا مفتی رضاء الحق مدظلہ دار العلوم زکریا افریقہ)

پانچویں فصل:

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ متشابہات

گذشتہ صفحات میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ظاہرہ قدیمہ کے متعلق گفتگو آچکی ہے، جن کے ظاہری معنی پر بلاتاویل اِیمان لانا لازم ہے۔ اُن کے علاوہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی کچھ ایسی صفات بھی ثابت ہیں، جو دیکھنے میں مخلوق کے اَحوال واَوصاف کے مشابہ معلوم ہوتی ہیں؛ لیکن اُن کا ذاتِ خداوندی پر اِنطباق سمجھ میں نہیں آتا، تو ایسی صفات کو ''صفاتِ متشابہات'' کہا جاتا ہے، دراَصل اُن کی حقیقی مراد بندوں کی نظر سے مخفی اور مبہم رکھی گئی ہے، اور اِس میں بھی بندوں کا گویا کہ ایک طرح کا امتحان ہے کہ دیکھیں وہ اِن باتوں کو بلا چون وچرا قبول کرتے ہیں یا خواہ مخواہ درپئے تاویل ہوتے ہیں، جیسا کہ کج فکر لوگوں کا طریقہ ہے۔ (جس کا ذکر سورۂ آل عمران آیت: ۷ میں کیا گیا ہے)

اَب اَولاً اِس طرح کی صفات کے بارے میں علماء حق کا اُصولی نظریہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ چناں چہ حضرت اِمام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ''العقیدۃ الطحاویۃ'' میں فرماتے ہیں:

فَإِنَّ رَبَّنَا جَلَّ وَعَلاَ، مَوْصُوْفٌ بِصِفَاتِ الْوَحْدَانِيَّةِ، مَنْعُوْتٌ بِنُعُوْتِ الْفَرْدَانِيَّةِ، لَيْسَ فِيْ مَعْنَاهُ أَحَدٌ مِنَ الْبَرِيَّةِ، وَتَعَالىٰ عَنِ الْحُدُوْدِ وَالْغَايَاتِ وَالْأَرْكَانِ	ہمارا رب تبارک وتعالیٰ وحدانیت کی صفات سے متصف اور یکتائی کی خوبیوں سے آراستہ ہے، کسی مخلوق میں اس جیسی بات نہیں پائی جاتی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات حدود، انتہاء، اَعضاء وجوارح اور اَسباب وآلات سے بہت بلند

وَالْأَعْضَاءِ وَالْأَدَوَاتِ، لاَ تَحْوِيهِ الْجِهَاتُ السِّتُّ كَسَائِرِ الْمُبْتَدَعَاتِ. (العقيدة الطحاوية ۱۵۳- ۱۵۴ مؤسسة المختار للنشر والتوزيع القاهرة)

ہے۔ دنیا کی شش جہات اُسے گھیر نہیں سکتیں، جیسا کہ دیگر مخلوقات وحوادث ان میں گھرے ہوئے ہیں۔

پس جب بھی صفاتِ متشابہات پر گفتگو ہو، تو درج بالا موقف کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

صفاتِ متشابہات کی قدرے تفصیل

قرآن وحدیث میں جو صفاتِ متشابہات آئی ہیں اُن میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا چہرہ (وجہ) ہونا:- متعدد نصوص میں اللہ تعالیٰ کے لئے ''وجہ'' یعنی چہرہ کا اِثبات کیا گیا ہے (حالاں کہ مخلوقات میں وجہ کا جو تصور ہے؛ کہ وہ ایک جزوِ بدن ہوتا ہے، وہ خالق میں قطعاً متصور نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ جسم اور اعضاء جسم سے پوری طرح منزہ ہے)۔ ﴿اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ [البقرة، جزء آيت: ۱۱۵] ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾ [القصص: ۸۸] ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ. وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ﴾ [الرحمٰن: ۲۶-۲۷] قال النبي صلى الله عليه وسلم عن ربه عزوجل: حجابه النور ولو كشفه لأحرقت سبحات وجهه ما انتهى إليه بصره من خلقه. (مسلم شريف ۹۹/۱)

(۲) اللہ تعالیٰ کا نفس ہونا:- ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ﴾ [آل عمران: ۲۸] ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ [الانعام: ۵۴] ﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ﴾ [طٰه: ۴۱]

(۲) اللہ تعالیٰ کا ہاتھ (ید) ہونا:- قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہونا بھی ثابت ہے۔ اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ﴾ [الفتح، جزء آيت: ۱۰] ﴿قَالَ يَآ اِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ......﴾ [ص، جزء آيت: ۷۵]

(۳) اللہ تعالیٰ کی آنکھ (عین) ہونا:- ﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا......﴾ [ھود، جزء آیت: ۳۷] ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا ......﴾ [الطور، جزء آیت: ٤٨]

(۴) اللہ تعالیٰ کا پاؤں (قدم) ہونا:- عن أنس بن مالك رضي الله عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: يلقىٰ في النار، وتقول: هل من مزيد حتىٰ يضع قدمه فيه، فتقول: قط قط. (صحيح البخاري، تفسير سورة ق ٧١٩/٢ حديث: ٤٨٤٨)

(۵) اللہ تعالیٰ کی پنڈلی (ساق) ہونا:- ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ﴾ [القلم: ٤٢]

(۶) اللہ تعالیٰ کی مٹھی ہونا:- ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ [الزمر: ٦٧] عن ابن عمر رضي الله عنهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن الله تبارك وتعالىٰ يقبض الأرض يوم القيامة ويطوي السموات بيمينه، ثم يقول: أنا الملك. (صحيح البخاري، كتاب التوحيد / الباب التاسع عشر ١١٠٢ حديث: ٧٤١٢)

(۷) اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا:- ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ [طٰه: ٥] ﴿وَالْمَلَكُ عَلٰى اَرْجَآئِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ﴾ [الحاقة: ١٧]

(۸) اللہ تعالیٰ کا بندوں کے قریب ہونا:- ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ﴾ [البقرة، جزء آیت: ١٨٦] ﴿يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ﴾ [النساء: ١٠٨] ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ [التوبة: ١٠٨] ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ [النحل: ١٢٨] ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ [الحديد: ٤] ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ [ق، جزء آیت: ١٦]

قال النبي صلى الله عليه وسلم: يا أيها الناس! اربعوا على انفسكم فإنكم لا تدعون أصمَّ ولا غائبًا، إنه معكم، إنه سميعٌ قريبٌ. (صحيح البخاري ٤٢٠/١)

(۹) اللہ تعالیٰ کا نزول فرمانا:- ﴿وَجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا﴾ [الفجر: ٢٢] ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّأْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ﴾ [البقرة: ٢١٠] عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ينزل ربنا تبارك وتعالىٰ كل ليلة إلى السماء الدنيا، حتى يبقى ثلث الليل الآخر. (صحيح البخاري ٥٣/١)

(۹) اللہ تعالیٰ کا ضحک فرمانا:- في حديث ابن مسعود الطويل: ...... "فقالوا مم تضحک يا رسول الله فقال من ضحک رب العالمين". (صحيح مسلم / باب إثبات الشفاعة ١٠٥/١)

درج بالا اور ان جیسی صفات کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ یہ صفات بعینہٖ اسی طرح کی ہیں جیسے مخلوقات میں پائی جاتی ہیں، (جیسا کہ فرقہ مشبہ ومجسمہ کا قول ہے) تو یہ اللہ تعالیٰ کو مخلوقات سے تشبیہ دینے کے مرادف ہوگا، جو آیاتِ تنزیہہ (مثلاً: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ یعنی اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں ہے) کے معارض اور سراسر غلط اور نا قابل قبول ہے۔

اور اگر اِن صفات کا محض مخلوقات کے ظاہری مشابہ ہونے کی بنیاد پر سرے سے اِنکار کردیا جائے، اور زبردستی اِن اَلفاظ کی دوراَز کار تاویلات کی جائیں (جیسا کہ معتزلہ اور خوارج نے کیا) تو یہ بھی کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

اِس لئے علماءِ حق اہل سنت والجماعت نے اِس نازک معاملہ میں انتہائی محتاط رخ اپناتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو مخلوق کی صفات سے قطعاً منزہ اور مبرا قرار دیتے ہوئے اس کی تمام صفاتِ متشابہات پر بلا تفصیل وتاویل اِیمان لایا جائے۔ اور اِس بارے میں جھک بازی سے قطعاً پرہیز کیا جائے؛ کیوں کہ اِن صفات کی حقیقت تک رسائی ہماری ناقص فہم کے لئے ممکن نہیں ہے۔

اِمام اعظم حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ کا قول

چناں چہ امام الفقہاء والمتکلمین حضرت اِمام اَعظم اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَلَهُ يَدٌ وَوَجْهٌ وَنَفْسٌ، كَمَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ فِي الْقُرْآنِ، فَمَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ فِي الْقُرْآنِ مِنْ ذِكْرِ الْوَجْهِ وَالْيَدِ وَالنَّفْسِ فَهُوَ لَهُ صِفَاتٌ بِلاَ كَيْفٍ. وَلاَ يُقَالُ: إِنَّ يَدَهُ قُدْرَتُهُ أَوْ نِعْمَتُهُ؛ لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالَ الصِّفَةِ، وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْقَدْرِ وَالْاِعْتِزَالِ؛ وَلٰكِنْ يَدُهُ صِفَتُهُ بِلاَ كَيْفٍ. (شرح الفقه الأكبر ٦٦-٦٧ دار الكتب العلمية بيروت)

اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ، چہرہ اور نفس ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔ پس جس چہرے، ہاتھ اور نفس کا اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں خود ذکر فرمایا تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، جن کو بلا کیف تسلیم کرنا ہے، اور (حتمی طور پر) یہ نہ کہا جائے کہ اُس کے ہاتھ ہونے سے اُس کی قدرت یا انعام مراد ہے؛ کیوں کہ اِس طرح کی تاویل کرنے سے ایک صفت ثابتہ کا باطل کرنا لازم آئے گا، جو قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے؛ لیکن یہ کہا جائے گا کہ اللہ کا ہاتھ ہونا اس کی اَزلی صفت ہے، اور اس کی صورت وکیفیت کا ہمیں کچھ پتہ نہیں۔

حضرت اِمام صاحبؒ کا یہ قول علماء اہل سنت کے موقف کی بہترین ترجمانی ہے۔

حضرت امام مالکؒ کا اِرشاد

اور اِمام دار الہجرۃ حضرت اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے جب اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے بہت ہی محتاط، جامع اور فیصلہ کن جواب مرحمت فرمایا، جو اِس موضوع پر حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ، وَالْكَيْفُ

استواء کے معنی معلوم ہیں؛ لیکن استواء کی

مَجْهُولٌ، وَالسُّوَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ، وَالْإِيْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ. (شرح الفقه الأكبر ۷۰ بيروت)

کیفیت مجہول ہے، اور اِس بارے میں قیل وقال کرنا بدعت ہے، اور اس پر بلا کیف اِیمان لانا واجب ہے۔

بلاشبہ اِس معاملہ میں اَمن کا راستہ یہی ہے کہ آدمی بلاچون وچرا اِن صفات کو تسلیم کرلے، اور کسی طرح کی موشگافی نہ کرے؛ تاہم بعض مواقع ایسے آسکتے ہیں جہاں عوام کو سمجھانے کے لئے ایسی تاویل کی ضرورت ہو جو بے تکلف سمجھی جاسکے، تو اِمکان کے درجہ میں حتمی نہ سمجھتے ہوئے مناسب تاویل کی بھی گنجائش ہے، اور یہ بھی بعض موقعوں پر سلف سے ثابت ہے۔

اِس بارے میں محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ علماء اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کا موقف بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

قَوْلُنَا فِي أَمْثَالِ تِلْكَ الْآيَاتِ ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ إِنَّا نُؤْمِنُ بِهَا وَلَا يُقَالُ كَيْفَ، وَنُؤْمِنُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى مُتَعَالٍ وَمُنَزَّهٌ مِّنْ صِفَاتِ الْمَخْلُوْقِيْنَ وَعَنْ سِمَاتِ النَّقْصِ وَالْحُدُوْثِ كَمَا هُوَ رَأْيُ قُدَمَائِنَا. وَأَمَّا مَا قَالَ الْمُتَأَخِّرُوْنَ مِنْ أَئِمَّتِنَا فِي تِلْكَ الْآيَاتِ يُؤَوِّلُوْنَهَا بِتَأْوِيْلَاتٍ صَحِيْحَةٍ سَائِغَةٍ فِي اللُّغَةِ وَالشَّرْعِ بِأَنَّهٗ يُمْكِنُ أَنْ يَكُوْنَ الْمُرَادُ مِنَ

﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ جیسی آیات کے سلسلہ میں ہمارا موقف یہ ہے کہ ہم اُن پر ایمان لاتے ہیں اور کیفیت بیان نہیں کرتے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ مخلوقات کی تمام صفات اور نقص وحدوث کی تمام علامات سے پاک وبرتر ہے، جیسا کہ یہی ہمارے اَسلاف متقدمین کی رائے ہے؛ البتہ وہ صحیح تاویلات جو ہمارے متأخرین ائمہ اور علماء کوتاہ فہموں کو سمجھانے کے لئے کرتے ہیں، جن کی اَز روئے لغت وشریعت گنجائش ہے، مثلاً یہ کہ ''استواء'' سے استیلاء مراد ہونا ممکن ہے، اور ''ید'' سے قدرت کا مراد

اَلْاِسْتِوَاءِ اَلْاِسْتِیْلاءُ، وَمِنَ الْیَدِ اَلْقُدْرَۃُ إِلیٰ غَیْرِ ذٰلِکَ تَقْرِیْبًا إِلیٰ أَفْهَامِ الْقَاصِرِیْنَ فَحَقٌّ أَیْضًا عِنْدَنَا. وَأَمَّا الْجِهَۃُ وَالْمَکَانُ فَلاَ نُجَوِّزُ إِثْبَاتَهَا لَهٗ تَعَالیٰ وَنَقُوْلُ: إِنَّهٗ تَعَالیٰ مُنَزَّهٌ وَمُتَعَالٍ عَنْهُمَا وَعَنْ جَمِیْعِ سِمَاتِ الْحُدُوْثِ.

ہونا ممکن ہے؛ وغیرہ، تو ہمارے نزدیک یہ بھی حق ہے؛ البتہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہت یا مکان تو ہم اللہ تعالیٰ کے لئے ان کے اثبات کو جائز نہیں کہتے، اور ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے اور حدوث کی تمام علامات سے پاک اور بری ہے۔

(المھند علی المفند ۸ بحوالہ: علماءِ دیوبند کے عقائد ونظریات ۴۵-۴۶)

اِس عبارت میں بہت جامع انداز میں اپنا مدعیٰ پیش کردیا گیا ہے، جو یاد رکھنے کے قابل ہے۔

ایک ضروری تنبیہ

گذشتہ تحریر میں صفاتِ متشابہ کے بارے میں اہل حق کی تعبیرات کا جو خلاصہ بیان ہوا، اُس سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ شانِ رب العالمین کے بارے میں کوئی بھی ایسی تعبیر مناسب نہیں، جس سے ذرہ برابر بھی مخلوق سے مشابہت کا پہلو نکلتا ہو، اِسی لئے اللہ تعالیٰ کے لئے جہت ثابت کرنے والی بعض نصوص سے بھی علماء نے وہی معنی مراد لئے ہیں جو خالق کے شایانِ شان ہیں، اور ظاہری طور پر بھی اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی جہت ثابت نہیں مانی، مثلاً ہمارے عرف میں اللہ تعالیٰ کو ’’اوپر والا‘‘ کہہ دیا جاتا ہے، یا یہ سمجھا جاتا ہے کہ ’’اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے‘‘۔ اور ایک حدیث میں بھی ہے کہ ایک مظلومہ باندی سے آپ نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں پوچھا تو اُس نے آسمان کی طرف اِشارہ کیا تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس باندی کو مؤمنہ قرار دیا۔ (مسلم شریف، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ ۱/۲۰۴ حدیث: ۵۳۷) تو اِس طرح کے اَلفاظ سے یہ معنی مراد نہیں لئے جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرح آسمان پر تشریف فرما ہیں (اور زمین

میں نہیں ہیں) بلکہ اس سے معنوی سربلندی مراد لی جائے گی، اور یہ کہا جائے گا کہ ''اُوپر والا'' کہنے سے اللہ تعالیٰ کا سب سے بلند و برتر ہونا مراد ہے نہ کہ کسی جہت میں ہونا۔

اِس کے برخلاف بعض علماء متأخرین (جن میں علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے پرجوش حامیان پیش پیش ہیں) نے عام علماء اہل سنت سے ذرا مختلف انداز اپناتے ہوئے ''اللہ تعالیٰ کے بلا کیف آسمان پر ہونے'' کی تعبیر اپنائی، جو اگرچہ ''بلا کیف'' کی قید کی وجہ سے صریح تشبیہ تو نہیں ہے؛ لیکن تشبیہ کا راستہ کھولنے والی ضرور ہے۔ اگر یہ حضرات اس تعبیر کو اپنی حد تک رکھتے تو کوئی بڑی بات نہ تھی؛ لیکن خرابی یہاں سے شروع ہوئی کہ اُنہوں نے اپنی خودساختہ تعبیر پر اس قدر اصرار کرنا شروع کردیا کہ جو اسے تسلیم نہ کرے اُس کو گمراہ اور اہل سنت والجماعت سے خارج قرار دینے لگے، اور متکلمین اشاعرہ وماتریدیہ کی تعبیرات پر کھلی نکیر کرنے لگے، اور سلف کا نام لے کر سلف کی محتاط تعبیر سے انحراف کرنے لگے، جس کی وجہ سے خواہ مخواہ اُمت میں انتشار پیدا ہوا، اور بالکل بلا وجہ آپس میں تفسیق وتضلیل کا بازار گرم ہوا، جو عدل وانصاف اور احتیاط سے بعید اور سراسر نادانی ہے۔ اتنے نازک موضوع کو عوام میں اٹھانا اور اس کی بنیاد پر فتنہ انگیزی کرنا ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ پوری اُمت کو ہدایت پر استقامت عطا فرمائیں، اور ہر طرح کے فتنوں سے محفوظ رکھیں، آمین۔

نوٹ:- درج بالا مضمون کی تیاری میں ذیل کی کتابوں سے خاص طور پر استفادہ کیا گیا:

(۱) شرحِ فقہ اکبر/ ملا علی قاریؒ (۲) العقیدۃ الطحاویۃ/ امام طحاویؒ (۳) المہند علی المفند/ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ (۴) عقائد الاسلام/ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ (۵) عقائد اہل سنت والجماعت/ مولانا مفتی محمد طارق مسعود (۶) علماء دیوبند کے عقائد ونظریات/ مفتی توحید عالم قاسمی بجنوری (۷) بدر اللیالی شرح بدء الامالی/ مولانا مفتی رضاء الحق صاحب افریقہ (۸) درسِ ترمذی جلد دوم/ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی (۹) اسلامی عقائد/ ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب۔

نواں باب:

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ○

[الفرقان، جزء آیت: ٦٨]

قتلِ ناحق سے اجتناب

پہلی فصل:

قتلِ ناحق؛ سنگین جرم

’’عبادالرحمٰن‘‘ کی صفات میں ایک اہم صفت یہ بھی ہے کہ وہ کسی بھی شخص کو ناحق قتل کرنے سے پوری طرح اجتناب کرتے ہیں۔ چناں چہ فرمایا گیا:

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ [الفرقان: ٦٨]

یعنی رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو کسی بھی جان کو جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے، اُسے حق کے بغیر قتل نہیں کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ اِسلام کی نظر میں کسی انسان کا ناحق قتل انتہائی سنگین جرم ہے۔ قرآنِ پاک میں ایک بے قصور شخص کے قتل کو پوری اِنسانیت کے قتل کے درجہ میں قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ اِرشادِ خداوندی ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا. (المائدة: ٣٢)

اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ بات لکھ دی تھی کہ جو کوئی جان کے عوض کے بغیر کسی جان کو قتل کرے یا بغیر فساد کے (قتل کرے) تو اس نے سب لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ اور جس نے ایک جان کو زندہ رکھا تو گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ رکھا۔

نیز سورۂ بنی اسرائیل میں اِرشاد فرمایا گیا:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطَانًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا. (بنی اسرائیل: ۳۳)

اور جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اُس کو ناحق قتل نہ کرو، اور جو شخص ظلماً قتل کر دیا جائے تو ہم نے اُس کے وارث کو (قاتل سے قصاص لینے کا) اختیار دیا ہے، تو اُس کو بھی چاہئے کہ قتل کرنے میں زیادتی نہ کرے، اور بلاشبہ اُس کی (من جانب شریعت قصاص کا اختیار دے کر) مدد کی گئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر دنیا میں بلاوجہ قتل وقتال کا سلسلہ جاری ہو تو کسی شخص کی بھی جان محفوظ نہیں رہتی اور خوف ودہشت کی وجہ سے زندگی کا سکون کافور ہو جاتا ہے، پس امن وامان کی بقا کے لئے خوں ریزی سے بچنا ناگزیر ہے، اسی لئے احادیثِ شریفہ میں قتل ناحق کو ''اکبرالکبائر'' (سب سے بڑے) گناہوں میں شامل کیا گیا ہے۔

خادم رسول سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ: اَلإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَوْلُ الزُّوْرِ، أَوْ قَالَ: شَهَادَةُ الزُّوْرِ. (صحيح البخاري ۱۱۵/۲ رقم: ٦٨٧١)

سب سے بڑے گناہ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، کسی انسان کو ناحق قتل کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، اور جھوٹی بات یا جھوٹی گواہی دینا۔

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَنْ يَزَالَ الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ مِنْ دِيْنِهٖ مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا. (صحيح البخاري ۱۰۱٤/۲ رقم: ٦٨٦٢)

ایمان والا شخص برابر اپنے دین کے بارے میں وسعت وسہولت میں رہتا ہے جب تک کہ خون حرام میں مبتلا نہ ہو۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ:

أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ ثَلَاثَةٌ: مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ، وَمُبْتَغٍ فِي الإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِئٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهْرِيقَ دَمَهُ.

(صحيح البخاري، كتاب الديات / باب من طلب دم امرئ بغير حق ١٠١٦/٢ رقم: ٦٨٨٢)

اللہ کے نزدیک تین آدمی سب سے زیادہ مبغوض ہیں: (۱) حدودِ حرم میں بددینی پھیلانے والا (۲) اِسلام میں جاہلیت کی باتیں جاری کرنے والا (۳) خون ریزی کے لئے کسی کے ناحق قتل کا مطالبہ کرنے والا۔

اور حضرت امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے:

إِنَّ وَرَطَاتِ الْأُمُورِ الَّتِي لَا مَخْرَجَ لِمَنْ أَوْقَعَ نَفْسَهُ فِيهَا: سَفْكُ الدَّمِ الْحَرَامِ بِغَيْرِ حِلِّهِ.

(صحيح البخاري ١٠١٤/٢ رقم: ٦٨٦٢)

یقیناً وہ ہلاکت خیز معاملات جن میں مبتلا ہونے کے بعد نکلنے کا کوئی راستہ نہیں رہتا، ان میں شرعی اجازت کے بغیر محترم خون کا بہانا بھی ہے۔

ان اَحادیث سے قتل ناحق کی برائی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

دنیا میں سب سے پہلے قتل کرنے والے پر گناہوں کا بوجھ

قرآن پاک میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا ذکر ہے کہ نکاح کے معاملہ میں حسد کی بنیاد پر قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کردیا تھا، جو دنیا میں سب سے پہلا قتل کا واقعہ تھا، اس جرم عظیم کی پاداش میں قیامت تک جتنے بھی ناحق قتل ہوں گے، اس کے وبال میں قابیل بھی شریک ہوگا، چناں چہ بخاری ومسلم میں سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا:

لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى

دنیا میں جب بھی کہیں کسی کا ظلماً قتل ہوتا ہے تو

ابْنِ آدَمَ الْاَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا؛ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ. (صحيح البخاري ۲/۱۰۱٤ رقم: ٦٨٦٧، صحيح مسلم ۲/٦۰ رقم: ١٦٧٧)

اس کا وبال حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلے بیٹے (قابیل) پر بھی ہوتا ہے؛ کیوں کہ اُس نے دنیا میں سب سے پہلے قتل کا ارتکاب کیا۔

اور بعض تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم برزخ میں قابیل کے لئے یہ سزا مقرر کی گئی ہے کہ پنڈلی کو ران کے ساتھ جوڑ کر اُسے اُلٹا لٹکایا گیا، اور اُس کا چہرہ سورج کی طرف رہتا ہے، جیسے جیسے سورج چلتا ہے اُس کا چہرہ بھی گھمایا جاتا رہتا ہے (تاکہ اُس کی تپش اُسے مسلسل محسوس ہوتی رہے) (ذکرہ مجاہد وابن جبیر) (تفسیر ابن کثیر مکمل ۴۱۷ دارالسلام ریاض)

اَولین قاتل کے لئے اتنی سنگین سزا کی وجہ یہ ہے کہ ناحق خون کا اَثر صرف مقتول تک نہیں رہتا؛ بلکہ اگلی نسلوں تک اُس کے مضر اَثرات منتقل ہوتے ہیں۔ اور جب جس کو موقع ملتا ہے وہ خون کا بدلہ لے لیتا ہے، کتنے ہی خاندان سلسلہ در سلسلہ خوں ریزیوں کی نذر ہوکر فنا ہوگئے اور قصۂ پارینہ بن چکے ہیں۔

مؤمن کو قتل کرنے کا گناہ

ویسے تو ہر بے قصور انسان کا قتل گناہ عظیم ہے؛ لیکن خاص طور پر صاحب ایمان کا قتل زیادہ بڑا گناہ ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيْمًا. (النساء: ۹۳)

جس نے جان بوجھ کر کسی مؤمن کو قتل کیا اس کا بدلہ جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے، اور اللہ نے اس کے لئے زبردست عذاب تیار کیا ہے۔

اِس آیت میں کئی وعیدیں ایک ساتھ ذکر کی گئی ہیں: (۱) جہنم کی آگ (۲) پھر اُس میں لمبی مدت تک رہنا (۳) پھر اللہ کا غضب ہونا (۴) پھر اللہ کی پھٹکار ہونا (۵) اور عذاب عظیم کا

تیار کیا جانا۔

واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے اگر ایک وعید بھی ہوتی تو ڈرنے کے لئے کافی تھی، مگر یہاں اللہ تعالیٰ کے غضب کو ایسا جوش آیا کہ پانچ وعیدیں ایک جگہ پر جمع کردی گئی ہیں، **اللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔**

نیز حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ. (صحيح البخاري ١٢/١ رقم: ٤٨، صحيح مسلم ٥٨/١ رقم: ٦٤)

مسلمان کو برا بھلا کہنا گناہ ہے اور اس کو قتل کرنا کفریہ عمل ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَتْلُ مُؤْمِنٍ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ زَوَالِ الدُّنْيَا. (سنن النسائي ١٦٢/٢ رقم: ٣٩٩٢، سنن الترمذي ٢٥٩/١)

اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مؤمن کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کے فنا ہوجانے سے بھی بڑھ کر ہے۔

اور مسند احمد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے پیغمبر علیہ السلام کا یہ ارشاد منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَغْفِرَهٗ إِلَّا الرَّجُلُ يَمُوْتُ كَافِرًا، أَوِ الرَّجُلُ يَقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا. (مسند أحمد ١٦٩٠٧، نسائي ١٦٢/٢ رقم: ٣٩٩٠، ومثله في سنن أبي داؤد ٥٨٧/٢)

ہر گناہ کے بارے میں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیں گے سوائے اس شخص کے جو کفر کی حالت میں مرے یا وہ شخص جو کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے۔

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

لَوْ أَنَّ أَهْلَ سَمَاوَاتِهِ وَأَهْلَ أَرْضِهِ اِشْتَرَكُوْا فِيْ دَمِ مُؤْمِنٍ لَأَدْخَلَهُمُ النَّارَ. (الزواجر عن البيهقي ١٥٠، كذا في سنن الترمذي رقم: ١٣٩٨، الترغيب رقم: ٣٧١٣)

اگر آسمان اور زمین میں سب رہنے والے کسی ایک مسلمان کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ (اس جرم کی سزا میں) ان سب کو جہنم میں داخل فرمادیں گے۔

اور ایک ضعیف روایت میں ہے کہ: ''اگر کسی شخص نے ایک آدھ کلمہ کے ذریعہ بھی کسی قاتل کی مدد کی، تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں وہ اس حال میں پہنچے گا کہ اس کی پیشانی پر یہ لکھا ہوگا کہ: ''یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحم سے مایوس ہے''۔ (سنن ابن ماجہ حدیث: ۲۶۲۰، الزواجر ۱۵۱)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

لَا تَرْجِعُوا بَعْدِيْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ. (صحيح البخاري ١٠١٤/٢ رقم: ٦٨٦٨، صحيح مسلم ٥٨/١)

میرے (دنیا سے پردہ فرمانے کے) بعد کافر (کافروں جیسے کام کرنے والے) مت بن جانا کہ تم میں سے بعض لوگ دوسروں کی گردنیں اُڑاتے پھریں۔

اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا فَاغْتَبَطَ بِقَتْلِهِ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا. (جامع المهلكات ٨١، سنن أبي داؤد ٥٨٧/٢ رقم: ٤٢٧١)

جو شخص کسی مسلمان کو قتل کر کے خوش ہو تو اللہ تعالیٰ اس شخص کی نفل یا فرض کوئی بھی عبادت قبول نہ فرمائیں گے۔

علامہ غسائیؒ نے فرمایا کہ: ''اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں جو شخص اپنے کو حق پر سمجھتے ہوئے دوسرے کو ناحق قتل کرے، تو ایسا شخص اپنے فعل بد پر مطمئن رہتا ہے اور اسے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی''۔ (الزواجر ۱۵۲)

اور سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

لاَ يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰـهِ إِلَّا بِإِحْدىٰ ثَلاَثٍ: اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالثَّيِّبُ الزَّانِيْ، وَالْمُفَارِقُ لِدِيْنِهٖ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ. (صحيح البخاري ١٠١٦/٢ رقم: ٦٨٧٨، صحيح مسلم ٦٠/٢ رقم: ١٦٧٦، سنن الترمذي ٢٥٩/١ رقم: ٤٧٣٠، سنن النسائي ٢٣٧/٢)

جو مسلمان شخص اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دیتا ہو اس کا خون صرف تین میں سے ایک بات پائے جانے پر ہی حلال ہوسکتا ہے: (۱) جان کا بدلہ جان یعنی قصاص (۲) شادی شدہ زنا کار (جس کے جرم کا شرعاً ثبوت ہوجائے) (۳) اور دینِ اِسلام سے مرتد ہونے اور ملتِ اسلامیہ سے الگ ہوجانے والا۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ باغیوں کے محاصرہ کی وجہ سے اپنے گھر میں محصور تھے، اور باغیوں کی طرف سے اُنہیں قتل کی دھمکیاں دی جارہی تھیں، تو ایک روز آپ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ:

''آخر کس بنیاد پر تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟ میں نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تین وجوہات کے علاوہ کسی بھی سبب سے کسی مسلمان کا قتل حلال نہیں ہے: (۱) شادی شدہ آزاد زنا کار جس پر ثبوت کے بعد سنگ ساری کی سزا جاری ہوگی (۲) کسی مؤمن کو جان بوجھ کر

قتل کرنے والا کہ اُس سے قصاص لیا جائے گا (۳) وہ مرتد شخص جو اِسلام لانے کے بعد اِسلام چھوڑ دے، پس میں نہ تو اِسلام کی حالت میں بدکاری کا مرتکب ہوا، نہ ہی اسلام سے قبل جاہلیت کے زمانہ میں یہ برائی کی، اور نہ ہی میں نے کسی کو قتل کیا کہ اُس کا قصاص مجھ سے لیا جائے، اور نہ ہی میں اِسلام لانے کے بعد مرتد ہوا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں''۔ (مسند احمد/ بتحقیق احمد شاکر ۱/ ۳۵۸ رقم: ۴۵۲ دار الحدیث القاہرہ)

درج بالا اَحادیث میں جن تین لوگوں کے خون حلال ہونے کا ذکر ہے، اس کے بارے میں یاد رکھنا چاہئے کہ اس کا تعلق حدود و قصاص سے ہے، جس کو جاری کرنے کا اختیار کسی فرد کو نہیں ہوتا؛ بلکہ اسلامی حکومت کو ہوتا ہے، پس اسلامی حکومت اگر ثبوت اور شرائط پائے جانے کے بعد سزا جاری کرے تو یہ عمل دیگر لوگوں کے لئے عبرت کا سبب بن کر معاشرہ میں امن و امان اور جان و مال کے تحفظ کا ذریعہ بن جاتا ہے؛ لیکن اگر حکومت کے بجائے افراد کو سزا جاری کرنے یا بدلہ لینے کا اختیار دیا جائے گا تو خون ریزی ختم نہیں ہوگی؛ بلکہ اور بڑھ جائے گی۔

دوسری فصل:

مسلمان کی جان محفوظ ہے

بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں قبیلہ جہینہ کی ایک شاخ کی طرف پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاد کے لئے روانہ فرمایا، تو ہم نے اس قوم پر صبح کے وقت اچانک حملہ کرکے شکست دے دی، اسی دوران میں نے اور ایک انصاری صحابی نے ایک کافر شخص کو گھیر لیا، تو وہ شخص بول اٹھا کہ: ''لا الٰہ الا اللہ''، تو یہ سن کر انصاری ساتھی نے تو ہاتھ کھینچ لئے، مگر میں نے اپنے نیزے سے اُس پر حملہ کیا، یہاں تک کہ اُسے مار ڈالا، جب ہم مدینہ منورہ واپس آئے تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس واقعہ کی خبر ملی، تو آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ: ''اُسامہ! تم نے اس کو کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کر ڈالا''؟ میں نے عرض کیا کہ ''حضرت! وہ تو جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا تھا''۔ مگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بار بار یہی ارشاد فرماتے رہے کہ ''تم نے اُس کو کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کر دیا''؟ یہاں تک کہ میں تمنا کرنے لگا کہ اس سے پہلے میں اسلام ہی نہ لاتا؛ (بلکہ آج ہی اسلام لاتا؛ تاکہ اسلام کی وجہ سے پہلے کی کوتاہیاں معاف ہوجاتیں) (بخاری شریف حدیث: ۶۸۷۲، فتح الباری ۲۴۱/۱۲)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جو شخص ظاہراً اسلام کا اقرار کرے، تو بھی اس کی جان محفوظ ہوجاتی ہے، اور محض اس گمان میں کہ وہ اندرونی طور پر مسلمان نہ ہو، اس پر ہتھیار اُٹھانا جائز نہیں رہتا۔

ایک مؤمن کی عظمت اللہ کے نزدیک "کعبۂ مقدسہ" سے بڑھ کر ہے

ایک صاحبِ ایمان کی عزت وحرمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کا طواف فرمارہے تھے، تو آپ نے کعبۂ مشرفہ کو مخاطب بنا کر یہ کلمات ارشاد فرمائے:

مَا أَطْيَبَكِ وَأَطْيَبَ رِيحَكِ وَمَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ حُرْمَةً مِنْكِ مَالِهِ وَدَمِهِ وَأَنْ نَظُنَّ بِهِ إِلَّا خَيْراً. (سنن ابن ماجة ٢٨٢ رقم: ٣٩٣٢، الزواجر: ١٥١)

تو کتنا عمدہ ہے اور تیری مہک کیسی شاندار ہے، اور تو کتنا عظیم ہے اور تیری حرمت کتنی بلند ہے (مگر) قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، یقیناً مؤمن کے جان اور مال کی عزت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری عزت سے زیادہ ہے، اور (ہمیں یہ حکم ہے کہ) ہم مؤمن کے بارے میں بس اچھا ہی گمان رکھا کریں۔

دیکھئے ایک طرف یہ حدیث ہے، دوسری طرف ہمارے معاشرہ کا حال ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر قتل وغارت تک نوبت پہنچ جاتی ہے، اور آئے دن اخبارات اس طرح کی اندوہ ناک خبروں سے بھرے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک دوسرے کی خیرخواہی کی توفیق عطا فرمائیں، اور ہر سطح پر امن وامان کی دولت سے نوازیں، آمین۔

ایک مؤمن کے قاتل کا عبرت ناک انجام

شارح بخاری علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت نبی اکرم علیہ السلام نے فدک کے علاقہ میں گھوڑ سواروں کی ایک جماعت بھیجی، اُنہوں نے مخالفین پر حملہ کیا، تو اُن کفار میں ایک شخص "مرداس فدکیؓ" تھے، وہ رات میں اپنے ساتھیوں سے الگ ہوگئے اور اُنہوں نے یہ کہا کہ میں تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے ساتھیوں سے

ملنے جارہا ہوں، تو اُس پر ایک مسلمان شخص کی نظر پڑگئی اور وہ اس پر حملہ آور ہوا، ''مرداس'' نے کہا کہ ''میں تو ایمان لاچکا ہوں'' مگر اس مسلمان نے پھر بھی اسے قتل کردیا، جب یہ بات پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ: ''کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا''؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعد میں ''مرداس'' کے قاتل کا انتقال ہوا، تو لوگوں نے اس کو دفن کردیا؛ لیکن صبح کو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کی لاش قبر کے باہر نکلی پڑی ہے، پھر دوبارہ دفن کردیا، اگلے دن پھر لاش باہر پڑی ملی، کئی مرتبہ ایسے ہی ہوا، تو جاکر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوری صورتِ حال بیان کی، تو آپ نے فرمایا کہ ''اسے دو پہاڑوں کے درمیان کسی وادی میں ڈال آؤ''، اور پھر ارشاد ہوا کہ ''زمین تو اس سے بھی بدتر آدمی کو قبول کرلیتی ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کو تمہیں عبرت دلانا مقصود ہے''۔ (فتح الباری ۱۲/۲۴۰ بیروت)

مطلب یہ ہے کہ مؤمن کو قتل کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس قاتل کو زمین بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی، اور کبھی کبھی عام لوگوں کے سامنے بھی اس کا اظہار کرادیا جاتا ہے؛ تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔

لڑائی کے وقت آپس میں ہتھیار نہ اٹھائیں

آپسی تنازعہ میں ہتھیاروں کا جانبین سے استعمال شریعت میں جائز نہیں، نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے:

مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا. (مسلم شریف ۱/۶۹ رقم: ۹۸)

جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اور اِس طرح لڑنے والوں میں سے کوئی مارا بھی جائے تو وہ بھی سزا سے بچ نہیں پائے گا۔ حضرت اَحنف بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود پیغمبر علیہ السلام کو اِرشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جو دو مسلمان آپس میں تلوار کے ذریعہ مدمقابل ہوں، تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہوں گے'' اِس پر میں نے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! قاتل کا تو جہنمی ہونا سمجھ

میں آتا ہے؛ لیکن مقتول کا کیا قصور ہے''؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّــهُ كَــانَ حَـرِيْـصًــا عَلٰى قَتْلِ صَاحِبِهٖ. (بخاري شريف ۹/۱ رقم: ۳۱)

وہ بھی اپنے مدمقابل کو قتل کرنا چاہ رہا تھا۔

عام طور پر خوں ریز لڑائیوں میں ہر فریق دوسرے کو جان سے مارنے کا اِرادہ کرتا ہے، ایسے سب لوگوں کے لئے یہ حدیث موجبِ عبرت ہے؛ لہٰذا اپنے سب نزاعات آپسی مذاکرات سے حل کرنے چاہئیں اور اپنی طرف سے فتنہ وفساد کی اِبتداء نہیں کرنی چاہئے۔

تیسری فصل:

غیر مسلم ذمی کا قتل بھی حرام ہے

جس طرح مسلمانوں کا آپس میں قتل حرام ہے، اِسی طرح اِسلامی یا جمہوری ملکوں میں رہنے والے بے قصور غیر مسلم شہریوں کا قتل بھی شریعت میں ہرگز جائز نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ أَرْبَعِيْنَ عَامًا. (صحيح البخاري ٤٤٨/١ رقم: ٣١٦٦)

جو شخص کسی ذمی کافر کو (بلاوجہ) قتل کردے تو وہ جنت کی خوشبو پانے سے محروم رہے گا، اگرچہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ جنت کی خوشبو ستر سال کی مسافت سے اور بعض میں ہے کہ سو سال کی مسافت سے اور بعض میں ہے کہ پانچ سو سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے، اور یہ خوشبو محسوس کرنے میں مسافت کا فرق لوگوں کے حالات اور مراتب کے اعتبار سے ہے، یعنی اعلیٰ مرتبہ والے لوگ زیادہ دور سے جنت کی مہک محسوس کریں گے، الیٰ آخرہ۔ (سنن النسائی ۲/۲۴۱ رقم: ۴۷۵۸، سنن الترمذی ۱/۲۵۹، الزواجر ۲/۱۵۳، الترغیب والترہیب مکمل ص: ۶۲۹-۶۳۰)

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذمیوں کے بارے میں اِرشاد فرمایا:

أَلاَ مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوْ أَنْقَصَهُ أَوْ

خبردار! جس نے کسی ذمی پر ظلم کیا، یا اُسے نقصان

كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ، فَأَنَا حَجِيْجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (سنن أبي داؤد ٢/٤٣٣)

پہنچایا، یا طاقت سے زیادہ کا اُسے مکلّف بنایا یا اُس کا مال اُس کی خوش دلی کے بغیر لیا، تو میں قیامت کے دن اُس کی طرف سے حجت کرنے والا ہوں گا۔

لہٰذا جو مسلمان اسلامی یا جمہوری ملکوں میں رہتے ہیں، اُنہیں غیر مسلموں کے ساتھ اَمن واَمان کے ساتھ رہنا چاہئے، اور جذبات میں آکر کوئی ایسا عمل نہیں کرنا چاہئے، جس سے دین پر حرف آئے، اور اِسلامی تعلیمات کی پامالی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینی ہدایات پر پوری طرح عمل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

تنگ دستی کے اندیشہ سے بچوں کا قتل

دنیا میں ہر زمانہ میں یہ باطل تصور پایا جاتا رہا ہے کہ آبادی کی کثرت اور آدمیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد دنیا میں رزق کی تنگی اور فقر وفاقہ کی بڑی وجہ ہے، اِسی لئے بعض لوگ پیدا ہوتے ہی اَولاد کو محض اِس خطرے سے قتل کردیتے تھے کہ اُنہیں کون کھلائے پلائے گا؟ تو اِسلام نے اِس جاہلانہ اور ظالمانہ نظریہ کی کھل کر تردید کی، اور سراپا اِنسانیت نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے اِس عمل کو بڑا جرم قرار دیا، اور معصوم جانوں کی حفاظت کی تاکید فرمائی، چناں چہ سورۂ بنی اسرائیل میں اِرشاد فرمایا گیا:

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ، نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ، اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيْرًا. (بنی اسرائیل: ۳۱)

اور مت قتل کرو اپنے بچوں کو بھک مری کے ڈر سے، ہم ہی اُن کو اور تمہیں روزی دیتے ہیں، یقیناً اُن بچوں کا قتل بڑی غلطی ہے۔

اِسی طرح جب مؤمن خواتین سے بیعت کرنے کا حکم آیا تو اس میں خاص طور پر اُن سے اس کا بھی عہد لیا گیا کہ وہ اپنے بچوں کو (کسی بھی وجہ سے) قتل نہ کریں۔ اِرشادِ خداوندی ہے:

يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى اَنْ لاَ يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلاَ يَسْرِقْنَ وَلاَ يَزْنِيْنَ وَلاَ يَقْتُلْنَ اَوْلاَدَهُنَّ وَلاَ يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِيْنَهُ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلاَ يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (الممتحنة: ۱۲)

اے نبی! جب آپ کے پاس مؤمن عورتیں اِس بات پر بیعت لینے کے لئے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی اور چوری نہ کریں گی اور بدکاری نہ کریں گی اور اپنے بچوں کو قتل نہ کریں گی، اور نہ کسی پر ایسا بہتان باندھیں گی جسے خود اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے گڑھیں گی، اور نہ ہی کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی، تو آپ اُن کو بیعت فرمالیجئے، اور اُن کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیجئے، یقیناً اللہ تعالیٰ بہت مغفرت فرمانے والے اورمہربان ہیں۔

اِس سے اِسلام کی رحمت عامہ کا اَندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

جھوٹی غیرت کے نام پر بچوں کا قتل

اِسی طرح زمانۂ جاہلیت کی سفاکانہ رسومات میں یہ بات بھی تھی کہ محض اس غیرت میں کہ اگر ہمارے یہاں بچی کی پیدائش ہو اور وہ بڑی عمر کو پہنچے، تو اُس کی شادی کرنی پڑے گی، اور کس کو اپنا داماد بنانا پڑے گا، تو صرف اِسی جھوٹی قابلِ لعنت غیرت کے ڈر سے اپنی بچیوں کو پیدائش کے بعد زندہ درگور کردیا کرتے تھے، اور عام طور پر کفار ومشرکین بچیوں کی پیدائش کو بہت ہی معیوب سمجھا کرتے تھے، اس کی منظر کشی قرآنِ کریم میں اِس طرح کی گئی ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيْمٌ. يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْءِ مَا

اور جب خوش خبری ملے ان میں کسی کو بیٹی کی تو سارے دن اس کا منہ سیاہ رہے، اور دل میں گھٹتا رہے لوگوں سے اس خوش خبری کی برائی

بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ. (النحل: ۵۸-۵۹)

کے مارے چھپتا پھرے۔ (اب) اس کو رہنے دے ذلت قبول کر کے، یا اس کو داب دے مٹی میں۔

بلا شبہ بچیوں کا یہ قتل ایک عظیم اِنسانی اَلمیہ اور بدترین ظالمانہ عمل تھا، جسے شیطانِ لعین نے لوگوں کے سامنے مزین کر کے پیش کیا تھا؛ تاکہ اِنسانیت کو تار تار کیا جا سکے۔ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا:

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ. (الانعام: ۱۳۷)

اور اِسی طرح بہت سے مشرکین کی نگاہ میں اُن کے شریکوں (شیاطین) نے اُن کے بچوں کے قتل کو مزین کر دیا؛ تاکہ اُن کو برباد کریں اور اُن پر اُن کے دین کو غط ربود کر دیں۔

لیکن اِسلام نے اِس بے ہودہ اور وحشیانہ رسم پر سختی سے نکیر کی اور اُسے جڑ سے مٹا دیا کہ دورِ اِسلام میں کوئی شخص اِس گھناؤنی حرکت کا روادار نہ رہا۔

جاہلیت جدیدہ میں بچیوں کا قتل عام

لیکن آج ذرا اَپنے معاشرہ پر نظر ڈالیں تو اِس نئے دورِ جاہلیت میں بھی جا بجا رحم مادر میں بچیوں کے قتل عام کا یہ ''نفع بخش کاروبار'' نام نہاد اَمن پسندوں کی ناک تلے پوری قوت سے پروان چڑھتا نظر آئے گا۔ قانونی بندشوں کے باوجود اَلٹرا ساؤنڈ کے ذریعہ جنین کے جنس کی شناخت کر کے کتنے ہی والدین بے رحمی کے ساتھ مادہ جنین کا اِسقاط کر کے اپنی شقاوت قلبی اور قساوت کا کھلا ثبوت دیتے ہیں۔ بے شک آج یہ ''معصوم جان'' دنیا کی عدالت میں انصاف پاسکنے پر قادر نہیں؛ لیکن احکم الحاکمین کے دربار میں جب مقدمہ پیش ہوگا اور قاتل ڈاکٹروں کے ساتھ بے رحم والدین بھی مجرموں کی صف میں کھڑے ہوں گے تب اِس بہیمانہ جرم کی سنگینی کا احساس ہوگا۔

اِسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے اِس اِنسانیت سوز اور وحشیانہ حرکت پر انتہائی مؤثر آواز بلند کی؛ چناں چہ قرآن پاک میں میدانِ محشر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ، بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ. (التکویر: ۸)

اور جب گاڑی ہوئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ میں قتل ہوئی؟

یعنی قیامت کے دن جب یہ زندہ درگور کی ہوئی بچی بارگاہِ ارحم الراحمین میں فریاد کرے گی، اور اپنے بے قصور ہونے کو بیان کرے گی، تو اس وقت کا منظر یقیناً دل دہلانے والا ہوگا۔

❖

دسواں باب:

وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ○
يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ○

[الفرقان، جزء آیت: ٦٨-٦٩]

بدکاری سے اجتناب

پہلی فصل:

بدکاری سے پرہیز

رحمٰن کے خاص بندوں کی ایک اہم پہچان یہ ہے کہ وہ بڑے پاک باز اور عفت مآب ہوتے ہیں، اور زنا اور بدکاری سے دور اور نفور رہتے ہیں۔ چناں چہ اُن کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿وَلَا يَزْنُوْنَ﴾ [الفرقان، جزء آیت: ٦٨] (یعنی وہ زنا نہیں کرتے) غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ''زنا'' ایسا گھناؤنا جرم ہے جو متفقہ طور پر ہر مہذب سماج کی نظر میں بدترین عیب قرار دیا گیا ہے۔ یہ ایسا گناہ ہے جو دنیا میں فتنہ وفساد کا سب سے بڑا سبب ہے، یہ اِنسانیت کی پیشانی پر سب سے بڑا داغ ہے، اور لوگوں کی عزت وشرافت کی پامالی کی سب سے بڑی وجہ ہے، کوئی بھی شریف اِنسان کبھی بھی اِس جرم کو گوارا نہیں کرسکتا، اور جس معاشرہ میں بدکاری عام ہوجاتی ہے وہاں سے اِنسانی اَقدار کا جنازہ نکل جاتا ہے، اور حیوانیت پھیل جاتی ہے۔

اِس لئے اِسلام نے اِنسانیت کے تحفظ و بقا اور معاشرہ میں اَمن وسکون کے استحکام کے لئے بدکاری کے تمام راستوں کو بند کرنے پر زور دیا ہے، اور عفت وعصمت کی حفاظت کی نہایت تاکید کی ہے۔

عفت وعصمت کی حفاظت پر بشارتیں

چناں چہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مؤمنون میں فلاح یاب اہلِ ایمان کی صفات کے ضمن میں اِرشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ.	اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، مگر
اِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ	اپنی بیویوں اور باندیوں پر کہ ان پر کچھ ملامت

أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ. فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ. (المؤمنون: ۵-۷)

نہیں، اور جو اس کے علاوہ طلب کرے تو وہی لوگ حد سے گذرنے والے ہیں۔

پھر اَخیر میں اِن صفات اَپنانے والوں کے لئے یہ بشارت سنائی:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ. الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ. هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. (المؤمنون: ۱۰-۱۱)

یہی لوگ وارث ہیں جو فردوس (جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ) کی میراث پائیں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اور سورۂ احزاب میں مسلمان مردوں اور عورتوں کی صفات میں ''شرم گاہوں کی حفاظت کرنے کی صفت'' کو شامل کیا گیا اور اخیر میں فرمایا گیا:

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا. (الاحزاب: ۳۵)

اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

اسی طرح سورۂ معارج میں بھی سورۂ مومنون والی صفات بیان کر کے یہ مژدۂ جاں فزا سنایا گیا:

اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ. (المعارج: ۳۵)

وہی لوگ باغوں میں ہوں گے عزت سے۔

اور سورۂ تحریم میں ایمان والی عورتوں کی قدردانی اور تعریف فرماتے ہوئے حضرت مریم بتول (طاہرہ وطیبہ رضی اللہ عنہا) کا جب ذکر فرمایا گیا تو سب سے پہلے ان کی عفت مآبی کو بیان فرمایا، چناں چہ اِرشاد ہوا:

وَمَرْيَمَ ابْنَةَ عِمْرَانَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا

اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی، پھر ہم نے اس میں پھونک دی ایک اپنی روح اور وہ اپنے پروردگار کے کلمات

وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ. (التحریم: ۱۲)

اور اس کی کتابوں کی تصدیق کرتی رہی اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی۔

اِن آیتوں کو پڑھنے سے یقیناً یہ ذہن بنتا ہے کہ انسان کو وقتی حرام لذت میں پڑ کر آخرت کی ان عظیم نعمتوں سے اپنے کو ہرگز محروم نہ کرنا چاہئے، اور یقیناً عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ جائے، اور اگر کبھی اس بارے میں کوتاہی ہوجائے تو فوراً سچی توبہ کرے اور ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کا طالب ہو، تو اس کو ضرور بخشش سے نوازا جائے گا۔

دوسری فصل:

اَحادیثِ شریفہ میں عفت مآبی پر اِنعام کا وعدہ

اِسی طرح محسن اِنسانیت سید الاولین والآخرین سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع بموقع اُمت کو شرم وحیا اختیار کرنے اور فواحش ومنکرات سے پوری طرح بچنے کی تعلیم دی اور عفت مآبی پر عظیم الشان اِنعامات کے وعدے فرمائے۔ چند اَحادیثِ شریفہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) سیدنا حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''جو شخص مجھ سے چھ باتوں کی ضمانت لے لے، میں اُس کے لئے جنت کی ضمانت لیتا ہوں''۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! وہ چھ باتیں کیا ہیں''؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ إِذَا حَدَّثَ صَدَقَ، وَإِذَا وَعَدَ اَنْجَزَ، وَإِذَا اُئْتُمِنَ اَدّٰى وَمَنْ غَضَّ بَصَرَهُ وَحَفِظَ فَرْجَهُ وَكَفَّ يَدَهُ اَوْ قَالَ نَفْسَهُ.

(شعب الإيمان ٣٦٥/٤)

(۱) جو جب بات کرے تو سچ کہے (۲) جب وعدہ کرے تو پورا کرے (۳) جب اَمین بنایا جائے تو اَدا کرے (۴) جو اپنی نگاہ نیچی رکھے (۵) جو اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے (۶) اور جو اپنے ہاتھ یا اپنی ذات کو (دوسروں کو اَذیت دینے سے) روکے رکھے۔

(۲) سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

يَا شَبَابَ قُرَيْشٍ! اِحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ وَلَا تَزْنُوْا أَلَا! مَنْ حَفِظَ فَرْجَهُ فَلَهُ الْجَنَّةُ. (شعب الإيمان ٤/٣٦٥)

اے قریش کے جوانو! اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھو اور زنا نہ کرو، اچھی طرح سمجھ لو کہ جو شخص اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھ لے اُس کے لئے جنت ہے۔

(۳) ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا فِتْيَانَ قُرَيْشٍ! لَا تَزْنُوْا فَإِنَّهُ مَنْ سَلِمَ اللّٰهُ لَهُ شَبَابَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (شعب الإيمان ٤/٣٦٥)

اے قریش کے جوانو! زنا نہ کرو؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ جس کی جوانی کو سلامت رکھے، وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔

(۴) سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ حَفِظَ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَبَيْنَ رِجْلَيْهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (شعب الإيمان ٤/٣٦٠)

جو شخص اُس چیز کو محفوظ کرلے جو اُس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور اُس چیز کو محفوظ کرے جو دو پیروں کے درمیان ہے (یعنی شرم گاہ) وہ جنت میں داخل ہوگیا۔

اِسی طرح بخاری شریف میں سیدنا حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مذکورہ دو چیزوں کی مجھ سے ضمانت لے لے میں اُس کے لئے جنت کی ضمانت لیتا ہوں۔ (بخاری شریف حدیث نمبر: ۶۴۷۴)

(۵) سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات ایسے خوش نصیب لوگوں کا ذکر فرمایا ہے، جنہیں میدانِ محشر میں عرشِ خداوندی کے

سایہ میں بٹھایا جائے گا، اُن میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رَجُلٌ دَعَتْهُ اِمْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ. (صحیح مسلم ۳۳۱/۱)

ایسا شخص جسے کوئی عزت دار اور خوبصورت عورت بدکاری کے لئے بلائے اور وہ کہہ دے کہ مجھے اللہ سے ڈر لگ رہا ہے۔

الغرض جو شخص قدرت اور نفسانی تقاضے کے باوجود برائی سے محفوظ رہے، اُس کے لئے آخرت میں بے حد وحساب اَجر وثواب اور اعزاز واِکرام مقرر ہے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

زنا سے کیسے بچیں؛ ایک لمحۂ فکریہ!

سیدنا حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نوجوان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا کہ: ''یارسول اللہ! کیا آپ مجھے زنا کی اِجازت دے سکتے ہیں''؟ اُس کی یہ جسارت دیکھ کر مجلس میں بیٹھے لوگ شور مچانے لگے اور کہنے لگے کہ ''اِسے اُٹھاؤ، اِسے اُٹھاؤ'' (یہ کیا بک رہا ہے) مگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''نہیں اِسے بیٹھے رہنے دو اور مجھ سے قریب کرو''۔ جب وہ قریب ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: ''کیا یہ کام تم اپنی ماں کے ساتھ اچھا سمجھتے ہو''؟ تو اُس نے کہا ''نہیں! میں آپ پر قربان''! تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اِسی طرح لوگ بھی اپنی ماں کے ساتھ اِسے اچھا نہیں سمجھتے''۔ پھر آپ نے پوچھا کہ ''اگر کوئی تمہاری بیٹی کے ساتھ ایسا کرے تو کیا تمہیں اچھا لگے گا''؟ تو اُس نے کہا ''ہرگز نہیں یارسول اللہ''! تو آپ نے اِرشاد فرمایا: ''اِسی طرح لوگ اپنی بیٹی کے ساتھ اِسے اچھا نہیں سمجھتے''۔ پھر آپ نے اُس کی بہن، پھوپھی اور خالہ وغیرہ کا ذکر کرکے اِسی طرح سمجھایا تو اُس کی سمجھ میں آگیا، اور اُس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے لئے دُعا فرمایئے! تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهُ وَحَصِّنْ فَرْجَهُ.	اے اللہ اس کے گناہ معاف فرما، اس کا دل پاک فرما اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت فرما۔

راوی فرماتے ہیں کہ اِس کے بعد اُس نوجوان کا یہ حال ہوگیا تھا کہ اُس کی نگاہ کسی برائی کی طرف اُٹھتی ہی نہ تھی۔ (شعب الایمان ۳۶۲/۴)

اِس واقعہ میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدکاری سے بچنے کی ایک ایسی عمدہ تدبیر امت کو بتلائی ہے کہ جو بھی بُرائی کرنے والا ایک لمحہ کے لئے بھی اِس بارے میں سوچ لے، تو وہ اپنے غلط اِرادے سے باز آسکتا ہے؛ کیوں کہ ظاہر ہے کہ جس عورت سے بدکاری کا اِرادہ ہوگا وہ کسی کی بہن، بیٹی یا ماں ضرور ہوگی اور جس طرح آدمی خود اپنی ماں بہنوں کے ساتھ یہ جرم گوارا نہیں کرتا، اُسے سوچنا چاہئے کہ دوسرے لوگ اُسے کیوں کر گوارہ کریں گے؟

اللہ تعالیٰ ہم سب کو کامل عفت مآبی سے سرفراز فرمائیں، اور اُمت کے ہر فرد کو بدکاری کے قریب جانے سے محفوظ رکھیں، آمین۔

تیسری فصل:

بدکاری پر وعیدیں

محسنِ انسانیت، اِمام المتقین، سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَحادیثِ شریفہ میں فواحش اور بدکاریوں کے بارے میں شدید وعیدیں اِرشاد فرمائی ہیں، جن میں سے چند روایات ذیل میں پیش ہیں:

(۱) سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا یَزْنِی الزَّانِی حِیْنَ یَزْنِی وَهُوَ مُؤْمِنٌ. (بخاري ۳۲۶/۱ رقم: ۲٤۷٥، مسلم ٥٦/۱ رقم: ٥۷، الترغيب والترهيب مكمل ٥۱۱ رقم: ۳٥۸٦)

زناکار زنا کرتے وقت مومن نہیں رہتا۔

اِس روایت کی تشریح میں علماء کے اَقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ:

الف:- گناہ کی وجہ سے ایسا شخص مؤمن کامل نہیں رہتا۔

ب:- بحالتِ گناہ وہ نورِ ایمانی یعنی معصیت سے بچانے پر آمادہ کرنے والی ایمانی کیفیت سے محروم ہوجاتا ہے۔

ج:- وہ شخص اگرچہ اخروی اعتبار سے مؤمن رہے؛ لیکن دنیا میں اُس سے ''مؤمن'' کا معزز لقب ہٹالیا جاتا ہے۔ (شرح نووی علی مسلم ۵۶/۱ وغیرہ)

د:- ایمان کی صورتِ مثالیہ نکل کر زنا کار پر سایہ فگن ہو جاتی ہے، اور عمل بد کے بعد پھر لوٹ آتی ہے۔ (ابوداؤد شریف اور ترمذی کی ایک روایت سے بھی اِس کی تائید ہوتی ہے)

خطرناک جرم

(۲) سیدنا حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

يَا بَغَايَا الْعَرَبِ، يَا بَغَايَا الْعَرَبِ! إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الزِّنَا وَالشَّهْوَةُ الْخَفِيَّةُ. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب مكمل ٥١٨، رقم: ٣٦٤٣ بيت الأفكار الدولية)

اے عرب کے بدکارو! اے عرب کے بدکارو! مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ ڈر اور خطرہ زنا اور پوشیدہ شہوت سے ہے۔

یعنی یہ ایسی خطرناک لت ہے جس سے پورا معاشرتی نظام تباہ اور برباد ہو جاتا ہے اور گھر گھر میں فتنہ فساد اور خون خرابہ کی نوبت آ جاتی ہے، حتی کہ نسلیں تک مشتبہ ہو جاتی ہیں۔

زانی کی دعا قبول نہیں

(۳) سیدنا حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

تُفْتَحُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ نِصْفَ اللَّيْلِ فَيُنَادِي مُنَادٍ، هَلْ مِنْ دَاعٍ فَيُسْتَجَابُ لَهُ؟ هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَيُعْطٰى؟ هَلْ مِنْ مَكْرُوْبٍ فَيُفَرَّجُ عَنْهُ؟ فَلَا يَبْقٰى مُسْلِمٌ

آدھی رات کے وقت آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور منادی آواز لگاتا ہے کہ کیا کوئی پکارنے والا ہے جس کی دعا قبول کی جائے؟ کیا کوئی سائل ہے جسے نوازا جائے؟ کیا کوئی پریشان حال غمزدہ ہے جس کی پریشانی دور

يَدْعُو بِدَعْوَةٍ إِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا زَانِيَةً تَسْعَى بِفَرْجِهَا أَوْ عَشَّارًا. (رواه الطبراني وأحمد ٢٢/٤، الترغيب والترهيب مكمل ٥١٨ رقم: ٣٦٤٤)

کی جائے؟ پس کوئی دعا مانگنے والا مسلمان باقی نہیں بچتا، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اُس کی دُعا قبول فرماتا ہے، سوائے اپنی شرم گاہ کو بدکاری میں لگانے والی زانیہ اور ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والے کے (کہ اُن کی دُعا ایسے مقبول وقت میں بھی قبول نہیں ہوتی)

اِس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ زناکاری ایسی نحوست ہے جو دعاؤں کی قبولیت میں بڑی رکاوٹ بنی رہتی ہے، اور مستجاب مقامات اور مقبول اَوقات میں بھی زانی کے لئے قبولیت کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔

بڑھاپے میں زنا کی نحوست

(۴) سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ تین آدمیوں سے قیامت میں اللہ تعالیٰ نہ تو گفتگو فرمائیں گے اور نہ اُنہیں گناہوں سے پاک فرمائیں گے:

شَيْخٌ زَانٍ، وَمَلِكٌ كَذَّابٌ، وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ. (رواه مسلم ٧١/١ رقم: ١٠٧)

(۱) بوڑھا زناکار (۲) جھوٹا بادشاہ (۳) قلاش متکبر۔

ویسے تو زنا ہر حالت میں حرام ہے، خواہ جوانی کی حالت ہو یا بڑھاپے کی؛ لیکن خاص طور پر حدیث بالا میں بوڑھے زناکار پر لعنت کی گئی ہے، اِس کی وجہ یہ ہے کہ بڑھاپے میں عموماً جذبات سرد ہوجاتے ہیں اور قویٰ مضمحل ہوجاتے ہیں، اور ساتھ میں عقل وتجربہ اور عمل کے انجام کو جاننے کے اعتبار سے بھی وہ نوجوان کے مقابلہ میں زیادہ باخبر ہوتا ہے۔ اِس کے باوجود ایسے شخص سے زنا کا صدور اُس کی طبعی خباثت کی دلیل ہے، اِسی بنا پر وہ ملعون قرار دیا گیا ہے۔

زناکار پر برزخی عذاب

(۵) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے اکثر پوچھا کرتے تھے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو تو بیان کرے۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا طویل خواب حضرات صحابہؓ سے بیان فرمایا کہ رات سوتے ہوئے خواب میں دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے ساتھ لے کر چلے، راستہ میں کئی ایسے لوگوں پر گذر ہوا جنہیں طرح طرح کے عذاب دیئے جا رہے تھے (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا)

فَأَتَيْنَا عَلٰى مِثْلِ التَّنُّوْرِ. قَالَ: وَأَحْسِبُ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ: فَإِذَا فِيْهِ لَغَطٌ وَأَصْوَاتٌ. قَالَ: فَاطَّلَعْنَا فِيْهِ فَإِذَا فِيْهِ رِجَالٌ وَنِسَاءٌ عُرَاةٌ فَإِذَا هُمْ يَاتِيْهِمْ لَهَبٌ مِنْ أَسْفَلَ مِنْهُمْ فَإِذَا أَتَاهُمْ ذٰلِكَ اللَّهَبُ ضَوْضَوْا.

پھر ہم تنور جیسی جگہ پر آئے۔ راوی کہتا ہے کہ غالباً آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اُس تنور کے اندر سے چیخ وپکار کی آوازیں آرہی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب ہم نے اُس میں جھانکا تو اُس میں ننگے مرد اور ننگی عورتیں تھیں اور اُن کے نیچے سے آگ کی لپٹ آرہی تھی، تو جب آگ کی لپٹ آتی تھی تو وہ شور مچاتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے اُن بدنصیبوں کے بارے میں جاننا چاہا تو اُنہوں نے کہہ دیا کہ ابھی اور آگے چلیں، پھر سب مناظر دکھانے کے بعد ہر ایک کے بارے میں تعارف کرایا اور اُن تنور والوں کے بارے میں کہا:

أَمَّا الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ الْعُرَاةُ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ مِثْلِ بِنَاءِ التَّنُّوْرِ، فَإِنَّهُمُ الزُّنَاةُ وَالزَّوَانِيْ، الخ.

اور وہ ننگے مرد وعورت جو تنور جیسی جگہ میں تھے وہ زناکار مرد اور عورتیں تھیں۔

(بخاری شریف ۱۰٤٤/۲ رقم: ۷۰٤۷)

شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ زنا کاروں کی یہ فضیحت آمیز اور ذلت ناک سزا اُن کے جرم کے عین مطابق ہے؛ اِس لئے کہ (۱) زنا کار، لوگوں سے چھپ کر عموماً جرم کرتا ہے، اُس کا تقاضا ہوا کہ اُسے ننگا کر کے رسوا کیا جائے۔ (۲) زنا کار جسم کے نچلے حصہ سے گناہ کرتا ہے، جس کا تقاضا ہوا کہ تنور میں ڈال کر نیچے سے آگ دہکائی جائے۔ (کرمانی، فتح الباری بحوالہ حاشیہ بخاری شریف حضرت نانوتویؒ ۲/۱۰۴۴)

(۶) ایک اور حدیث میں حضرت ابواُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طویل خواب کا ذکر فرمایا ہے، جس میں مذکور ہے:

ثُمَّ انْطُلِقَ بِيْ فَإِذَا أَنَا بِقَوْمٍ أَشَدَّ شَيْءٍ انْتِفَاخًا وَأَنْتَنَهُ رِيْحًا كَأَنَّ رِيْحَهُمُ الْمَرَاحِيْضُ، قُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ الزَّانُوْنَ. (رواه ابن خزيمة رقم: ١٩٨٦، وابن حبان في صحيحهما رقم: ٧٤٤٨، الترغيب والترهيب مكمل ٥١٨ رقم: ٣٦٤٨)

پھر مجھے لے جایا گیا تو میرا گذر ایسے لوگوں پر ہوا جو (سڑنے کی وجہ سے) بہت پھول چکے تھے اور اُن سے نہایت سخت بدبو آرہی تھی گویا کہ پاخانوں کی بدبو ہو، میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا کہ یہ "زنا کار لوگ" ہیں۔

دیکھئے! کتنے بھیانک عذاب ہیں، جن کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اور پوری اُمت کی اِس لعنت سے حفاظت فرمائیں، آمین۔

زانیوں کا جہنم میں برا حال

ایک روایت میں حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:

أَنَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعَ وَالأَرْضِيْنَ السَّبْعَ لَيَلْعَنَ الشَّيْخَ الزَّانِي وَإِنَّ فُرُوْجَ الزُّنَاةِ لَيُؤْذِي أَهْلَ النَّارِ نَتْنُ رِيْحِهَا. (رواه البزار، الترغيب والترهيب مكمل ٥٢٠ رقم: ٣٦٥٩)

ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں بوڑھے زنا کار پر لعنت کرتی ہیں، اور بدکار عورتوں کی شرم گاہوں کی بدبو سے خود جہنمی بھی اذیت میں ہوں گے۔

نیز ایک حدیث میں شراب پینے والوں کی سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ انہیں ’’نہرِ غُوطہ‘‘ سے پانی پلایا جائے گا۔ اور اس نہر کی حقیقت یہ بیان کی گئی:

نَهْرٌ يَجْرِيْ مِنْ فُرُوْجِ الْمُوْمِسَاتِ يُؤْذِي أَهْلَ النَّارِ رِيْحُ فُرُوْجِهِمْ. (رواه أحمد ١٦٠/٤، الترغيب والترهيب ١٧٦/٣)

یہ ایسی نہر ہے جو زنا کار عورتوں کی شرم گاہوں سے نکلی ہے جن کی شرم گاہوں کی بدبو خود اہل جہنم کے لئے بھی باعث اذیت ہوگی۔ (اعاذنا اللہ منہ)

عموماً زنا کار عورتیں میک اَپ اور خوشبوؤں کا استعمال کر کے لوگوں کو اپنی طرف راغب کرتی ہیں، تو جہنم میں اس کے برعکس ان کو سراپا بدبودار بنا دیا جائے گا، حتی کہ ان سے اٹھنے والی سڑاند سے جہنمی بھی عاجز ہوں گے اور یہ بدبو ان کے لئے مستقل عذاب بن جائے گی، نعوذ باللہ من ذلک۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

چوتھی فصل:

ہم جنسی کی لعنت

اِس وقت جنسی بے راہ روی اور اَنارکی کا یہ عالم ہے کہ ''ہم جنسی'' (یعنی مرد اور عورتوں کا خلافِ فطرت خواہش رانی کرنا) کو باقاعدہ قانونی شکل دینے کی مہم چلائی جارہی ہے، حتیٰ کہ چند ماہ قبل ہندوستان کی عدالتِ عالیہ نے اِس منحوس عمل کو سند جواز عطا کرنے کا مکروہ فیصلہ کیا، جس کی جس قدر بھی مذمت کی جائے؛ کم ہے۔

کیوں کہ ہم جنسی ایسا غلیظ اور مکروہ عمل ہے کہ اِنسان تو اِنسان عام جانور بھی اِس بدترین عمل کے قریب نہیں جاتے۔ مشہور محدث اِمام محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ: ''جانوروں میں سے بھی سوائے گدھے اور خنزیر کے کوئی جانور قوم لوط والا عمل نہیں کرتا''۔ (تفسیر درمنثور ۳/۱۸۷)

لیکن آج اپنے آپ کو مہذب اور اِنسانیت کی ٹھیکے دار قرار دینے والی یورپین قومیں اِس عملِ بد کی نہ صرف تائید کررہی ہیں؛ بلکہ اِس خلافِ فطرت تعلق کو قانونی شکل دینے پر تمام ممالک کو مختلف انداز سے مجبور کررہی ہیں، اور اُس پر طرہ یہ کہ بے غیرت اور بے ضمیر مغرب زدہ میڈیا نے ایسا ماحول بنادیا ہے کہ اگر کوئی شخص اِس عمل کی برائی ظاہر کردے تو اُس کے خلاف ہی مباحثے اور تبصرے شروع ہوجاتے ہیں۔

قومِ لوط کا بھیانک انجام

اِس بدترین جرم کا دنیا میں سب سے پہلے قوم لوط نے ارتکاب کیا تھا، یہ قوم اردن کے مشرقی جانب بحرمیت کے کنارے ''سدوم'' وغیرہ شہروں میں آباد تھی، اس کی ہدایت کے لئے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا، جب حضرت لوط علیہ السلام نے اس قوم کے حالات کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ یہ پوری کی پوری قوم شرک وکفر کے ساتھ ساتھ ہم جنسی کے گندے اور خلافِ فطرت عمل میں مبتلا ہے؛ بلکہ اس غلیظ عمل کی موجد بھی ہے کہ اس سے پہلے دنیا کی کسی قوم میں اس برائی کا وجود نہ تھا، شیطان لعین نے سب سے پہلے ’’سدوم‘‘ کے لوگوں کو ہی یہ گندی راہ سجھائی تھی، تو حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو نصیحتیں فرمائیں۔ قرآنِ کریم میں کئی جگہ ان کے ناصحانہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں۔ سورۂ اعراف میں ہے:

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِۦٓ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِينَ. إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَآءِ، بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ. (الإعراف: ۸۰-۸۱)

اور ہم نے لوط کو بھیجا، جب کہا اس نے اپنی قوم سے کہ کیا تم اس بے حیائی کے کام کو کرتے ہو جس کو تم سے پہلے سارے عالم میں کسی نے نہیں کیا۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر شہوت کے مارے دوڑتے ہو، یقیناً تم لوگ حد سے آگے گذرنے والے ہو۔

اور سورۂ شعراء میں ارشاد ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِينَ. وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم، بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ عٰدُونَ. (الشعراء: ١٦٥-١٦٦)

کیا تم دنیا کے مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو؟ اور چھوڑتے ہوئے اپنی بیویوں کو جو تمہارے رب نے تمہارے واسطے ہی بنائی ہیں؛ بلکہ تم لوگ حد سے گذرنے والے ہو۔

اس کے علاوہ بھی مختلف انداز میں حضرت لوط علیہ السلام انہیں سمجھانے کی کوششیں کرتے رہے؛ لیکن وہ لوگ ایسے خبیث الفطرت تھے کہ مان کر نہیں دیئے؛ بلکہ الٹے حضرت لوط علیہ السلام کا مذاق اڑاتے رہے اور انہیں اپنے علاقہ سے نکال دینے کی دھمکیاں دینے لگے۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوۡمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَخۡرِجُوۡهُمۡ مِّنۡ قَرۡيَتِكُمۡ‌ۚ اِنَّهُمۡ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوۡنَ. (الأعراف: ۸۲)

اوراس کی قوم نے یہی جواب دیا کہ ان کو اپنے شہر سے نکال دو یہ لوگ بہت پاکیزہ رہنا چاہتے ہیں۔

اور جب حضرت لوط علیہ السلام انہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتے تو وہ لوگ بڑی جسارت اور ڈھٹائی کے ساتھ یہی کہتے کہ وہ عذاب لاکر دکھاؤ جس سے تم ڈراتے ہو، قرآنِ پاک میں ذکر ہے:

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوۡمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا ائۡتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ. (العنکبوت: ۲۹)

پھر اُن کی قوم کا کچھ جواب نہ تھا مگر یہی کہ بولے ہم پر اللہ کا عذاب نازل کرادیجئے اگر آپ سچے ہیں۔

اس قوم کی پے در پے شرارتوں اور خباثتوں سے تنگ آ کر بالآخر حضرت لوط علیہ السلام کے مقدس ہاتھ فریاد کے لئے بارگاہِ خداوندی میں اٹھ گئے اور ارشاد ہوا:

رَبِّ انۡصُرۡنِيۡ عَلَى الۡقَوۡمِ الۡمُفۡسِدِيۡنَ. (العنکبوت: ۳۰)

اے میرے رب! اِن شریر لوگوں پر میری مدد فرمایئے!

یہ فریاد بارگاہِ خداوندی میں قبول ہوئی اور اس منحوس وملعون قوم کو سبق سکھانے کا خدائی فیصلہ کرلیا گیا، اوراس کام کو انجام دینے کے لئے فرشتوں کی ایک جماعت ''سدوم'' کے لئے روانہ ہوئی، جس نے بحکم خداوندی اپنی مہم پر جاتے ہوئے ملک شام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی ملاقات کی (اور انہیں بڑھاپے میں ''اسحٰق'' نام کے ایک صاحب زادے کی بشارت سنائی) جس کا ذکر قرآنِ پاک میں کئی جگہ موجود ہے۔ پھر یہ فرشتے خوب صورت، اور بے ریش نوجوانوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر مہمان بن کر پہنچے۔ خوب رو نوجوانوں کی خبر ملتے ہی اس شہوت پرست قوم کی خباثت نے انگڑائی لی اور آبرو باختہ افراد کا ایک ہجوم حضرت لوط علیہ السلام کی رہائش گاہ پر چڑھ دوڑا، یہ وقت حضرت لوط علیہ السلام کے

لئے بڑی تنگی اور مشقت کا تھا، مہمانوں کی بے عزتی کے تصور سے ان کی پریشانی نا قابل بیان تھی، اور اس دیارِ غیر میں ان نازک حالات میں اپنی بے کسی کا بھی بڑا احساس تھا، چنانچہ آپ نے ان اوباشوں کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی حتی کہ (اپنے فعل بد سے باز آنے اور اپنی روش درست کر لینے کی شرط پر) اپنی صاحب زادیوں کا ان (میں سے ہم کفو افراد) سے رشتہ کر دینے تک کی پیش کش فرما دی، مگر انہیں نہ باز آنا تھا نہ باز آئے، اور پوری ڈھٹائی سے کہہ دیا کہ ہمیں آپ کی لڑکیوں سے کچھ لینا دینا نہیں، ظاہر ہے کہ یہ خباثت اور گستاخی کی آخری حد تھی، بالآخر ان خبیثوں کی مسلسل شرارت اور حضرت لوط علیہ السلام کی بے بسی دیکھ کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بحکم خداوندی اپنے بازو کو ان ہوس پرستوں پر کھینچ کر مارا جس سے وہ سب کے سب اندھے ہو گئے، اسی کو قرآنِ کریم میں اس آیت میں بیان کیا گیا:

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ. (القمر: ۳۷)

اور اس سے اس کے مہمانوں کو لینے کا مطالبہ کرنے لگے پس ہم نے ان کی آنکھیں ملیامیٹ کر دیں، اب چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا۔

نیز فرشتوں نے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دی کہ ہم کوئی انسان نہیں ہیں؛ بلکہ آپ کے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور یہ خبیث آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اب ان لوگوں پر بڑا عذاب آیا ہی چاہتا ہے؛ لہٰذا آپ رات ہی میں صبح ہونے سے پہلے پہلے اپنے لوگوں کو لے کر اس علاقہ سے فوراً نکل جائیے، اور جاتے وقت کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، اور جو پیچھے مڑ کر دیکھے گا وہ انہیں میں رہ جائے گا، چناں چہ پیچھے رہ جانے والوں میں حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ کافرہ بیوی بھی تھی جس نے فرشتوں کی آمد کی اطلاع اوباشوں کو دی تھی، پھر صبح ہوتے ہی اس قوم پر جو اندوہ ناک عذاب آیا ہے۔ اس کی منظر کشی قرآنِ پاک میں اس طرح کی گئی ہے:

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا

پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے وہ بستی اوپر کی

سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ، مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ، وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ. (هود: ۸۱ - ۸۲ - ۸۳)

نیچے کرڈالی اور ہم نے اس پر کنکر کے پتھر تہہ بہ تہہ برسا دئے، وہ سب پتھر تیرے رب کے پاس سے نشان زدہ تھے (ان پر عذاب کی خاص علامت تھی) اور اس طرح کا عذاب (ایسے) ظالموں سے کچھ دور نہیں۔

تفسیری روایات میں ہے کہ قومِ لوط کئی شہروں میں آباد تھی، ہر شہر کی آبادی تقریباً ایک لاکھ نفوس پر مشتمل تھی، اِن سب بستیوں کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پوری زمین وغیرہ سمیت اُوپر اُٹھایا اور اُسے آسمان تک لے گئے کہ آسمان والوں نے اِن بستیوں کے جانوروں تک کی آوازیں اپنے کانوں سے سنیں، پھر وہیں سے اِن بستیوں کو اُلٹ کر زمین پر پٹخ دیا، اور ساتھ میں نشان زدہ پتھروں کی بارش کرکے پوری قوم کو کچل دیا گیا؛ حتیٰ کہ اس قوم کے جو اَفراد دنیا میں اِدھر اُدھر گئے ہوئے تھے اُن پر بھی پتھر کی بارش کرکے اُن کا کام تمام کردیا گیا۔ (تلخیص: تفسیر ابن کثیر مکمل ۶۷۰-۶۷۱)

قومِ لوط پر جو عذاب آیا اس میں عذاب کی تقریباً تمام شکلیں بیک وقت جمع کردی گئیں، اس میں اوباشوں کی آنکھوں کا اندھا ہوجانا پھر زلزلہ کا آنا، زمین کا دھسنا اور الٹنا بھی ہے اور پتھروں کی بارش کے ساتھ ساتھ پانی میں ڈبونے کا بھی عذاب یہاں جمع ہے، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ عمل اللہ کے نزدیک کس قدر قابل لعنت اور لائق غضب وعذاب ہے؟ **اللّٰهم احفظنا منه.**

پانچویں فصل:

اَحادیثِ شریفہ میں ہم جنسی کی مذمت

اس منحوس عمل کی احادیثِ شریفہ میں نہایت سخت مذمت وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَخْوَفِ مَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِي أَوْ عَلٰى هٰذِهِ الْأُمَّةِ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ. (رواه الترمذي ١/٢٧٠ رقم: ١٤٥٧، ابن ماجة ١٨٤ رقم: ٢٥٦٣، شعب الإيمان ٤/٣٥٤ رقم: ٥٣٧٤، الترغيب والترهيب مكمل ٥٢٣/ رقم: ٣٦٨٣)

ان بدترین چیزوں میں جن کا مجھے اپنی اُمت پر سب سے زیادہ خطرہ ہے وہ قوم لوط کا عمل ہے۔

اور سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ. (رواه ابن حبان ٤٤١٧، جامع المهلكات ٢٠٩)

اللہ کی پھٹکار ہے اس شخص پر جو قومِ لوط والا عمل کرے۔

اور سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَإِذَا كَثُرَ اللُّوْطِيَّةُ رَفَعَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَدَهُ عَنِ الْخَلْقِ فَلَا

جب لواطت (کسی قوم میں) عام ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ مخلوق سے (اپنی حفاظت ونصرت کا)

يُبَالِي فِي أَيِّ وَادٍ هَلَكُوا. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب مكمل ٥٢٤ رقم: ٣٦٨٦)

ہاتھ اُٹھا لیتے ہیں اور پھر یہ پرواہ نہیں فرماتے کہ یہ لوگ کس وادی میں جا کر ہلاک ہوں گے۔

نیز سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَرْبَعَةٌ يُصْبِحُونَ فِي غَضَبِ اللّٰهِ وَيُمْسُونَ فِي سَخَطِ اللّٰهِ، قُلْتُ: مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: أَلْمُتَشَبِّهُوْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتُ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ، وَالَّذِي يَاتِي الْبَهِيمَةَ، وَالَّذِي يَأْتِي الرِّجَالَ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان ٣٥٦/٤ رقم: ٥٣٨٥، الترغيب والترهيب مكمل ٥٢٤ رقم: ٣٦٨٩)

چار طرح کے لوگ اللہ کے غضب میں صبح کرتے ہیں اور اس کی ناراضگی میں شام کرتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (۱) عورتوں کی مشابہت کرنے والے مرد (۲) مردوں سے مشابہت رکھنے والی عورتیں (۳) وہ شخص جو جانور سے اپنی خواہش پوری کرے (۴) اور وہ شخص جو مردوں سے شہوت رانی کرے۔

اور سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

لاَ يَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِلٰى رَجُلٍ أَتٰى رَجُلاً أَوِ امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا. (سنن الترمذي ٢٧٠/١ رقم: ١١٦٥، والترغيب والترهيب مكمل ٥٢٥ رقم: ٣٦٩٥)

اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائیں گے جو شخص کسی مرد یا عورت کے پیچھے کے راستہ سے شہوت پوری کرتا ہے۔

اِن اَحادیثِ شریفہ سے مذکورہ عمل بد کی شناعت کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ عمل دنیا وآخرت میں تباہی وبربادی اور بدترین ذلت کا سبب ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ پوری اُمت کو اس سے محفوظ رکھیں۔

❍❖❍

چھٹی فصل:

فواحش کے ظاہری نقصانات

تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ لواطت یا دیگر فواحش کے عادی اشخاص دنیا ہی میں اپنی بدعملیوں کے اثرات دیکھ لیتے ہیں، مثلاً:

(۱) ناجائز تعلق رکھنے والوں کے درمیان عموماً انجام کار سخت نفرت ہوجاتی ہے، اور دونوں کی زندگی نہایت تنگ اور اجیرن بن جاتی ہے، اور وہ منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے۔

(۲) فواحش کی وجہ سے دل سیاہ اور سخت ہوجاتے ہیں، اور عبادت کی لذت سے انسان قطعاً محروم ہوجاتا ہے۔

(۳) ایسے شخص کے چہرہ پر سیاہی اور بے رونقی چھاجاتی ہے۔

(۴) اس کے دینی ودنیوی ہر طرح کے حالات خراب ہوجاتے ہیں۔

(۵) وہ لوگوں کی نظر میں ذلیل اور مبغوض قرار پاتا ہے۔

(۶) عموماً ایسے شخص سے اللہ کی عطا کردہ نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔

(۷) اور سب سے بڑی نحوست یہ ہوتی ہے کہ یہ شخص خیر کی توفیق اور دینی خدمات کی سعادت سے محروم کردیا جاتا ہے، وغیرہ، العیاذ باللہ۔ (مستفاد: جامع المہلکات من الکبائر والمحرمات ۲۱۳-۲۱۴)

بے حیائیاں؛ لاعلاج امراض کا سبب

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰى يُعْلِنُوْا بِهَا إِلَّا فَشَا فِيْهِمُ الطَّاعُوْنُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِيْ أَسْلَافِهِمِ الَّذِيْنَ مَضَوْا. (الترغيب والترهيب مكمل ٥٢٣ رقم: ٣٦٨٥، الزواجر ٢٢٩/٢، ابن ماجة ١٨٤ رقم: ٤٠١٩)

جب بھی کسی قوم میں بے حیائیاں برسرعام کی جانے لگیں تو ان پر طاعون اور ایسے امراض مسلط کردئے جاتے ہیں جن کا ان سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں میں کبھی نام بھی نہ سنا گیا ہو۔

اِس حدیث کی صداقت آج بالکل عیاں ہے، بے حیائیوں اور بدکاریوں سے بھرپور مغربی اور مشرقی معاشرہ میں ایسے خطرناک اور لاعلاج بدترین امراض جنم لے چکے ہیں جن کا اس سے پہلے کبھی نام بھی نہیں سنا گیا تھا، اور میڈیکل سائنس کی ہزار ترقیوں کے باوجود ابھی تک ان جان لیوا بیماریوں کا کوئی علاج دریافت نہیں ہو پایا ہے۔

جیسا کہ آج ہر طرف ''ایڈز'' نامی بیماری کا شور ہے، پوری دنیا اس کے تصور ہی سے سہمی ہوئی ہے، اور تمام طبی تحقیقات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ بیماری غلط اور خلافِ فطرت جنسی تعلقات کی وجہ سے ہی وجود میں آتی ہے؛ لیکن اس کی روک تھام کے لئے جتنی بھی کوششیں کی جارہی ہیں وہ سب بے سود ثابت ہورہی ہیں، اور یہ بیماری برابر روز افزوں ہے۔

اقوامِ متحدہ کا محکمۂ صحت کروڑوں ڈالر ''ایڈز بچاؤ'' مہم پر خرچ کررہا ہے، مگر اہل دنیا کی پست فکری اور ہوس پرستی پر ہنسی آتی ہے کہ وہ ایسے امراض کے بچاؤ کے لئے فطری اور مؤثر طریقہ (فواحش سے کلی اجتناب) اپنانے کے بجائے اپنی بدنیتی کی بنا پر صرف ''محفوظ جنسی عمل'' (مانع حمل اشیاء کی تشہیر) کی مہم چلائے ہوئے ہیں، جو اِن اَمراض میں اِضافہ کا تو سبب ہوسکتی ہے؛ لیکن اس سے امراض پر روک لگانے کی بات سوچنا ایک دیوانے کے خواب سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ فَيَا لَلْعَجَبُ !

آج نہایت بے غیرتی اور بے شرمی کے ساتھ نئی عمر کے بچوں اور بچیوں اور کالجوں کے طلبہ اور طالبات کے سامنے اس کی ٹریننگ دی جاتی ہے، جس کی بنا پر شہوانی جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں اور گویا کہ نوجوانوں کو مانعِ حمل چیزوں کے استعمال کے ساتھ ناجائز جنسی تعلقات بنانے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ تو اس صورتِ حال میں اس مرض کے خاتمہ کا تصور ہی فضول ہے، اگر معاشرہ میں بے حیائیاں، فواحش اور ناجائز جنسی تعلقات کا چلن رہے گا، تو ایسے جان لیوا اور ناقابلِ علاج امراض حدیث بالا کی پیش گوئی کے مطابق یقیناً پائے جاتے رہیں گے، اور دنیا اس عذاب سے ہرگز محفوظ نہ رہ سکے گی۔

بریں بنا جسمانی صحت مندی، معاشرتی سکون اور ذہنی یکسوئی کے حصول کا واحد راستہ یہی ہے کہ فواحش کے تمام سوراخوں کو بند کیا جائے اور ڈھکی چھپی اور ظاہری بے حیائیوں کو بدترین جرم قرار دے کر معاشرہ سے ان کی جڑوں کو اکھیڑ دیا جائے۔

ہمیں یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ اس طرح کی مشکلات کا حل صرف اور صرف اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہی مضمر ہے، ان سے قطع نظر کر کے جو بھی مہم چلائی جائے گی اس کے لئے بہر حال ناکامی ہی مقدر ہوگی، جس کا آج ہر کوئی مشاہدہ کر سکتا ہے۔

بیویوں کے ساتھ خلافِ فطرت عمل کرنا

جس طرح مرد کا مرد سے خواہش پوری کرنا حرام ہے، اِسی طرح اپنی منکوحہ بیوی سے خلافِ فطرت طریقہ پر انتفاع بھی حرام ہے۔ قرآنِ پاک میں اِس کی ممانعت کی طرف اِشارات موجود ہیں، جب کہ سرورِ عالم، محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُمت کی نصیحت و رہنمائی کا حق اَدا فرماتے ہوئے بہت وضاحت کے ساتھ اس عمل سے روکا ہے۔ چناں چہ:

اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِسْتَحْيُوا فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ، وَلَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِيْ أَدْبَارِهِنَّ. (رواه أبو يعلىٰ باسناد جيد، الترغيب والترهيب مكمل ٥٢٥ رقم: ٣٦٩٧)

شرم وحیا کیا کرو؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتے اور عورتوں کے پاس ان کے پیچھے کے راستہ میں مت جایا کرو۔

اور سیدنا حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَأْتُوْنَ النِّسَاءَ فِيْ مَحَاشِّهِنَّ. (الترغيب والترهيب مكمل ٥٢٥ رقم: ٣٧٠٠)

اللہ کی لعنت ہے ایسے لوگوں پر جو عورتوں کی گندگی کی جگہوں (پیچھے کے راستوں) میں جاتے ہیں۔

اور سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَتَى النِّسَاءَ فِيْ أَعْجَازِهِنَّ فَقَدْ كَفَرَ. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب مكمل ٥٢٥/ رقم: ٣٧٠١)

جو عورتوں کے پیچھے کے راستہ میں جماع کرے اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔ (یعنی کافروں جیسا عمل کیا)

نیز ایک روایت میں ہے کہ: ''جو شخص حیض کی حالت میں عورت سے جماع کرے یا اس کے پیچھے کے راستہ سے خواہش پوری کرے یا کاہن کے پاس جاکر اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی کا انکار کیا''۔ (رواہ احمد ۴۰۸/۲، والترمذی رقم: ۱۳۵، الترغیب والترہیب مکمل ۵۲۵ رقم: ۳۷۰۴)

مذکورہ روایات پوری اُمت کی تنبیہ کے لئے کافی ہیں، بالخصوص آج کل انٹرنیٹ وغیرہ آلات کے ذریعہ جو بے ہودہ مناظر عام کئے جارہے ہیں اور انسانی اخلاق کے بجائے شیطانی اور حیوانی اعمال کا رواج دینے میں طاغوتی طاقتیں سرگرم ہیں ان سے ہوشیار رہنے کی ضرورت

ہے۔عقل مند انسان وہی ہے جو اپنے کو شہوت کا غلام نہ بنائے؛ بلکہ انسانیت وشرافت کا معیار ہر حالت میں برقرار رکھے۔

خوبصورت لڑکوں کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا موجبِ فتنہ ہے

ہم جنسی اور فواحش سے بچنے کے لئے وہ تمام دروازے بند کرنے ضروری ہیں جو اس منحوس عمل تک پہنچاتے ہیں، ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ بے ریش نوعمر بچوں کے ساتھ نظر بازی، تنہائی اور اختلاط سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے؛ کیوں کہ اس بیماری؛ بلکہ سبھی فواحش کی ابتدا بدنظری ہی سے ہوتی ہے، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

كُـلُّ الْحَوَادِثِ مَبْدَأُهَا مِنَ النَّظْرِ ❖ وَمُعَظَّمُ النَّارِ مِنْ مُسْتَصْغَرِ الشَّرَرِ

ہر فحش حادثہ کی ابتدا بدنظری سے ہی ہوتی ہے، اور بڑی آگ چھوٹی سی چنگاری ہی سے لگا کرتی ہے۔

وَالْـمَـرْأُ مَـا دَامَ ذَا عَيْـنٍ يُقَلِّبُهَـا ❖ فِيْ أَعْيُنِ الْعِيْنِ مَوْقُوْفٌ عَلَى الْخطَرِ

اور جب تک آدمی دیکھنے اور بھکنے والی آنکھ کا مالک رہتا ہے وہ خطرہ کی جگہ پر کھڑا رہتا ہے۔

كَمْ نَظْرَةٌ فَعَلَتْ فِيْ قَلْبِ صَاحِبِهَا ❖ فِـعْـلَ السِّهَامِ بِلاَ قَوْسٍ وَلَا وَطَرِ

کتنی ہی نظریں آدمی کے دل میں بغیر تانت اور کمان کے تیر کا کام کر جاتی ہیں۔

يَسُـرُّ نَـاظِـرُهُ مَـا ضَـرَّ خَـاطِـرَهُ ❖ لَا مَـرْحَـباً بِسُـرُوْرٍ عَـادَ بِالضَّرَرِ

دیکھنے والا ایسے منظر کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے جس سے اس کے دل کو نقصان پہنچتا ہے، اور ایسی خوشی میں کوئی مبارک بادی نہیں ہے جو نقصان لے کر لوٹے۔

خلاصہ یہ کہ بدنظری سے بہر حال احتیاط لازم ہے۔ چناں چہ مروی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے پاس جب عبد القیس کے لوگ وفد بنا کر آئے تو ان میں ایک خوبصورت بے ریش نوجوان بھی تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے پیچھے بیٹھنے کا حکم دیا؛ تاکہ اس پر نظر نہ پڑے۔ (الزواجر ۲/۲۳۳)

اور بعض تابعین کا قول ہے کہ: ”دین دار عبادت گزار نوجوانوں کے لئے پھاڑ کھانے والے درندے سے بھی بڑا دشمن اور نقصان دہ، وہ امرد لڑکا ہے جو اس کے پاس آتا جاتا ہے“۔

حضرت حسن بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: ”مال داروں کے بچوں کے ساتھ زیادہ اُٹھا بیٹھا نہ کرو؛ اس لئے کہ ان کی صورتیں عورتوں کی طرح ہوتی ہیں اور ان کا فتنہ کنواری عورتوں سے زیادہ سنگین ہے“۔ (شعب الایمان ۴/۳۵۸) کیوں کہ عورتیں تو کسی صورت میں حلال ہوسکتی ہیں؛ لیکن لڑکوں میں حلت کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوریؒ حمام میں داخل ہوئے، تو وہاں ایک خوبصورت لڑکا بھی آ گیا، تو آپ نے فرمایا کہ: ”اسے باہر نکالو؛ کیوں کہ عورت کے ساتھ تو ایک شیطان ہوتا ہے اور لڑکوں کے ساتھ دس سے زائد شیطان ہوتے ہیں“۔ (شعب الایمان ۴/۳۶۰)

ابتداء ہی سے بچوں کو بُری عادتوں سے بچانے کا اہتمام کرنا چاہئے، خاص طور پر اِس بات کی نگرانی کرنی چاہئے کہ چھوٹے بچے بالخصوص تنہائی کے اَوقات بڑے لڑکوں کے ساتھ نہ گذاریں۔

اسی بنا پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ہے کہ جب بچے سمجھ دار ہو جائیں، تو ان سب کے بستر علاحدہ کر دینے چاہئیں۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ/ باب متی یومر الغلام بالصلوٰۃ ۱/۷۱)

ان حکمت آمیز ہدایات پر عمل کر کے ہی امت کو ایسی بری باتوں سے یقیناً بچایا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اور ہماری نسلوں کو ہر قسم کے اخلاقی امراض سے محفوظ رکھیں، آمین۔

گنہگاروں کے لئے عذابِ جہنم کی وعید

بدکاری اور دیگر کبیرہ گناہوں کے تذکرہ کے بعد بطور تنبیہ آگے یہ اِرشاد فرمایا گیا:

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا. یعنی جو کوئی مذکورہ اعمال (یعنی شرک، قتل اور

يُّضٰعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا. (الفرقان: ٦٨-٦٩)

زنا) کا مرتکب ہوگا تو وہ اَثام (جہنم کی ہولناک وادی) میں جا پڑے گا، اس کو قیامت کے دن کئی گنا عذاب ہوگا، اور اس میں ذلیل ہوکر تادیر رہتا رہے گا۔

اِس لئے جو شخص آخرت میں ذلت ورسوائی اور عذاب سے محفوظ رہنا چاہتا ہے اُسے بہرحال ایسے گناہوں سے دور رہنا چاہئے، اور اگر کوئی غلطی ہوجائے تو جلد اَز جلد توبہ واستغفار کرلینا چاہئے۔ (جیسا کہ آگے ذکر آرہا ہے)

گیارہواں باب:

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ آمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّئٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ، وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ○ وَمَنۡ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّہٗ یَتُوۡبُ اِلَی اللّٰہِ مَتَابًا ○

[الفرقان، جزء آیت: ۷۰-۷۱]

توبہ کا اہتمام

پہلی فصل:

توبہ کے ذریعہ گناہوں کی معافی

گذشتہ آیات میں چند بڑے بڑے گناہوں (شرک، قتل ناحق، بدکاری) کا ذکر کیا گیا تھا، اور اُن پر سخت سزا کی وعید بھی سنائی گئی تھی۔

اَب آگے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی شانِ رحمت کا اِظہار کرتے ہوئے پرحکمت اَنداز میں یہ ترغیب دی ہے کہ جو لوگ برائیوں سے توبہ کرلیں اور اِیمان لے آئیں، اور پھر اچھے اَعمال کرنے لگیں، تو اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کو نیکیوں کی توفیق سے سرفراز فرماتے ہیں اور برائیوں کو مٹا دیتے ہیں۔ چناں چہ اِرشادِ عالی ہے:

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ، وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا. وَمَنۡ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّہٗ یَتُوۡبُ اِلَی اللّٰہِ مَتَابًا. (الفرقان: ۷۰-۷۱)

مگر جس نے توبہ کی اور اِیمان لے آیا، اور اچھے اَعمال کیے، تو اللہ تعالیٰ اُن کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیں گے، اور اللہ تعالیٰ بہت ہی بخشنے والے نہایت مہربان ہیں۔ اور جو (مسلمان) توبہ کرلے، اور نیک کام کرے تو وہ بھی اللہ کی طرف لوٹ آتا ہے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص سے گناہ کا صدور ہوجائے تو اُسے مایوس نہیں ہونا چاہیے؛ بلکہ سچی توبہ کرکے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اور اچھے اعمال کرکے زیادہ سے زیادہ اپنے نامۂ اَعمال میں نیکیاں درج کرانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ چناں چہ اِرشادِ خداوندی ہے:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ. (الزمر: ۵۳)

اے پیغمبر آپ فرما دیجئے کہ اے میرے وہ بندوں جنہوں نے (نافرمانی کرکے) اپنے اوپر زیادتی کررکھی ہے، تم اللہ کی رحمت سے نا اُمید مت ہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب گناہ معاف فرمادیں گے، بے شک وہ بہت مغفرت کرنے والے مہربان ہیں۔

سچی توبہ کی تاکید

اِنسان بہرحال اِنسان ہے، وہ کبھی نفسانی یا شیطانی تقاضے سے گناہ میں مبتلا ہوہی جاتا ہے، تو ایسی صورت میں اُسے گناہ پر اِصرار نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ جلد از جلد سچی توبہ کرکے اپنے رب سے اپنا معاملہ درست کرلینا چاہئے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے قابل تعریف اہل اِیمان کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک اَہم صفت یہ بھی بیان کی:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ، وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. (آل عمران: ۱۳۵)

اور وہ لوگ کہ جب کوئی کھلا گناہ کربیٹھیں، یا اپنے حق میں برا کام کریں تو (فوراً) اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں۔ اور اللہ کے علاوہ کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟۔ اور وہ اپنے (برے) کاموں پر اِصرار نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے ہیں)

پھر اُن کو یہ بشارت سنائی:

اُولٰٓئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اُن کا بدلہ اُن کے رب کی طرف سے معافی ہے، اور ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا، وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ. (اٰل عمران: ۱۳۶)

ہیں، وہ ہمیشہ اُن باغوں میں رہیں گے، اور (نیک) عمل کرنے والوں کا کیا ہی بہترین بدلہ ہے۔

اور سورۂ تحریم میں تمام اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَیُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ.

اے اِیمان والو! اللہ سے سچی توبہ کرو، عنقریب وہ تمہاری خطائیں معاف کردے گا، اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

(التحریم، جزء آیت: ۸)

دیکھئے! توبہ کرنے والوں کو کیسی بشارت سنائی گئی کہ اُن کے گناہ بھی معاف کئے جائیں گے اور ساتھ میں جنت میں داخلہ کا پروانہ بھی عطا کیا جائے گا۔

سچی توبہ کی تعریف اور شرائط

اَب سوال یہ ہے کہ سچی توبہ کا اطلاق کون سی توبہ پر ہوگا؟ تو اِس بارے میں اَحادیث وآثار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسی توبہ ہے جس میں اپنے برے عمل پر دل میں شرمندگی ہو اور آئندہ نہ کرنے کا عزم ہو، اور اگر اُس غلطی کا تعلق کسی بندے کے حق سے ہو، تو اُس کی اَدائیگی بھی سچی توبہ کے لئے لازم ہے۔

سیدنا حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں میں ہم جنسی اور غیر فطری عمل عام ہو جائے گا، حالاں کہ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ نے حرام قرار دی ہیں، اور ایسے بدعمل مرد وخواتین سب اللہ کے غضب کے مستحق ہیں، اور جب تک وہ سچی توبہ نہ کرلیں، اُن کی نمازیں بھی قبول نہیں ہوں گی۔ تو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ: ''سچی توبہ سے کیا مراد ہے؟'' تو آپ نے فرمایا کہ میں نے بھی اِس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا تھا:

هُوَ النَّدَمُ عَلَى الذَّنْبِ حِيْنَ يَفْرُطُ مِنْكَ فَتَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ بِنَدَامَتِكَ مِنْهُ عِنْدَ الْحَاضِرِ ثُمَّ لَا تَعُوْدُ إِلَيْهِ أَبَدًا. (تفسير ابن كثير ٢٦٠/٦ زكريا، شعب الإيمان ٣٧٥/٤ رقم: ٥٤٥٧ دار الكتب العلمية بيروت)

(سچی توبہ یہ ہے کہ) گناہ سرزد ہونے پر شرمندگی ہونا، پھر تم اللہ تعالیٰ سے شرمندگی کے ساتھ اس گناہ پر فوراً مغفرت طلب کرو، اور آئندہ اس گناہ کو دوبارہ نہ کرنے کا پختہ اِرادہ کرو۔

اور تابعی جلیل سیدنا حضرت حسن بصریؒ سے ''توبۂ نصوح'' کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے اِرشاد فرمایا کہ: ''سچی توبہ (توبۂ نصوح) یہ ہے کہ تم گناہ سے ایسی نفرت کرو، جیسا کہ پہلے اس کی طرف رغبت رکھتے تھے، اور جب بھی گناہ یاد آجائے تو فوراً توبہ واستغفار کرو؛ لہٰذا اگر کوئی شخص جرم پر توبہ کرے اور اس پر ثابت قدم رہے، تو اس کی برکت سے اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہوجائیں گے، جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں وارد ہے کہ: **اَلإِسْلَامُ يَجُبُّ مَا قَبْلَهُ وَالتَّوْبَةُ تَجُبُّ مَا قَبْلَهَا.** (مسند أحمد، بحواله: تفسير ابن كثير ٢٦١/٦ زكريا) یعنی اِسلام پہلے کے گناہوں کو مٹادیتا ہے، جب کہ توبہ پہلے کے گناہوں کو صاف کردیتی ہے۔

اور علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سچی توبہ کے لئے چار باتیں ضروری ہیں:

(۱) **اَلْاِسْتِغْفَارُ بِاللِّسَانِ.** زبان سے استغفار کرنا۔

(۲) **اَلْإِقْلَاعُ بِالْأَبْدَانِ.** فوری طور پر اعضاء بدن کو گناہ سے الگ کرنا۔

(۳) **وَإِضْمَارُ تَرْكِ الْعَوْدِ بِالْجَنَانِ.** دل میں اُس گناہ کو کبھی نہ کرنے کا عزم کرنا۔

(٤) **وَمُهَاجَرَةُ سَيِّءِ الْإِخْوَانِ.** اور برے ساتھیوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا۔

(تفسير البغوي ١٢٢/٥ المكتبة الشاملة)

تقریباً اِسی طرح کی بات مفسر قرآن سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے۔ (تفسیر ابن عباس ۴۷۷/۱ الشاملۃ)

اورحافظ ابن حجر عسقلانیؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ’’فتح الباری شرح صحیح البخاری‘‘ میں ’’توبۂ نصوح‘‘ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَفِي الشَّرْعِ تَرْكُ الذَّنْبِ لِقُبْحِهِ، وَالنَّدَمُ عَلىٰ فِعْلِهِ، وَالْعَزْمُ عَلىٰ عَدَمِ الْعَوْدِ، وَرَدُّ الْمَظْلَمَةِ إِنْ كَانَتْ أَوْ طَلَبُ الْبَرَاءَةِ مِنْ صَاحِبِهَا. (فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب الدعوات / باب التوبة ١١/١١٦ دار البيان العربى)

اور شریعت کی نظر میں گناہ کو اُس کی برائی کی وجہ سے ترک کرنا اور اُس کے انجام دینے پر شرمندہ ہونا اور آئندہ اُسے کبھی نہ کرنے کا پختہ اِرادہ کرنا اور کسی پر اگر ظلم کیا ہو تو اُسے لوٹانا یا اُس سے معاف کرانا۔

اِس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ محض زبان سے توبہ واستغفار کافی نہیں؛ بلکہ توبہ کی سبھی شرائط اور تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہے، اِس کے بغیر توبہ کی قبولیت کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کی دعوت

سیدنا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حوالے سے متعدد باتیں اِرشاد فرمائیں، جن میں سے ایک بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يَا عِبَادِي إِنَّكُمْ تُخْطِئُوْنَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَأَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا، فَاسْتَغْفِرُوْنِي اَغْفِرْ لَكُمْ. (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب / باب تحريم الظلم ٢/٣١٩ رقم: ٢٥٧٧ النسخة الهندية)

اے میرے بندو! تم دن رات غلطیاں کرتے ہو اور میں سب گناہوں کو معاف کردیتا ہوں، اِس لئے مجھ سے ہی مغفرت طلب کرو، میں تمہیں بخش دوں گا۔

اور ایک دوسری روایت کے الفاظ اِس طرح ہیں:

يَا عِبَادِيْ! كُلُّكُمْ مُذْنِبٌ إِلَّا مَنْ عَافَيْتُ فَاسْتَغْفِرُوْنِيْ اَغْفِرْ. وَمَنْ عَلِمَ أَنِّيْ أَقْدِرُ عَلَى الْمَغْفِرَةِ فَاسْتَغْفَرَنِيْ بِقُدْرَتِيْ غَفَرْتُ لَهُ وَلَا أُبَالِيْ. (مسند أحمد، مسند الأنصار / حديث أبي ذر الغفاري ٢٩٤/٣٥ رقم: ٢١٣٦٧ مكة المكرمة)

اے میرے بندو! تم سب گنہگار ہو، مگر میں جسے عافیت سے نوازوں؛ لٰہذا مجھ ہی سے مغفرت طلب کرو، میں تمہیں مغفرت سے نوازوں گا۔ اور جو شخص یہ جانتے ہوئے کہ میں مغفرت پر قادر ہوں، پھر مجھ سے میری قدرت کے حوالے سے مغفرت کا طالب ہوتا ہے تو میں اُسے بالکل معاف کردیتا ہوں، اور میں کوئی پروا نہیں کرتا۔

دوسری فصل:

نبی اکرم ﷺ کا توبہ واستغفار کا اہتمام فرمانا

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ تُوبُوا إِلَى اللّٰهِ، فَإِنِّي أَتُوبُ فِي الْيَوْمِ إِلَيْهِ مِائَةَ مَرَّةٍ. (صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء / باب استحباب الاستغفار ٢/٣٤٦ رقم: ٢٧٠٢)

اے لوگو! اللہ کی طرف رجوع کر کے توبہ کیا کرو؛ کیوں کہ میں بھی ایک دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

اور ایک روایت میں سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرماتے تھے:

وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً. (صحيح البخاري، كتاب الدعوات / باب استغفار النبي صلى الله عليه وسلم في اليوم والليلة ٢/٩٣٣ رقم: ٦٣٠٧)

اللہ کی قسم! میں اللہ تعالیٰ سے ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ واستغفار کرتا ہوں۔

یہاں یہ سوال نہ کیا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر قسم کے گناہ سے محفوظ ومعصوم ہیں، پھر آپ کا روزانہ سو مرتبہ توبہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟

اِس لئے کہ اِس کا محمل یا تو یہ ہے کہ آپ نے اُمت کی تعلیم کے لئے توبہ واستغفار کا اہتمام فرمایا، یا یہ کہ بہت سی وہ باتیں جو دوسرے اُمتیوں کے لئے اگرچہ قابل مؤاخذہ نہیں، مگر آپ ﷺ اپنی قلبی صفائی کی بنیاد پر بعض فی نفسہٖ جائز باتوں کو بھی اپنی عظمت شان کے لحاظ سے نامناسب سمجھتے تھے، اور اُس پر توبہ واستغفار فرمایا کرتے تھے۔ (مستفاد: فتح الباری شرح صحیح البخاری ۱۲۲/۱۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

مؤمن پر گناہ کا بوجھ

مؤمن کی ایک اہم علامت یہ ہے کہ اُس سے اگر خدانخواستہ کوئی گناہ صادر ہوجاتا ہے تو وہ اپنے دل میں سخت انقباض اور نہایت بوجھ محسوس کرتا ہے، جب کہ فاسق وفاجر اور منافق شخص مسلسل گناہ کرتا رہتا ہے؛ لیکن اُسے کوئی پرواہ ہی نہیں ہوتی۔

سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک موقوف روایت میں اِس بات کو واضح کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا ہے کہ:

إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَأَنَّهُ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ، يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ، وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلَىٰ أَنْفِهِ فَقَالَ بِهِ هٰكَذَا – قَالَ أَبُوْشِهَابٍ بِيَدِهِ فَوْقَ أَنْفِهِ.

(صحيح البخاري ٩٣٣/٢ رقم: ٦٣٠٨)

مؤمن اپنے گناہوں کو ایسا محسوس کرتا ہے گویا کہ وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہو، اور اِس بات سے ڈر رہا ہو کہ پہاڑ اُس پر گر پڑے۔ جب کہ فاجر شخص کی نظر میں گناہوں کی حیثیت اُس مکھی کی طرح ہوتی ہے جو ناک پر بیٹھے، پھر اُسے ہاتھ کے ذریعہ اُڑا دیا جائے۔

اِس مثال سے واضح ہوا کہ جو شخص گناہوں پر انقباض محسوس نہ کرے تو اُس کا اِیمان کامل نہیں ہے۔

اور اگر آدمی اللہ کا خوف دل میں بٹھائے اور اپنے گناہوں سے ڈرتا رہے، تو اللہ تعالیٰ اُس کی ضرور مغفرت فرماتے ہیں۔

چناں چہ صحیح روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''پرانی اُمتوں میں ایک ایسا شخص تھا (جو اگرچہ مؤمن تھا؛ لیکن) جس کے نامۂ اعمال میں کوئی نیکی نہ تھی (اَب وہ اپنے گناہوں پر بہت ڈرا ہوا تھا، اِس لئے) جب اُس کے انتقال کا وقت آیا تو اُس نے اپنے سب گھر والوں کو جمع کرکے یہ کہا کہ ''جب میری موت آجائے تو مجھے جلا دینا، اور میری راکھ کے دو حصے کرکے ایک حصہ خشکی میں اڑا دینا، اور ایک حصہ سمندر میں بہا دینا؛ اِس لئے کہ اللہ کی قسم اگر میں اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں آگیا تو وہ مجھے ایسا عذاب دیں گے کہ دنیا میں کسی کو نہ دیا ہو''۔ چناں چہ گھر والوں نے ایسا ہی کیا، تو موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے بر و بحر کو اُس کے اجزاء حاضر کرنے کا حکم دیا، پس جب سارے اجزاء جمع ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے اُس سے پوچھا کہ: ''تمہیں اِس بات پر کس چیز نے آمادہ کیا؟'' تو اُس شخص نے جواب دیا کہ: ''اے رب! میں نے آپ کے عذاب کے ڈر سے ایسا کیا''۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے اِسی بات پر اُس کی بخشش کا فیصلہ فرمادیا''۔ (مسلم شریف، کتاب التوبۃ/ باب رحمۃ اللہ تعالیٰ ۳۵۶/۲، مجمع الزوائد، کتاب التوبۃ/ باب فیمن خاف من ذنوبہ رقم: ۱۷۴۸۷)

اِس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی وسعتِ رحمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

تیسری فصل:

توبہ کا دروازہ کھلا ہے

جب تک آدمی کے بدن میں جان موجود ہو اور موت کے آثار ظاہر نہ ہوں، اُس وقت تک اُس کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ عَبْدِهٖ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ. (سنن الترمذي، مجمع الزوائد رقم: ١٧٥٠٦)

اللہ تعالیٰ نزع کے عالم سے پہلے پہلے تک اپنے بندے کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔

اِسی طرح دنیا میں جب تک آخری درجہ کی علاماتِ قیامت (خروجِ دجال، خروجِ دابۃ الارض اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا) نہ ظاہر ہوں، اُس وقت تک توبہ کا دروازہ بند نہ ہوگا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا. (الانعام، جزء آیت: ١٥٨)

جس دن تیرے رب کی نشانیوں میں سے بعض ظاہر ہوجائیں گی تو جو شخص پہلے سے مؤمن نہ ہو، اُس کا ایمان لانا یا جس نے پہلے سے نیکی نہ کی ہو (اُس کا نیکی کرنا) کام نہ آئے گا۔

اور سیدنا حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

لِلتَّوْبَةِ بَابٌ بِالْمَغْرِبِ مَسِيْرَةَ

مغرب کی جانب توبہ کا ایک دروازہ ہے جو ستر

سَبْعِيْنَ عَامًا لاَ يَزَالُ كَذٰلِكَ حَتّٰى يَأْتِيَ بَعْضُ اٰيَاتِ رَبِّكَ طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا. (كنز العمال رقم: ١٠١٩١، كتاب التوبة / قسم الأقوال ٨٨)

سال کی مسافت کے بقدر چوڑا ہے، وہ اسی طرح کھلا رہے گا، یہاں تک کہ تیرے رب کی بعض علامتیں یعنی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (وغیرہ) ظاہر ہوجائیں۔

سیدنا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهٗ بِاللَّيْلِ لِيَتُوْبَ مُسِيْءُ النَّهَارِ وَيَبْسُطُ يَدَهٗ بِالنَّهَارِ لِيَتُوْبَ مُسِيْءُ اللَّيْلِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا. (صحيح مسلم / كتاب التوبة ٣٥٨/٢)

اللہ تعالیٰ رات میں ہاتھ کھولے رکھتے ہیں؛ تاکہ دن کا گنہگار توبہ کرلے، اور دن میں ہاتھ کشادہ رکھتے ہیں کہ رات میں گناہ کرنے والا باز آجائے، اور یہ سلسلہ (قیامت کے قریب) سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے وقت تک جاری رہے گا۔

اور سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ قریش مکہ نے نبی اکرم علیہ السلام سے یہ درخواست کی کہ ’’آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمایئے کہ وہ ہمارے لئے صفا پہاڑ کو سونا بنادیں، پس اگر وہ سونا بن جائے گا تو ہم آپ کی بات مان لیں گے‘‘۔ چناں چہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ ’’رب العالمین نے آپ کو سلام بھیجا ہے، اور یہ فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو اُن کے لئے صفا پہاڑ کو سونا بنادیا جائے؛ لیکن اِس کے باوجود اگر اُن میں سے کوئی بھی انکار کرے گا تو اُس کو ایسا عذاب دوں گا کہ آج تک عالم میں ایسا عذاب کسی کو نہ دیا ہوگا۔ اور اگر آپ چاہیں تو میں اُن کے لئے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھول دوں‘‘۔ تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ’’میں تو توبہ اور رحمت کا دروازہ ہی چاہتا ہوں‘‘۔ (مجمع الزوائد/ باب التوبۃ رقم: ۱۷۴۹۶)

چناں چہ یہ دروازہ آج بھی کھلا ہوا ہے، پس بڑے سے بڑا گنہگار کیوں نہ ہو، اُسے ہرگز اللہ سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔

بندے کی توبہ سے اللہ کو بہت خوشی ہوتی ہے

سیدنا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

لَـلّٰـهُ أَفْـرَحُ بِتَـوْبَةِ عَبْـدِهِ الَّذِيْ أَسْـرَفَ عَـلٰـى نَـفْسِـهٖ مِنْ رَجُلٍ أَضَلَّ رَاحِـلَتَـهُ، فَسَعٰى فِيْ بُغَائِهَا يَـمِيْنًا وَشِمَالاً، حَتّٰى أَعْيَا وَأَيِسَ مِـنْهَـا، وَظَـنَّ أَنَّهُ قَدْ هَلَكَ نَظَرَ فَـوَجَـدَهَــا فِـيْ مَـكَـانٍ لَمْ يَكُنْ يَرْجُوْا أَنْ يَّجِدَهَا، فَاللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ أَفْـرَحُ بَتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُسْرِفِ مِنْ ذٰلِكَ الـرَّجُلِ بِـرَاحِـلَتِهٖ حِيْنَ وَجَـدَهَـا. (مـجـمـع الزوائـد رقم: ١٧٤٩٨، ومثله في صحيح مسلم / كتاب التوبة ٢/٣٥٤)

یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ اُس بندے کی توبہ سے جس نے (گناہ کرکے) اپنے اوپر زیادتی کررکھی ہو، اُس شخص سے زیادہ خوش ہوتے ہیں جس نے (دورانِ سفر) اپنی سواری گم کردی ہو، پھر وہ اُس کی تلاش میں دائیں بائیں دوڑ لگائے، یہاں تک کہ جب وہ تھک کر مایوس ہوجائے اور اپنی ہلاکت کا گمان کرنے لگے، تو اچانک وہ دیکھے اور اُس سواری کو ایسی جگہ پائے جہاں ملنے کی اُمید نہ تھی، تو جتنی خوشی سواری ملنے پر اُس شخص کو ہوگی، اُس سے زیادہ خوشی اللہ تعالیٰ کو اپنے گنہگار بندے کی توبہ سے ہوتی ہے۔

بندوں پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی

اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ قیدی پیش کئے گئے، تو اُن میں ایک عورت تھی جو اپنے دودھ

پیتے بچے کو (بے قراری سے) تلاش کر رہی تھی، اور جب اُسے بچہ مل گیا تو اُس نے لپک کر اُسے گود میں لیا اور دودھ پلانے لگی، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ: ''بتاؤ! کیا یہ عورت خود اپنے بچہ کو آگ میں ڈالنا گوارا کرے گی؟'' تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ: ''یہ ہرگز تیار نہ ہوگی''۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَـلّٰـهُ أَرْحَـمُ بِـعِبَـادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا. (صحیح مسلم / کتاب التوبة ۳۵٦/۲)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اُس عورت کے اپنے بچہ پر سے زیادہ مہربان اور رحم فرمانے والے ہیں۔

اور سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام راستہ میں تشریف لے جا رہے تھے، اور کچھ صحابہ بھی آپ کے ساتھ تھے، تو ایک چھوٹا بچہ سڑک پر کھڑا تھا، تو جب اُس کی والدہ نے لوگوں کو آتے دیکھا تو اُسے یہ خطرہ ہوا کہ اُس کا بچہ کہیں لوگوں کے پیروں میں نہ آجائے، چناں چہ وہ بیٹا بیٹا کہہ کر دوڑتی ہوئی آئی اور بچہ کو گود میں اُٹھالیا، تو یہ منظر دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ ''اے اللہ کے رسول! یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈالنا گوارا نہیں کرسکتی''۔ تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کی تائید کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

وَلَا اللّٰـهُ يُلْـقِي حَبِيْبَهٗ فِيْ النَّارِ. (مجمع الزوائد رقم: ۱۷٦۰۹)

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے محبوب بندے کو آگ میں نہیں ڈالیں گے۔

پس جو رب ایسا مہربان ہو تو اُس کی رحمت سے مایوسی کا کیا سوال ہے؟

توبہ سے گناہ بالکل مٹ جاتے ہیں

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ. (مجمع الزوائد رقم: ۱۷۵۲۷)

گناہ سے توبہ کرنے والا شخص ایسا ہوجاتا ہے گویا اُس نے گناہ ہی نہ کیا ہو۔

اور ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص جن کا نام ''حبیب بن الحارث'' تھا، وہ نبی اکرم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول! میں بہت زیادہ گناہ کرنے والا آدمی ہوں''۔ تو نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''اے حبیب! اللہ سے توبہ کرلیا کرو''۔ تو اُنہوں نے عرض کیا کہ: ''میں توبہ کرتا ہوں مگر پھر گناہ ہوجاتا ہے''۔ تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''جب گناہ ہوجائے جبھی توبہ کرلو''۔ تو اُنہوں نے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! پھر تو میرے گناہ بہت ہوجائیں گے''۔ تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑا امید افزاء جواب ارشاد فرمایا:

عَفْوُ اللّٰہِ أَکْبَرُ مِنْ ذُنُوْبِکَ یَا حَبِیْبَ ابْنَ الْحَارِثِ! (مجمع الزوائد رقم: ۱۷۵۳۱)	اے حبیب بن الحارث! اللہ کی معافی تمہارے گناہوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔

اللہ اکبر! دیکھئے عفو وکرم اور مغفرت کا کیسا پیارا انداز ہے؟

چوتھی فصل:

بے حساب مغفرت

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا ابْنَ آدَمَ! إِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِيْ وَرَجَوْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ عَلىٰ مَا كَانَ مِنْكَ، وَلَوْ أَتَيْتَنِيْ بِمِلْءِ الْأَرْضِ خَطَايَا لَقِيْتُكَ بِمِلْءِ الْأَرْضِ مَغْفِرَةً مَا لَمْ تُشْرِكْ بِيْ، وَلَوْ بَلَغَتْ خَطَايَاكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِيْ لَغَفَرْتُ لَكَ. (مجمع الزوائد رقم: ١٧٦٢٨)

اے آدم کے بیٹے! جب تک بھی تو مجھے پکارتا رہے اور مجھ سے (رحمت ومغفرت کی) اُمید رکھے، تو میں تجھے ہر حالت میں معاف کرتا رہوں گا۔ اور اگر تو زمین بھر غلطیاں لے کر آئے گا، تو میں تجھے اُتنی ہی مغفرت سے نوازوں گا، جب تک تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اور اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں تک بھی پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے مغفرت کا طالب ہو تو میں تجھے (پھر بھی) معاف کردوں گا۔

سیدنا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: ’’ابلیس لعین نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے کہا تھا کہ تیری عزت وجلال کی قسم! جب تک کہ آدمیوں کے بدن میں روح موجود رہے گی، میں اُنہیں گمراہ کرنے کی مسلسل کوشش کرتا رہوں گا‘‘۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُس سے فرمایا:

فَبِعِزَّتِي وَجَلَالِي، لَا أَبْرَحُ أَغْفِرُ لَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِي. (مجمع الزوائد رقم: ۱۷۵۷۳)

میری عزت وجلال کی قسم! جب تک وہ بندے مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے، میں برابر اُنہیں معاف کرتا رہوں گا۔

ذرا اَندازہ لگایئے! اَرحم الراحمین کی طرف سے اپنے بندوں پر کس قدر شفقت اور محبت کا اِظہار ہے، جسے دیکھ کر بڑے سے بڑا گنہگار بھی اُس کی رحمتِ بے کراں سے ہرگز نا اُمید نہیں ہوسکتا۔

توبہ سے گناہ کا زنگ دور ہوتا ہے

گناہ کرنے سے دل پر زنگ لگ جاتا ہے، اَب اگر آدمی فوراً توبہ کرلے تو یہ زنگ صاف ہوجاتا ہے، اور اگر گناہ پر گناہ کرتا رہے تو زنگ پر زنگ لگنے کی وجہ سے دل بالکل کورا ہوجاتا ہے۔ چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيْئَةً نُكِتَتْ فِيْ قَلْبِهٖ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ، فَإِنْ هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ صَقَلَ قَلْبُهُ، وَإِنْ عَادَ زِيْدَ فِيْهَا حَتّٰى تَعْلُوَا عَلٰى قَلْبِهٖ، وَهُوَ الرَّانُ الَّذِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [المطففين: ١٤] (كنز العمال، كتاب التوبة / قسم الأقوال ٨٧)

جب انسان کوئی غلطی کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک کالا نکتہ لگ جاتا ہے، پھر اگر وہ گناہ سے استغفار اور توبہ کرلے، تو اُس کا دل صاف ہوجاتا ہے، اور اگر دوبارہ گناہ کرے، تو وہ کالا نکتہ بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ پورے دل پر غالب آجاتا ہے، یہی وہ زنگ ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِس آیت میں ذکر فرمایا ہے: ”ہرگز نہیں! بلکہ اُن کے دلوں پر اُن کی بدعملیوں کا زنگ چڑھ گیا ہے“۔

لہٰذا اِیمان کا تقاضا یہ ہے کہ دل کو زنگ آلود ہونے سے بچایا جائے، اور جلد از جلد توبہ واستغفار کا اہتمام کیا جائے۔

برے ماحول سے اجتناب کی ضرورت

اور توبہ کے بعد حتی الامکان توبہ پر ثابت قدم رہنے کی کوشش کرنی چاہیئے، اور اللہ سے کیئے ہوئے عہد کو نہ توڑنا چاہیئے، اور یہ جبھی ہو سکے گا جب کہ آدمی نافرمانی کے اسباب اور ماحول سے اپنے کو دور رکھے، اس کے بغیر توبہ پر استقامت انتہائی مشکل ہے۔

مثلاً کوئی آدمی شراب پیتا تھا، پھر اسے توبہ کی توفیق نصیب ہوئی، اور اُس نے سچی توبہ کرلی؛ لیکن اُس نے شرابی دوستوں کی دوستی اور شراب والی مجلسوں میں آمد ورفت کو ترک نہیں کیا، تو ہر وقت اس بات کا خطرہ لگا رہے گا کہ اس کی توبہ ٹوٹ جائے، اور وہ دوبارہ شراب پینے لگے، نعوذ باللہ من ذلک۔

یہی حال دیگر گناہوں کا بھی ہے کہ توبہ کے ساتھ ساتھ گناہ والے ماحول سے بھی اپنے کو بچانا ضروری ہے۔ اِس بات کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

سیدنا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ پرانی اُمتوں میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے آدمیوں کو قتل کردیا تھا (پھر اسے کچھ احساس ہوا اور) اس نے لوگوں سے پوچھا کہ ”روئے زمین میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟“

تو لوگوں نے ایک راہب (عبادت گذار) کا پتہ بتادیا۔

چناں چہ وہ شخص اُس راہب کے پاس گیا اور کہا کہ ”اس نے ۹۹؍آدمیوں کو ناحق قتل کردیا ہے، تو کیا اس کے لئے توبہ کی کوئی شکل ہے؟“

تو راہب نے منع کردیا (کہ اب تمہاری توبہ قبول نہیں ہے) تو اس نے اس راہب کو قتل کرکے سو کی تعداد پوری کرلی۔

اس کے بعد پھر لوگوں سے پوچھا کہ ”کسی بڑے عالم کا پتہ بتاؤ“۔ چناں چہ لوگوں نے ایک عالم کا نام بتایا، یہ شخص اُس عالم کے پاس پہنچا اور وہی سوال کیا کہ ”اُس نے سو آدمیوں کا قتل کردیا ہے، تو کیا اُس کی توبہ ممکن ہے؟“

تو عالم نے کہا کہ ''ہاں! (توبہ ہوسکتی ہے) توبہ میں کیا رکاوٹ ہے؛ لیکن یہ کام کرنا پڑے گا کہ تم فلاں آبادی میں چلے جاؤ، جہاں اللہ کے عبادت گذار بندے رہتے ہیں، اور اُن کے ساتھ عبادت میں مشغول ہوجاؤ، اور اپنی بستی میں کبھی لوٹ کرمت آنا؛ کیوں کہ یہ گنہگاروں کی بستی ہے''۔

عالم کی بات سن کر وہ شخص اپنی بستی سے نیک لوگوں کی بستی کی طرف روانہ ہوا، جب بالکل بیچ راستہ میں پہنچا تو اُس کی موت کا وقت آپہنچا اور ملک الموت حاضر ہوگئے۔

اَب رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں بحث شروع ہوگئی کہ اس آدمی کی روح کون سے فرشتے نکالیں؟ (رحمت والے یا عذاب والے)

رحمت کے فرشتے کہہ رہے تھے کہ ''یہ شخص توبہ کرکے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف جارہا ہے'' (اِس لئے رحمت کا مستحق ہے)

اور عذاب کے فرشتے کہہ رہے تھے کہ ''اس آدمی نے کبھی کوئی اچھا کام نہیں کیا'' (اِس لئے عذاب کا مستحق ہے)

اِسی دوران اُن کے پاس آدمی کی شکل میں ایک فرشتہ آیا، تو سب فرشتوں نے اُسے اپنا حکم بنالیا، تو اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ ''دونوں بستیوں کے درمیان پیمائش کرلو، اور یہ آدمی جس بستی کے قریب ہو، ویسا ہی اُس کے ساتھ معاملہ کرو''۔ چناں چہ جب ناپا گیا تو یہ شخص اس (نیک لوگوں والی) بستی کے قریب نکلا، جس طرف وہ جانے کا ارادہ کررہا تھا۔ بریں بنا رحمت کے فرشتوں نے اُس کی روح نکالی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ وہ جہاں سے آرہا ہے وہ پھیل جائے، اور جہاں جارہا ہے وہ سکڑ جائے، پھر جب ناپا گیا تو وہ منزل مقصود کی طرف ایک بالشت کے بقدر قریب نکلا''۔ (بخاری شریف حدیث: ۳۴۷۰، مسلم شریف حدیث: ۲۷۶۶، الترغیب والترہیب مکمل حدیث: ۴۵۳)

اس حدیث شریف سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بڑے سے بڑے گناہ کو معاف فرمادیتے ہیں، وہیں یہ بھی پتہ چلا کہ توبہ کرنے کے بعد گناہ کے ماحول سے دور ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ چناں چہ شارح بخاری علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

فَفِيهِ إِشَارَةٌ إِلىٰ أَنَّ التَّائِبَ يَنْبَغِي لَهُ مُفَارَقَةُ الْأَحْوَالِ الَّتِي اعْتَادَهَا فِي زَمَنِ الْمَعْصِيَةِ، وَالتَّحَوُّلِ مِنْهَا كُلِّهَا وَالِاشْتِغَالِ بِغَيْرِهَا. (فتح الباري ٦/٤٢٦ دار الكتب العلمية بيروت)

پس اس میں اِس جانب اشارہ ہے کہ توبہ کرنے والے کے لئے اُن احوال سے جدائی ضروری ہے جن کا وہ معصیت کے زمانہ میں عادی تھا، اور ایسی تمام چیزوں سے احتراز کرکے دیگر (جائز) مشاغل میں مشغول رہنے کی ضرورت ہے۔

اور شارح مسلم علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قَالَ الْعُلَمَاءُ: فِي هٰذَا اسْتِحْبَابُ مُفَارَقَةِ التَّائِبِ الْمَوَاضِعَ الَّتِي أَصَابَ بِهَا الذُّنُوبَ وَالْأَخْدَانَ الْمُسَاعِدِينَ لَهُ عَلىٰ ذٰلِكَ، وَمُقَاطَعَتِهِمْ مَا دَامُوا عَلىٰ حَالِهِمْ، وَأَنْ يَسْتَبْدِلَ بِهِمْ صُحْبَةَ أَهْلِ الْخَيْرِ وَالصَّلَاحِ وَالْعُلَمَاءِ وَالْمُتَعَبِّدِينَ الْوَرِعِينَ وَمَنْ يُقْتَدىٰ بِهِمْ وَيَنْتَفِعَ بِصُحْبَتِهِمْ، وَتَتَأَكَّدُ ذٰلِكَ

علماء نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے توبہ کرنے والے کا اُن جگہوں سے جدائی اختیار کرنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے، جہاں رہ کر وہ گناہوں کا مرتکب ہوا تھا۔ نیز ایسے ساتھیوں سے بھی دوری اختیار کرنا اور قطع تعلق کرنا پسندیدہ ہے جو اُس کے لئے گناہ پر مددگار ہوں، جب تک وہ برے حال پر قائم ہوں، اسی کے ساتھ ساتھ اُسے چاہئے کہ غلط لوگوں کے بجائے نیکی کرنے والوں اور علماء اور پرہیزگار عبادت گذاروں اور مقتدیٰ حضرات کی صحبت اختیار کرے، اور اُن

تَوْبَتُهٗ. (شرح النووي علىٰ مسلم / كتاب التوبة رقم: ٢٧٦٦ بيت الأفكار الدولية) سے فائدہ اٹھائے، اِس طریقہ پر اُس کی توبہ مزید مضبوط ہوگی۔ (ان شاء اللہ)

اور تجربہ سے اس بات کا مشاہدہ ہے کہ اگر آدمی گناہ کے اسباب سے دور نہ ہو، تو توبہ پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔

اسی کی روشنی میں موجودہ زمانہ میں انٹرنیٹ اور اسمارٹ فون وغیرہ کے استعمال کے بارے میں بھی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص ایسے آلات کو ضرورۃً استعمال کرے تو اُسے بالقصد اُن کے غلط استعمال سے بچنا لازم ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنے کو بچانے پر قدرت نہ رکھے، تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان سے دور رہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ فرمائیں، آمین۔

پانچویں فصل:

نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں

اگر کسی سے کوئی گناہ ہو جائے تو توبہ کے ساتھ ساتھ مزید نیکیاں کرنے کا اہتمام بھی کرنا چاہئے؛ اِس لئے کہ نیک اعمال چھوٹے موٹے گناہوں کے لئے خود بخود کفارہ بن جاتے ہیں۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی اجنبی عورت کے ساتھ کچھ نازیبا حرکت کر لی (بوسہ وغیرہ لے لیا) پھر اپنی غلطی کا احساس ہوا، اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ مجھ سے یہ غلطی ہوگئی ہے، آپ میرے اوپر جو چاہیں سزا جاری کریں، تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

اَقِمِ الصَّلاَةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ، اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئٰتِ، ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ. (هود: ١١٤)	نماز قائم فرمائیے دن کے دونوں کناروں اور رات کے کچھ حصہ میں، یقیناً نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں اور یہ یاد کرنے والوں کے لئے یاد دہانی ہے۔

تو اُس شخص نے سوال کیا کہ ”اے اللہ کے رسول! کیا یہ حکم صرف میرے لئے ہے؟“ تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ”میری امت کے ہر اس شخص کے لئے ہے جو یہ عمل کرے“۔ (مسلم شریف حدیث: ۲۷۶۳، بخاری شریف حدیث: ۵۲۶-۴۶۸۷)

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سفر میں جانے لگے تو آپ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نصیحت کی درخواست کی، تو

آپ نے ارشاد فرمایا: ''اُعْبُدِ اللّٰهَ وَلاَ تُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا''۔(یعنی اللہ کی عبادت کرو اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک مت قرار دو) تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے مزید نصیحت کی درخواست کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وَإِذَا أَسَأْتَ فَأَحْسِنْ، وَلِيُحْسِنْ خُلُقَكَ'' (یعنی جب تم سے کوئی غلطی ہو جائے تو کوئی نیک عمل کر لیا کرو، اور اپنے اخلاق اچھے رکھو) (رواہ ابن حبان، الترغیب والترہیب مکمل حدیث: ۴۷۴۸ بیت الافکار)

اور سیدنا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَحْسَنَ فِيمَا بَقِيَ غُفِرَ لَهُ مَا مَضىٰ وَمَنْ أَسَاءَ فِيمَا بَقِيَ أُخِذَ بِمَا مَضىٰ وَمَا بَقِيَ. (رواه الطبراني، الترغيب والترهيب مكمل حديث: ٤٧٤٦ بيت الأفكار الدولية)

جو شخص اگلی زندگی نیکیوں کے ساتھ گذارے، تو اُس کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جائیں گے، اور جو شخص مستقبل کی زندگی گناہوں میں گذارے تو اُس سے اگلے پچھلے سب گناہوں کا مؤاخذہ ہوگا۔

اور صحابیِ رسول ابوطویل شطب الممد ود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ ''ایسے شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس نے ہر طرح کے گناہ کر رکھے ہوں؟ کوئی گناہ چھوڑا ہی نہ ہو، اور اُس نے اپنی ہر خواہش پوری کی ہو، تو کیا اُس کے لئے بھی توبہ کی گنجائش ہے؟''

تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''کیا تم اسلام لا چکے ہو''؟

تو اُنہوں نے عرض کیا کہ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں''۔

تو یہ سن کر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن سے فرمایا کہ: ''نیکیاں کرتے رہو، اور برائیوں سے بچتے رہو، تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری سب (سابقہ) برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیں گے''۔

تو اُنہوں نے تعجب سے عرض کیا کہ ''میری تمام سرکشیاں اور نافرمانیاں بھی معاف ہوجائیں گی؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ہاں! وہ بھی معاف ہوجائیں گی''۔

یہ بشارت سن کر اُن صحابی کی زبان پر بلا اختیار ''اللہ اکبر'' کا ورد جاری ہوا، اور مجلس سے اُٹھ کر جاتے وقت جب تک وہ نظر سے اوجھل نہ ہوئے، یہی پڑھتے رہے۔ (الترغیب والترہیب مکمل رقم: ۴۷۵۳ بیت الافکار الدولیۃ)

ضروری وضاحت

واضح ہو کہ نیکیوں کے ذریعہ گناہوں کی خود بخود معافی اُس صورت میں ہے جب کہ صغیرہ درجہ کے گناہ ہوں؛ کیوں کہ کبائر بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ اور اگر ان کا تعلق بندوں کے حق سے ہو تو اس کے لئے حق کی ادائیگی یا رضامندی ضروری ہوتی ہے۔ چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال ناموں کے تین رجسٹر ہیں:

(۱) وہ اعمال جن کی معافی نہیں، یعنی کفر وشرک۔

(۲) حقوق اللہ میں کوتاہی (مثلاً نماز روزہ کی ادائیگی میں غفلت) تو ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، چاہے معاف کرے یا مؤاخذہ کرے۔

(۳) اور تیسرے نمبر پر وہ کوتاہیاں جن کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے (مثلاً کسی انسان کا مال غصب کرلیا، یا جانی نقصان پہنچایا، یا بے عزتی کی وغیرہ) تو اس میں یقیناً مؤاخذہ ہوگا، اور بدلہ دینا پڑے گا''۔ (مسند احمد/ مسند الصدیقۃ عائشہؓ حدیث: ۲۶۰۳۱)

لہٰذا کوئی شخص محض عبادت کرکے مطمئن نہ ہوجائے کہ بس اس کی وجہ سے ساری غلطیاں معاف ہوجائیں گی؛ بلکہ بڑے گناہوں سے سچی توبہ کرے، اور اگر اس کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو اسے ادا کرے یا معاف کرائے، اس کے بغیر اطمینان کا موقع نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر قسم کی کوتاہیوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

چھٹی فصل:

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی توبہ کے یادگار واقعات

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ مزاج بنایا تھا کہ ان کی نظر میں شریعت کے کسی حکم کی نافرمانی سب سے زیادہ اذیت اور تکلیف کا باعث تھی، اولاً تو وہ حتی الامکان معصیت سے دور رہنے کی کوشش فرماتے تھے،اوراگر کبھی اتفاقاً کوئی حکم عدولی ہوجاتی تو فوری طور پر اُس سے سچی توبہ اور دنیا ہی میں اُس کی تلافی کی فکر فرماتے تھے۔ اِس بارے میں متعدد واقعات دورِ نبوت میں موجود ہیں، جو ہم سب کے لئے عبرت ونصیحت کا بہترین سامان ہیں،جن میں سے چند واقعات بطور یاددہانی ذیل میں ذکر کئے جارہے ہیں:

حضرت ابولبابہ بن المنذر رضی اللہ عنہ کی توبہ

مدینہ منورہ کے قرب یہود کا ایک قبیلہ آباد تھا، جو ''بنوقریظہ'' کے نام سے مشہور تھا، اِس قبیلہ کے لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بڑا فتنہ برپا کررکھا تھا، اِنہوں نے ہی اہل مکہ کو مدینہ منورہ پر مل کر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی،جس کی بنا پر مکہ کے قبائل نے جمع ہوکر مدینہ منورہ پر اچانک حملہ کا منصوبہ بنایا،جس کے دفاع کے لئے راتوں رات خندقیں کھودی گئیں۔ مشرکین کا بڑا لشکر ایک مہینہ تک مدینہ منورہ کا محاصرہ کئے رہا، یہ اہل مدینہ کے لئے بڑا صبر آزما مرحلہ تھا، باہری دشمن کے ساتھ ساتھ اندرونی دشمنوں (آس پاس کے یہودی قبائل بالخصوص بنوقریظہ) کی ریشہ دوانیوں کا شدید خطرہ ہر وقت لاحق تھا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کی سازشوں کو ناکام فرمایا اور مشرکین کا لشکر ناکام ونامراد ہوکر واپس لوٹ گیا۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس معرکہ سے واپس تشریف لائے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ لگے ہاتھوں بنوقریظہ سے بھی نمٹ لیا جائے، اِس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری طور پر صحابہؓ کو بنوقریظہ کا محاصرہ کرنے کی تاکید فرمائی، چناں چہ محاصرہ شروع ہوگیا۔

اسی دوران بنوقریظہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ انصار مدینہ کے قبیلہ اوس کے ایک فرد ''ابولبابہ بن المنذرؓ'' کو اُن کے پاس مشورہ کے لئے روانہ کیا جائے؛ اس لئے کہ اُن کے پہلے سے اِس قبیلے سے تعلقات تھے۔

اِدھر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رجحان یہی تھا کہ بنوقریظہ کی مسلسل شرارتوں اور غداریوں کی وجہ سے اب اُن کے ساتھ کسی طرح کی نرمی کا معاملہ نہ کیا جائے؛ لیکن یہ بات پہلے سے ظاہر کرنی مصلحت کے خلاف تھی۔ کوشش یہی کی جارہی تھی کہ اولاً وہ بلا کسی شرط کے اپنے کو مسلمانوں کے حوالے کردیں، پھر اُن کے ساتھ فیصلہ کن معاملہ کیا جائے۔

بہرحال جب حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بنوقریظہ کے پاس تشریف لے گئے، تو اس قبیلہ کے سرداروں نے اُن سے یہ سوال کیا کہ اگر ہم پیغمبر علیہ السلام کے حکم پر قلعے سے نیچے اتر آئیں تو ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ تو حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گردن کی طرف اِشارہ کرکے فرمایا کہ ''سب قتل کئے جاؤگے''۔

ظاہر ہے کہ یہ اِشارہ کرنا ایک طرح سے پیغمبر علیہ السلام کے راز کو ظاہر کرنا تھا، جس کا حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو فوری طور پر احساس ہوا، اور اُنھوں نے قسم کھالی کہ: ''اب کوئی چیز نہ چکھوں گا؛ تا آں کہ میری موت آجائے یا اللہ تعالیٰ میرے گناہ کی توبہ قبول فرمالیں''۔ اور پھر مسجد نبوی میں آکر اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا، اور مسلسل ۹؍دنوں تک اسی طرح بندھے رہے، حتیٰ کہ کمزوری کی وجہ سے غشی طاری ہونے لگی (صرف نماز کے وقت اُنھیں کھولا جاتا تھا) بالآخر اُن کی توبہ کی آیت قرآنِ کریم میں نازل ہوئی، جو درج ذیل ہے:

وَآخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ، اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (التوبة: ۱۰۲)

اور بعض وہ لوگ ہیں کہ اُنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا، اور نیک اعمال کے ساتھ برے عمل کو ملایا تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو معاف کردے، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اِس آیت کے نزول کے بعد لوگوں نے انہیں توبہ کی بشارت سنائی، اور اُنہیں ستون سے کھولنے کا اِرادہ کیا، تو اُنہوں نے قسم کھائی کہ: ''مجھے صرف نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی آ کر کھولیں گے''۔ چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود اُن کی رسی کو کھولا، تو حضرت ابولبابہؓ نے فرمایا کہ: ''میں نے نذر مانی تھی کہ میں اپنے مال کو صدقہ کردوں گا''۔ یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں تہائی مال صدقہ کرنے کا مشورہ دیا۔ (قالہ الزہری ومجاہد، ملخص: تفسیر ابن کثیر مکمل ۶۷۵ و ۶۲۸ دار السلام ریاض)

اِس واقعہ سے حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایمانی حمیت اور خوفِ خدا کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مسجد نبوی میں جس ستون سے حضرت ابولبابہ نے اپنے کو باندھا تھا، وہ ستون ''ریاض الجنۃ'' کے حصہ میں ''اسطوانہ توبہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

(اور بعض حضرات مفسرین نے توبہ کے اس واقعہ کا تعلق حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے سے قرار دیا ہے) (تفسیر ابن کثیر وغیرہ)

حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کی توبہ

اِسلام میں حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شادی شدہ آزاد شخص نعوذ باللہ زنا کاری میں مبتلا ہوجائے، اور اُس کا شرعی طور پر ثبوت بھی ہوجائے تو اِسلامی حکومت میں اُس پر رجم یعنی سنگ ساری کی سزا جاری کی جاتی ہے، اور اتنی سخت سزا اِس لئے جاری کی گئی؛ تاکہ بدکاروں کو عبرت حاصل ہوسکے۔ بلاشبہ یہ ایسی سزا ہے جس کے تصور ہی سے لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

اتفاق یہ کہ ایک مخلص صحابی حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ سے یہ برائی صادر ہوگئی، جس کا اُنہیں بعد میں بڑا احساس ہوا، اور یہ فکر ہوئی کہ اِس کی جو بھی سزا ہے وہ دنیا میں بھگت لی جائے؛ تاکہ آخرت میں کوئی مؤاخذہ نہ ہو؛ چناں چہ وہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چار مرتبہ صراحت کے ساتھ اپنے جرم کا اقرار کیا، جس کی بنا پر آپ نے پوری تحقیق کرکے اُن پر رجم کی سزا جاری کرنے کا حکم دیا، چناں چہ یہ سزا اُن پر جاری کی گئی۔

سنگساری کے دوران تکلیف کی وجہ سے وہ اِدھر اُدھر دوڑ رہے تھے تو وہاں موجود دو شخصوں کی زبان پر یہ بات آگئی کہ: ''ماعز کو دیکھو! اللہ تعالیٰ نے تو اس کے جرم کی ستر پوشی فرمائی تھی؛ مگر اِس نے خود ہی اپنا راز کھول دیا، جس کی وجہ سے اُسے کتے کی طرح مارا جارہا ہے''۔

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان دونوں شخصوں کی اِس بات کی خبر ہوگئی، آپ نے اُس وقت تو کچھ نہیں فرمایا، مگر ایک موقع پر آپ تشریف لے جارہے تھے، تو راستے میں ایک مردار گدھا پھولا ہوا پڑا تھا، جس کی ٹانگیں آسمان کی طرف ہورہی تھیں، تو آپ نے وہاں توقف فرمایا، پھر اُن دونوں آدمیوں کا نام لے کر پکارا، جنہوں نے حضرت ماعز اسلمیؓ پر سنگ ساری کے وقت تبصرہ کیا تھا، اور جب وہ دونوں حاضر ہوگئے تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ: ''اِس مردار گدھے کو کھاؤ'' اُنہوں نے تعجب سے پوچھا کہ ''اے اللہ کے رسول اِسے کون کھا سکتا ہے؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جو تم نے اپنے بھائی ماعز کی بے عزتی کی تھی، وہ اِس مردار گدھے کے کھانے سے زیادہ برا عمل تھا''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، ماعز اِس وقت جنت کی نہروں میں غوطہ لگارہے ہیں''۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کی مغفرت فرمادی ہے) (ملخصاً: سنن ابی داؤد ۲/ ۶۰۶-۶۰۸)

اس واقعہ میں ہم سب کے لئے بڑی عبرت کا موقع ہے، اول تو یہ کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ نے اللہ کے خوف سے آخرت کے عذاب سے بچنے کے لئے بالقصد اپنی جان کی قربانی پیش کی، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ جب اُنہوں نے توبہ کرلی تو اب کسی کو اُن کے اوپر غلط تبصرہ کرنے کا حق نہ رہا، چناں چہ جن لوگوں نے رجم کے وقت میں اُن کے بارے میں نازیبا باتیں کہیں، تو نبی اکرم علیہ السلام نے اُس پر سخت انداز میں نکیر فرمائی؛ تاکہ دوسروں کو بھی تنبیہ ہو۔

پس اِسلامی تعلیم یہی ہے کہ توبہ اور رجوع کے بعد بڑے سے بڑے گنہگار کو مطعون کرنے کی ہرگز گنجائش نہیں ہے۔

ایک جہنی غامدی عورت کی توبہ کا واقعہ

اسی طرح سے قبیلہ جہینہ/ غامد کی ایک عورت کا واقعہ احادیث شریفہ میں مذکور ہے کہ اُس نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آ کر یہ اقرار کیا کہ ''وہ زنا سے حاملہ ہے''۔ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کے ولی کو بلاکر فرمایا کہ: ''بچے کی پیدائش تک اس کی اچھی طرح سے دیکھ ریکھ کرو''۔

چناں چہ وضع حمل کے بعد اُس عورت کو لایا گیا، تو نبی اکرم علیہ السلام نے اُس کو اچھی طرح کپڑوں میں لپیٹ کر سنگسار کرنے کا حکم دیا، اور رجم کے بعد اُس کی نماز جنازہ پڑھنے کو کہا، تو سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب سے پوچھا کہ ''جس عورت نے زنا کیا ہے؛ کیا ہم اُس کی نماز جنازہ ادا کریں؟'' اِس پر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِيْنَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَوَسِعَتْهُمْ، وَهَلْ وَجَدْتَّ أَفْضَلَ مِنْ أَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا؟ (سنن أبي داؤد ٦٠٩/٢)

اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ مدینہ کے ستر لوگوں میں تقسیم کی جائے تو سب کے لئے کافی ہوجائے، اور کیا تم اُس سے کسی کو افضل پاسکتے ہو کہ اُس نے (اللہ کے ڈر سے) اپنی جان کی قربانی دی ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ عورت پر اُس وقت تک

حد جاری نہیں فرمائی، جب تک کہ اُس کا بچہ دودھ کے علاوہ دیگر کھانا کھانے کے قابل نہ ہوگیا، پھر اُس بچہ کو آپ نے کسی مسلمان شخص کے سپرد فرمایا، اور ایک گڈھا کھود کر اُس عورت پر رجم کی سزا جاری کرنے کا حکم دیا۔ حضرت خالد ابن الولید رضی اللہ عنہ بھی اُس پر رجم کرنے والوں میں شامل تھے، رجم کے دوران اُس عورت کے خون کی کوئی چھینٹ حضرت خالدؓ کے چہرہ پر پڑ گئی، تو اُنہوں نے اُس عورت کو برا بھلا کہا، یہ سن کر نبی اکرم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

مَهْلاً يَا خَالِدُ! لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهُ.

(سنن أبي داؤد ۲/ ۶۱۰)

اے خالد رکو! اِس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ناحق ٹیکس وصول کرنے والا شخص بھی ایسی توبہ کرتا تو اُس کی مغفرت ہو جاتی۔

بلاشبہ یہ واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاکیزہ معاشرے کی بہترین نشانی ہے۔ صحابہ بے شک معصوم نہ تھے؛ لیکن پیغمبر علیہ السلام کی صحبت ومعیت سے اُن کے دلوں میں وہ اِیمانی حرارت اور دینی حمیت موجزن تھی، کہ وہ ایک لمحہ بھی اللہ کی ناراضگی کو برداشت نہ کرسکتے تھے۔

تاہم اِس طرح کے واقعات پر کسی بھی صحابی سے ادنیٰ سی بدگمانی کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

ہمارے اُستاذ معظم فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو بعض برے اعمال صادر ہوئے، تکوینی طور پر اُن کے اندر بھی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں، مثلاً مذکورہ واقعات ہی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں زنا کی باقاعدہ سزاؤں کا اِجراء اُسی وقت ہوسکتا تھا، جب کہ کوئی مجرم پایا جائے، اِس لئے ایسے واقعات رونما ہوئے، جن کی بدولت شرعی احکامات کی تنفیذ وتعمیل کی صورتیں اُمت کے سامنے واضح ہوئیں؛ لیکن جو حضرات بھی اِس عمل کے لئے من جانب خداوندی مبتلا ہوئے، ہاتھوں ہاتھ اُن کی توبہ اور طہارت کا بھی نہ صرف انتظام کیا گیا؛ بلکہ زبانِ نبوت سے اعلان واظہار بھی ہوا۔ اِس لئے آج کسی بھی شخص کو اُن پر بے جا تبصرہ کرنے کی، یا اُن کے

بارے میں توہین آمیز گفتگو کرنے کی ہرگز گنجائش نہیں ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہر صحابی خواہ کسی بھی درجہ کا ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے بہرہ ور ہے، اور ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ'' کا بشارت آمیز پروانہ اسے ملا ہوا ہے؛ لہٰذا بعد میں کسی ''کندۂ تراش'' کو ان میں سے کسی پر بھی اُنگلی اُٹھانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور پوری اُمت کو صحابہ کرامؓ کی عظمت دل میں بٹھانے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

ساتویں فصل:

حضرت کعب بن مالکؓ اور اُن کے ساتھیوں کی توبہ

ہجرت مدینہ کے نویں سال میں اسلامی تاریخ کا ایک اہم ترین واقعہ پیش آیا، وہ یہ کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع ملی کہ قیصر روم نے ملک شام کی سرحد پر ''تبوک'' کی جانب اپنی فوجیں بڑی تعداد میں جمع کرنی شروع کر دی ہیں، اور اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ سب مل کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوں۔

چناں چہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فوری طور پر اس کا سدِ باب ضروری خیال فرمایا، اور مقابلہ کی تیاری شروع کر دی، اور چوں کہ آمدہ خبروں کے مطابق دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی، اور سفر بھی طویل تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں شرکت کے لئے اعلانِ عام فرمایا؛ گویا کہ ہر غیر معذور مسلمان مرد کے لئے اس اِقدام میں شرکت ضروری اور فرض قرار دی گئی (واضح ہو کہ اسلامی شریعت میں اگر چہ ''جہاد'' فرضِ کفایہ کے درجہ میں ہے؛ لیکن کبھی خصوصی حالات میں اس کو فرضِ عین کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے) (فتح الباری ۸/۱۵۶)

جس وقت یہ واقعہ پیش آیا اُس وقت گرمی شدید تھی، عرب میں عام طور پر قحط سالی کا دور دورہ تھا۔ دوسری طرف مدینہ منورہ میں کھجوریں پک رہی تھیں (جن پر اہل مدینہ کی معیشت کا مدار تھا) اِن وجوہات سے اِس غزوہ میں شرکت ایک مستقل آزمائش اور امتحان کی حیثیت رکھتی تھی۔

لیکن اس سخت مرحلہ میں حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری اور وفا شعاری قابلِ دید تھی، ہر ایک اپنی وسعت سے زیادہ بڑھ چڑھ کر تیاری میں حصہ لے رہا تھا، اور جان و مال کی قربانی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو گھر کا پورا ساز و سامان ہی سمیٹ کر لے آئے، اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں ڈال دیا۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے سامان کا آدھا حصہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستہ میں پیش کر دیا۔ (ترمذی شریف ۲/۲۰۸)

اور سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تو وہ مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک روشن رہے گی، آپ نے نہ صرف یہ کہ تین سو اونٹ ساز و سامان سمیت پیش فرمائے؛ بلکہ ایک ہزار دینار بھی نذر فرمائے، جس پر پیغمبر علیہ السلام نے خوش ہوکر دو مرتبہ یہ فرمایا: ''**مَا ضَرَّ عُثْمَانُ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ**''. (سنن الترمذي ۲/ ۲۱۱) (یعنی آج عثمانؓ نے ایسا کام کیا ہے کہ زندگی بھر کے گناہوں کے لئے کفارہ بننے کے لئے کافی ہے)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ: ''اے اللہ! آج میں عثمان سے راضی ہوں، آپ بھی اُن سے راضی ہوجائیے''۔ (الروض الانف ۴/۲۹۳)

الغرض ہر طرف فدائیت کا ماحول تھا؛ تا آنکہ رجب ۹ھ ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں کم وبیش ۳۰/ ہزار جاں نثار صحابہ کا لشکر جرار ملک شام کی سرحد کے قریب علاقہ ''تبوک'' کی طرف روانہ ہوا۔ نبی اکرم علیہ السلام نے مدینہ منورہ میں سیدنا حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا، جب کہ اہل خانہ کی نگرانی کے لئے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مقرر فرمایا۔ (بخاری شریف ۲/۶۳۳)

اِس غزوہ میں وہ تمام مخلص صحابہؓ شامل ہوئے جن کو کوئی جسمانی عذر وغیرہ نہ تھا؛ البتہ تین صحابہ ایسے تھے جو اگرچہ مخلص تھے؛ لیکن لاپرواہی یا اہل خانہ کی محبت میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے ساتھ نہ جا سکے۔ وہ تین صحابہ یہ ہیں:

(۱) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ۔

(۲) حضرت مرارہ بن الربیع رضی اللہ عنہ۔

(۳) حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ۔

ان میں سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنا پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، جس میں آنے والوں کے لئے بڑی عبرت اور نصیحت کے پہلو پائے جاتے ہیں، اِس لئے تلخیص کے ساتھ ذیل میں وہ واقعہ نقل کیا جا رہا ہے، جو صحیح سندوں سے منقول ہے:

سیدنا حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''میں غزوۂ تبوک کے علاوہ کسی غزوہ میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جانے سے پیچھے نہیں رہا؛ البتہ غزوۂ بدر میں بھی میں نہیں جا سکا تھا؛ لیکن اس پر کسی سے مؤاخذہ نہیں کیا گیا؛ کیوں کہ وہ غزوہ اچانک پیش آیا تھا، اور مدینہ منورہ سے نکلتے وقت صرف قریش کے قافلہ کا تعاقب پیش نظر تھا، اور بدر میں جو جنگ پیش آئی، وہ پہلے سے طے شدہ نہ تھی، اور میں ہجرت سے پہلے منیٰ میں ''بیعتِ عقبہ'' میں شامل تھا، جس میں ہم نے اسلام پر ثابت قدمی اور اس کے تعاون پر عہد و میثاق کیا تھا، اور میں بدر میں شرکت کے مقابلہ میں بیعت عقبہ میں شمولیت کو زیادہ پسند کرتا ہوں، اگرچہ بدر کا واقعہ لوگوں میں زیادہ مشہور رہا ہے''۔

اِس تمہید کے بعد حضرت کعب فرماتے ہیں کہ ''غزوۂ تبوک کے بارے میں میرا واقعہ یہ ہے کہ میں اس غزوہ کے موقع پر جتنا طاقتور اور مال دار تھا، اس سے پہلے کبھی نہ رہا تھا، اللہ کی قسم میرے پاس اس سے پہلے کبھی بھی دو سواریاں جمع نہیں ہوئی تھیں، اس غزوہ میں میں دو سواریوں کا مالک تھا، اور عام طور پر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپ کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو (حکمت عملی کے طور پر) دوسری جانب جانے کا اشارہ فرماتے تھے؛ تا آں کہ غزوۂ تبوک پیش آیا جو شدید گرمی کے زمانہ میں تھا، جس میں طویل سفر اور بے آباد علاقہ

سے گذرنا اور بڑی تعداد میں جمع دشمن سے مقابلہ درپیش تھا، اس لئے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلامؐ نے مسلمانوں کے سامنے پوری حقیقت واضح فرمادی؛ تاکہ وہ غزوہ کے لئے اچھی طرح تیاری کرسکیں، اور جس علاقہ (تبوک) کی طرف جانا مقصود تھا وہ آپ نے اُجاگر فرمادیا"۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ آگے فرماتے ہیں کہ "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی کہ کسی رجسٹر میں اُن کے نام لکھے نہیں جاسکتے تھے، اور اس کثیر تعداد کی بنا پر ہر آدمی یہ سمجھتا تھا کہ اگر وہ اس غزوہ سے غائب رہا تو اس کا نام اس وقت تک واضح نہ ہوگا جب تک کہ اس کے بارے میں اللہ کی طرف سے وحی نازل نہ ہوجائے۔

نیز اس غزوہ کے وقت کھجوریں پک رہی تھیں اور باغ بھرے پڑے تھے، اور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے رخت سفر باندھ لیا اور میں ہر روز سامانِ سفر تیار کرنے کا ارادہ کرتا؛ لیکن پھر لوٹ آتا اور کوئی فیصلہ نہ کرپاتا، اور دل میں یہ سوچتا تھا کہ میں تو جانے کی قدرت رکھتا ہوں (جب چاہوں گا اُٹھ کر چل دوں گا) میں اسی ٹال مٹول میں رہا؛ تا آں کہ روانگی کا دن آگیا، اور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سمیت روانہ ہوگئے، اور میں کچھ تیاری نہ کرسکا، اور دل میں یہ سوچتا رہا کہ ایک دو دن کے بعد تیاری کرکے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جاؤں گا، کئی دن اسی میں گذر گئے، کاش کہ میں ایسا کرلیتا؛ لیکن یہ میرے مقدر میں نہ تھا۔

اَب حال یہ تھا کہ جب حضور ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد مدینہ منورہ میں نظر ڈالتا اور اِدھر اُدھر جاتا آتا تھا، تو میرے دل میں اِس بات کی بڑی خلش ہوتی تھی کہ یا تو اس وقت مدینہ میں وہ لوگ نظر آرہے تھے، جن پر نفاق کی تہمت لگی ہوئی تھی، یا وہ لوگ نظر آرہے تھے جو ضعف یا بیماری کی وجہ سے عند اللہ معذور تھے"۔

آگے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "مدینہ منورہ سے روانہ ہونے کے بعد نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرا کوئی تذکرہ نہ فرمایا؛ تا آں کہ آپ تبوک پہنچ گئے، تو

آپ نے وہاں مجلس میں فرمایا کہ کعب بن مالک کو کیا ہوا؟ (یعنی وہ غزوہ میں ساتھ کیوں نہیں آئے؟) تو بنوسلمہ کے ایک شخص نے کہا کہ: "**یَا رَسُولَ اللّٰہِ! حَبَسَهُ بُرْدَاهُ وَنَظَرُهُ فِي عِطْفَيْهِ**" (یعنی اے اللہ کے رسول! کعب بن مالک کو ان کی چادروں نے اور اپنے دونوں جانب (عجب کے ساتھ) نظر کرنے نے روک دیا ہے) تو اسی مجلس میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو جواب دیتے ہوئے کہا: "**بِئْسَ مَا قُلْتَ، وَاللّٰہِ مَا عَلِمْنَا فِيْهِ إِلَّا خَيْرًا**" (یعنی تم نے بہت برا کہا، اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! ہم نے کعب بن مالکؓ میں خیر کے علاوہ کچھ نہیں جانا)"۔

اُدھر یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب "تبوک" میں خیمہ زن ہوئے، تو دشمن پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ کوئی مقابلہ پر نہ آیا، اور اطراف وجوانب کے قبائل نے جزیہ کی شرط پر نبی اکرم علیہ السلام سے صلح کرلی، اور اِس طرح بغیر جنگ کے اِس معرکہ میں فتح حاصل ہوئی، اور چند روز قیام فرما کر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واپسی کا اِرادہ فرمایا۔ (طبقاتِ ابن سعد وغیرہ بحوالہ: غزوۂ تبوک ویکی پیڈیا)

اس کے بعد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "جب مجھے پتہ چلا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لانے والے ہیں، تو مجھے فکر لاحق ہوئی (کہ کیا جواب دوں گا) تو میں جھوٹی بات بنانے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ناراضگی سے بچنے کی تدبیروں کے بارے میں سوچنے لگا اور اپنے گھر والوں میں جو سمجھ دار لوگ تھے، ان سے مشورے کرنے لگا؛ تا آں کہ جب یہ معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریب تشریف لا چکے ہیں، تو میرے دل میں سارے باطل خیالات خود بخود مٹ گئے اور مجھے یقین ہوگیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بول کر میں ہرگز نجات نہ پاسکوں گا، اِس لئے میں نے حضور علیہ السلام سے بہر حال سچ بولنے کا پختہ عزم کرلیا۔

چناں چہ اگلے دن صبح کے وقت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ رونق افروز

ہوئے، اور آپ کا معمول مبارک یہ تھا کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو اولاً مسجد میں تشریف فرما ہوتے تھے، اور تحیۃ المسجد اَدا فرمانے کے بعد لوگوں سے ملاقاتیں فرماتے تھے، چناں چہ جب آپ مسجد میں تشریف فرما ہوئے تو غزوۂ تبوک سے (بلا عذر) پیچھے رہ جانے والے منافقین جن کی تعداد ۸۰؍سے زائد تھی، اُنہوں نے قسمیں کھا کر جھوٹے اعذار بیان کرنے شروع کردئے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اعذار برملا قبول فرماتے رہے، اور ان سے بیعت لے کر استغفار فرماتے رہے، اور ان کے اندرونی احوال کو اللہ تعالیٰ کے حوالے فرماتے رہے''۔

آگے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''جب میں نے حاضر ہوکر سلام عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھ کر اِس طرح مسکرائے جیسے کوئی ناراض شخص مسکراتا ہے، پھر آپ نے مجھے قریب بلایا، چناں چہ میں آپ کے سامنے آکر بیٹھ گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تمہارے پیچھے رہ جانے کا کیا سبب بنا؟ کیا تم نے سفر کے لئے سواری خریدی نہ تھی؟'' میں نے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! یقیناً میں نے سواری خرید لی تھی؛ لیکن اللہ کی قسم! اگر میں آپ کے علاوہ دنیا میں کسی اور کے سامنے بیٹھتا، تو آپ دیکھ لیتے کہ میں کیسا عذر کر کے اس کی ناراضگی سے نکل جاتا؛ کیوں کہ اللہ کی طرف سے مجھے بات بنانے اور مباحثہ کرنے کی خاص صلاحیت عطا ہوئی ہے؛ لیکن قسم بخدا! میں جانتا ہوں کہ اگر میں نے آپ کو خوش کرنے کے لئے جھوٹ بولا، تو عنقریب اللہ تعالیٰ (حقیقت حال کھول کر) آپ کو مجھ سے ناراض کردیں گے؛ لیکن اگر آج میں نے سچ بولا، تو ممکن ہے کہ آپ اس وقت ناراض ہوں؛ لیکن مجھے امید ہے کہ بعد میں اللہ تعالیٰ معافی اور درگذر کا معاملہ فرمائیں گے، اِس لئے میں سچ بولتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ اللہ کی قسم! مجھے کوئی عذر نہ تھا، اللہ کی قسم! اس وقت سے زیادہ میں کبھی اتنا طاقتور اور مالدار نہ تھا''۔

یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اس شخص نے واقعی سچ بولا ہے، اب تم جاؤ؛ تاآں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ فرمائیں''؛ چناں چہ میں اُٹھ کر چلا آیا۔

جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اُٹھ کر چلا تو قبیلہ بنو سلمہ کے کچھ لوگ میرے پیچھے آ کر کہنے لگے کہ ''ہم نے اس سے پہلے آپ سے کوئی کوتاہی اور غلطی نہیں دیکھی، اور آپ نے پیچھے رہ جانے والے دیگر لوگوں (منافقوں) کی طرح کوئی عذر کیوں نہ پیش کیا؟ پھر آپ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بعد میں معافی مانگ لیتے، اور بات درگذر ہو جاتی''۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''وہ لوگ میرے اس قدر سر ہوئے کہ میں نے واپس جا کر پیغمبر علیہ السلام سے معذرت کرنے کا ارادہ کرلیا، مگر پھر میں نے پوچھا کہ کیا اس طرح کے معاملہ میں میرے ساتھ اور کوئی بھی ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ تمہارے علاوہ دو شخصوں (مرارہ بن الربیع العمودی اور ہلال بن امیہ الواقفی) نے بھی وہی بات کہی ہے جو تم نے کہی۔

یہ دونوں نیک لوگ تھے، اور بدری صحابہؓ میں سے تھے، ان کے عمل میں میرے لئے بہترین نمونہ تھا، اس لئے جب اُن کا ذکر ہوا تو میں نے اپنا دل پکا کرلیا''۔

مقاطعہ کی بے مثال تعمیل

اِس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ کوئی ہم تینوں سے سلام وکلام نہ کرے، تو لوگوں نے ہم سے مکمل کنارہ کشی اختیار کرلی، اور سب گویا کہ اجنبی بن گئے، اور میں اپنے ہی شہر میں پردیسی بن گیا، اور ایسا لگنے لگا جیسے میرا اِس بستی سے کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔ اسی حال میں ہم نے پچاس راتیں گذاریں، میرے دونوں ساتھی تو عاجزی کے ساتھ گھر میں بیٹھ گئے، اور وہ مسلسل روتے رہے؛ لیکن میں چوں کہ ان میں سب سے زیادہ جوان اور طاقتور تھا، تو میں گھر سے باہر بھی جاتا آتا تھا، اور مسلمانوں کے ساتھ نماز باجماعت میں شریک بھی ہوتا تھا، اور بازاروں میں بھی گشت کرتا تھا؛ لیکن مجھ سے کوئی گفتگو نہ کرتا تھا؛ حتی کہ میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام بھی عرض کرتا اور یہ دیکھتا رہتا کہ آپ میرے سلام کے جواب میں اپنے مبارک ہونٹوں کو حرکت دیتے ہیں یا نہیں، پھر میں آپ کے قریب ہی کھڑے ہو کر نماز پڑھتا، اور دورانِ نماز نظریں چرا کر دیکھتا رہتا، تو میں دیکھتا کہ جب میں نماز

میں مشغول ہوتا تو حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے دیکھتے، اور جب میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ اعراض فرمالیتے؛ یہاں تک کہ لوگوں کی بے رخی سے تنگ آ کر ایک روز میں اپنے چچازاد بھائی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ کی دیوار پھلانگ کر اُن کے پاس پہنچا، جن سے میری سب سے زیادہ دوستی تھی، میں نے ان کو جا کر سلام کیا، مگر واللہ اُنہوں نے سلام کا جواب تک نہیں دیا۔ تو میں نے اُن کو قسم دلا کر پوچھا کہ ''ابوقتادہ! کیا تمہیں نہیں معلوم کہ میں اللہ اور اُس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں؟'' مگر وہ پھر بھی خاموش رہے، کوئی جواب نہ دیا، میں بار بار قسم دلا کر اُن سے پوچھتا رہا، مگر انہوں نے صرف اتنا کہا کہ: ''اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ أَعْلَمُ'' (یعنی اللہ اور اس کے رسول کو معلوم ہے) یہ سن کر میری آنکھیں بہہ پڑیں، اور میں مڑ کر دیوار کے راستے سے واپس آ گیا''۔

(اللہ اکبر! اطاعت رسول کا کیا بے نظیر نمونہ ہے؟ کہ جب حضور نے مقاطعہ کا عمومی اعلان فرمایا تو یکلخت سارے رشتے فراموش کر دیئے گئے۔ بلاشبہ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اس عظیم تعمیل حکم پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی جس قدر بھی تعریف کی جائے؛ کم ہی کم ہے۔ (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ)

شاہ غسان کی پیش کش پر حضرت کعب بن مالکؓ کا مثالی ردِ عمل

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''اسی دوران ایک روز میں مدینہ منورہ کے بازار سے گذر رہا تھا، تو ملک شام کا ایک عیسائی کاشت کار جو اپنا غلہ بازار میں بیچنے کے لئے مدینہ منورہ آیا ہوا تھا، وہ بازار میں لوگوں سے پوچھ رہا تھا کہ ''مجھے بتاؤ کہ کعب بن مالک کون ہے؟'' تو لوگوں نے میری طرف اشارہ کرنا شروع کر دیا، تو اس عیسائی کاشت کار نے میرے پاس آ کر ایک تحریر حوالے کی جو شاہ غسان کی طرف سے تھی، اور اس میں تمہید کے بعد یہ مضمون درج تھا کہ: ''ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ آپ کے مخدوم نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے ذلت ناک اور ہلاکت والی جگہ رہنے کو ضروری قرار نہیں دیا

ہے، اس لئے آپ ہمارے پاس آجائیں، ہم آپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے"۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ خط پڑھ کر میں سوچنے لگا کہ یہ تو مسلسل آزمائش ہے کہ (غیر بھی مجھ سے امیدیں لگانے لگے) اور میں نے وہ تحریر لے جاکر ایک تنور میں جلا ڈالی۔ (بخاری شریف ۲/۶۳۵)

(بلاشبہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا یہ طرز عمل ان کے کمالِ ایمان اور پیغمبر علیہ السلام پروارفتگی کی روشن دلیل ہے، ورنہ ان کی جگہ کوئی کمزور ایمان والا ہوتا تو وہ ان حالات میں اس طرح کی پیش کش کو اس انداز میں رد کرنے کی ہمت نہ کر پاتا)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "چالیس دن گذرنے کے بعد پیغمبر علیہ السلام کا حکم آیا کہ ہم لوگ اپنی بیویوں سے بھی الگ رہیں، تو میں نے پوچھا کہ کیا بیوی کو طلاق دے دیں؟ تو جواب ملا کہ طلاق تو نہ دیں، مگر ساتھ نہ رہیں، تو میں نے بیوی سے کہا کہ جاؤ تم اپنے میکے چلی جاؤ؛ تا آں کہ اس معاملہ میں کوئی فیصلہ ہو؛ البتہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے آکر عرض کیا کہ ہلال بن امیہ بہت بوڑھے اور محتاج شخص ہیں، گھر میں کوئی اور خادم بھی نہیں ہے، کیا آپ کو میری خدمت کرنا بھی پسند نہیں ہے؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دور سے خدمت کرسکتی ہو، مگر قریب نہ جاؤ، تو اہلیہ نے عرض کیا کہ قسم بخدا! ان میں تو کوئی حرکت ہی نہیں ہے، جب سے یہ معاملہ ہوا ہے وہ برابر روتے ہی رہتے ہیں"۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "کچھ لوگوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں بھی حضرت ہلال ابن امیہ رضی اللہ عنہ کی طرح اپنی بیوی کی خدمت کے بارے میں اجازت لے لوں، مگر میں نے اپنے جوان ہونے کی وجہ سے اس کو مناسب نہ سمجھا"۔

توبہ کی قبولیت کا اعلان

الغرض دس دن مزید گذر گئے، یہاں تک کہ مقاطعہ کی پچاس راتیں پوری ہوگئیں، تو اگلے دن صبح کو میں فجر کی نماز پڑھ کر اپنے مکان کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا، اور میرا حال وہی تھا جو

قرآنِ کریم میں ذکر کیا گیا کہ زمین باوجود وسعت کے میرے اُوپر تنگ ہوگئی تھی۔اسی دوران اچانک میں نے ''سلع پہاڑی'' سے ایک آواز سنی: ''یَا کَعْبَ بْنُ مَالِکٍ أَبْشِرْ'' (اے کعب بن مالک! بشارت قبول کرو) یہ سنتے ہی میں سجدہ میں گر پڑا اور میں سمجھ گیا کہ اللہ کی طرف سے کشادگی کا فیصلہ ہو چکا ہے، اِدھر مسجد نبوی میں فجر کی نماز کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے ہی ہماری توبہ کا اعلان فرمایا تو لوگ ہمیں بشارت سنانے کے لئے دوڑ پڑے، ایک صاحب گھوڑے پر سوار ہوکر چلے، جب کہ بنوسلمہ کے ایک شخص (حمزہ بن عمرو الاسلمی) نے پیدل دوڑ لگادی، اور پہاڑ پر چڑھ کر دور ہی سے بلند آواز سے مجھے خوش خبری سنائی، تو اُن کی آواز گھوڑسوار سے جلدی میرے پاس پہنچ گئی۔ چناں چہ جن صاحب نے مجھے بشارت سنائی تھی، خوشی کے مارے میں نے اپنے پہنے ہوئے کپڑے اُتار کر اُنہیں ہدیہ کردئے۔قسم بخدا! اس وقت ان کپڑوں کے علاوہ میرے پاس اور کپڑے نہ تھے۔

پھر میں نے دو کپڑے عاریت پر لئے اور اُنہیں پہن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لئے گھر سے روانہ ہوا، تو راستہ میں لوگ فوج درفوج آ کر مجھے توبہ پر مبارک باد دے رہے تھے (گویا ایک عجیب خوشی کا ماحول تھا)

پھر میں مسجد نبوی میں داخل ہوا، سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جلو میں تشریف فرما تھے، مہاجرین میں سے سب سے پہلے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آ کر مجھ سے ملے اور مصافحہ کرکے مجھے مبارک باد پیش کی، جسے میں کبھی نہیں بھول سکتا۔

اس کے بعد میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب کہ آپ کا چہرۂ انور خوشی کے مارے دمک رہا تھا کہ: ''اَبْشِرْ بِخَیْرِ یَوْمٍ مَرَّ عَلَیْکَ مُنْذُ وَلَدَتْکَ أُمُّکَ'' (یعنی تمہاری پیدائش کے بعد زندگی کے سب سے بہترین دن کی بشارت قبول کرو) میں نے عرض کیا کہ ''یہ بشارت آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟'' پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''میری طرف سے نہیں؛ بلکہ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور پیغمبر علیہ السلام کا حال یہ تھا کہ جب آپ خوش ہوتے تھے، تو آپ کا چہرۂ مبارک چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا، جسے ہر دیکھنے والا محسوس کر لیتا تھا۔

اس کے بعد میں نے پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ''میری توبہ کا ایک جز یہ بھی ہے کہ میں اپنا سب مال راہِ خدا میں صدقہ کر دوں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اپنا کچھ مال (اپنی ضرورت کے لئے) روک لو، چناں چہ میں نے خیبر کی جنگ سے ملے ہوئے حصہ کو روکنے کا فیصلہ کیا، پھر میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

إِنَّ اللّٰهَ إِنَّمَا نَجَّانِي بِالصِّدْقِ وَإِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنْ لَّا أُحَدِّثَ إِلَّا صِدْقًا مَا بَقِيْتُ، فَوَاللّٰهِ مَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ أَبْلَاهُ اللّٰهُ فِي صِدْقِ الْحَدِيْثِ مُنْذُ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى يَوْمِي هٰذَا أَحْسَنَ مِمَّا أَبْلَانِي وَمَا تَعَمَّدْتُ مُنْذُ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى يَوْمِي هٰذَا كِذْبًا، وَإِنِّي لَأَرْجُوْ أَنْ يَحْفَظَنِيَ اللّٰهُ مَا بَقِيْتُ. (صحيح البخاري، كتاب المغازي / حديث كعب بن مالك ٢/٦٣٦)

بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سچ بولنے کی وجہ سے ہی نجات عطا فرمائی ہے، اب میری توبہ یہ ہے کہ میں تازندگی صرف سچ ہی بولوں گا۔ اللہ کی قسم! میرے علم میں نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کے ذکر کے بعد سے اَب تک اللہ تعالیٰ نے سچائی کے بارے میں کسی مسلمان کو مجھ سے زیادہ بہتر آزمائش میں مبتلا کیا ہو، اور میں نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ذکر کرنے کے بعد آج تک جان بوجھ کر کوئی جھوٹی بات منہ سے نہیں نکالی، اور مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی تازندگی اس سے میری حفاظت فرمائیں گے۔ (اِن شاء اللہ تعالیٰ)

آیاتِ توبہ کا نزول

اِنہی حضرات کی توبہ کے سلسلہ میں درج ذیل آیات نازل ہوئیں:

لَقَدُ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ، اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ. وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا، حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْآ اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ، ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا، اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ. (التوبة: ۱۷-۱۹)

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر (علیہ السلام) اور اُن مہاجرین وانصار صحابہ کے حال پر توجہ فرمائی، جنہوں نے تنگی کے وقت پیغمبر علیہ السلام کی پیروی کی، جب کہ اُن میں سے ایک جماعت کے دل ڈگمگا چکے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے حال پر توجہ فرمائی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُن پر بہت ہی شفیق اور مہربان ہیں۔ اور (اللہ تعالیٰ نے) ان تین (صحابہ) کی توبہ قبول فرمائی، جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب اُن پر زمین وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی اور وہ خود اپنی جان سے بھی تنگ آ گئے، اور اُنہوں نے یقین کرلیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کئے بغیر اس سے کوئی جائے پناہ نہیں مل سکتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن پر توجہ فرمائی (توبہ قبول کی) تاکہ وہ آئندہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے رہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والے اور مہربان ہیں۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہا کرو۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اخیر میں فرماتے ہیں کہ ’’اللہ کی قسم! اِسلام کی ہدایت کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر جو سب سے بڑا اِنعام فرمایا، وہ یہی تھا کہ اُس نے مجھے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سچ بولنے کی توفیق عطا فرمائی، اگر میں اُس دن جھوٹی بات بناتا تو میں بھی منافقوں کی طرح ہلاکت میں پڑجاتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں جھوٹے منافقوں کے لئے جہنم کی وعید سنائی ہے‘‘۔ (بخاری شریف، کتاب المغازی/ حدیث کعب بن مالک ۲/۶۳۶، مسلم شریف ۲/۳۶۰-۳۶۱، زاد المعاد مکمل ۷۴۸-۷۵۰)

اس واقعہ میں پوری امت کے لئے نصیحت ہے کہ ایسا اجتماعی فرض کام جس میں تمام لوگ شریک ہوں، تو اس سے بلا عذر پیچھے نہیں رہنا چاہئے؛ کیوں کہ اجتماعی کام سے ہر شخص کی ضرورت وابستہ ہوتی ہے، اگر ہر آدمی بلا عذر پہلوتہی کرے گا تو وہ کام صحیح طرح انجام نہیں پائے گا۔ اِسی وجہ سے مذکورہ واقعہ میں پہلوتہی کرنے والوں کو مؤثر تنبیہ کی گئی، جو ہم سب کے لئے باعثِ عبرت ہے۔

نیز اِس واقعہ کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ جب مذکورہ حضرات سے غزوہ میں نہ جانے کی کوتاہی سرزد ہوئی، تو اُنہوں نے اِس جرم کا اِس قدر احساس کیا کہ گویا کہ اُن پر زمین باوجود وسعت کے تنگ ہوگئی اور زندگی بے کیف ہوگئی۔ یہی احساس اگر کسی گنہگار کو ہوجائے تو بلاشبہ اُسے توبہ کی توفیق جلد میسر آتی ہے، اور وہ بالآخر رحمتِ خداوندی کا مستحق بن جاتا ہے۔

اِسی بنا پر مذکورہ واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے تابعی جلیل حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ یاد رکھنے اور بار بار دہرائے جانے کے قابل ہے، آپ فرمایا کرتے تھے:

یَا سُبْحَانَ اللّٰہِ! مَا أَکَلَ ھٰؤُلاَءِ الثَّلاَثَۃُ مَالاً حَرَامًا، وَلاَ سَفَکُوْا دَمًا حَرَامًا، وَلاَ أَفْسَدُوْا فِيْ الْأَرْضِ، أَصَابَھُمْ مَا سَمِعْتُمْ، وَضَاقَتْ عَلَیْھِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ، فَکَیْفَ بِمَنْ یُوَاقِعُ الْفَوَاحِشَ وَالْکَبَائِرَ. (فتح الباری ۱۵۶/۸)

ارے سبحان اللہ! اِن تینوں نے نہ تو حرام مال کھایا اور نہ حرام خون بہایا اور نہ دنیا میں فتنہ وفساد مچایا، پھر بھی ان کی وہ کیفیت ہوئی جو تم نے سنی کہ اُن پر زمین باوجود وسعت کے تنگ ہوگئی، تو جب اُن کا یہ حال ہے تو جو دن رات فواحش اور بڑے گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں، اُن کا کیا حال ہونا چاہئے؟ (یہ خود ہی سوچ لیا جائے)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر طرح کے گناہوں سے محفوظ فرمائیں، کوتاہیوں کو درگذر فرمائیں، اور گناہوں کا احساس کرکے اُن سے سچی توبہ نصیب فرمائیں، آمین۔

آٹھویں فصل:

استغفار کے ذریعہ عذاب سے بچاؤ

اگر معاشرہ میں گناہوں پر سچی توبہ واستغفار کا اہتمام ہو، تو اُس کا ایک بڑا اور عظیم فائدہ یہ ہے کہ وہ معاشرہ اللہ تعالیٰ کے عمومی عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔ سورۂ انفال میں ہے کہ مکہ کے مشرکین کہا کرتے تھے کہ:

اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَامْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ. (الانفال: ۳۲)

اے اللہ! اگر یہ (اِسلام اور قرآن) آپ کی طرف سے برحق ہے، تو ہم (منکروں) پر آسمان سے پتھر برسادیں یا ہمیں دردناک عذاب میں مبتلا کریں۔

تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ، وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ. (الانفال: ۳۳)

اور اللہ تعالیٰ آپ (ﷺ) کے رہتے ہوئے اُنہیں (اُمت کو) عذاب میں مبتلا نہیں فرمائیں گے، نیز اللہ تعالیٰ اِس حالت میں بھی اُنہیں عذاب نہیں دیں گے کہ وہ استغفار کرنے والے ہوں۔

اِس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے رئیس المفسرین سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

إِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ فِيْ هٰذِهِ الْأٰيَةِ أَمَانَيْنِ لَا يَزَالُوْنَ مَعْصُوْمِيْنَ مُجَارِيْنَ مِنْ قَوَارِعِ الْعَذَابِ مَا دَامَا بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ فَأَمَانٌ قَبَضَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ، وَأَمَانٌ بَقِيَ فِيْكُمْ. (تفسیر ابن کثیر مکمل ۵۷۹ دار السلام ریاض)

اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں دو امانوں (حفاظتی انتظامات) کا تذکرہ فرمایا ہے، پس اُمت کے لوگ اُن دونوں باتوں کی موجودگی میں عذاب کی سختیوں سے محفوظ و مامون رہیں گے؛ تاہم اُن میں سے ایک اَمان (پیغمبر علیہ السلام کی ذاتِ عالی) کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلا لیا ہے؛ لیکن دوسرا اَمان (استغفار) تمہارے درمیان باقی ہے۔

اور سیدنا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ کے سامنے کہا تھا کہ ’’پروردگار! تیری عزت کی قسم! میں تیرے بندوں کو برابر گمراہ کرتا رہوں گا، جب تک بھی ان کے بدن میں جان رہے گی‘‘۔ تو اِس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَا أَزَالُ اغْفِرُ لَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِيْ. (تفسیر ابن کثیر ۵۷۹)

میری عزت وجلال کی قسم! میں اُس وقت تک اُن بندوں کی مغفرت کرتا رہوں گا جب تک کہ وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشادِ عالی ہے:

اَلْعَبْدُ آمِنٌ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مَا اسْتَغْفَرَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ. (تفسیر ابن کثیر ۵۷۹)

آدمی جب تک اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا رہتا ہے تو اللہ کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔

لہٰذا ہر قسم کے عذاب سے بچنے کے لئے آدمی کو بکثرت معنی کے استحضار کے ساتھ استغفار کا وِرد رکھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

استغفار سے ہر پریشانی سے نجات

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجًا، وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ. (رواه أبوداؤد، رياض الصالحين ۳۳۱)

جو شخص استغفار کو لازم پکڑتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اُس کی ہر تنگی کے لئے نکلنے کا راستہ اور ہر مشکل میں آسانی پیدا فرماتے ہیں، اور اُسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتے ہیں جہاں سے اُسے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

اِس لئے جب بھی کوئی پریشانی لاحق ہو، تو اسے دور کرنے کے دنیوی اسباب اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ استغفار کا بھی اہتمام ہونا چاہئے۔

استغفار؛ روزی میں برکت کا سبب

قرآنِ کریم میں قومِ نوح کے تذکرہ کے ضمن میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ استغفار روزی اور پیداوار میں برکت کا سبب ہے۔ چناں چہ سیدنا حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا. يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا. وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا. (نوح: ۱۰-۱۲)

اپنے رب سے مغفرت طلب کرتے رہو، بے شک وہ بہت مغفرت کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے (بارش کی) جھڑی لگادے گا۔ اور تمہیں مال ودولت اور بیٹوں سے نوازے گا، اور تم کو باغات اور نہریں عطا کرے گا۔

یعنی اگر قوم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوجائے اور اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرکے سچی

توبہ کرے، اور مسلسل استغفار کا اہتمام رکھے، تو اللہ تعالیٰ اپنی شانِ رحمت سے اُس قوم پر رحمت کی بارشیں برسائیں گے، جس سے پیداوار میں اِضافہ ہوگا اور دیگر انواع کے مال ودولت نیز نرینہ اولاد کی نعمتوں سے بھی سرفراز فرمائیں گے، اور زمین وجائیداد اور باغات اور پانی کی نہروں سے بھی نوازیں گے۔ اور بلاشبہ اس وعدہ کا ظہور دورِ صحابہؓ میں کامل طور پر ہوا کہ وہ لوگ جو دانے دانے کے محتاج تھے، دین پر استقامت اور رجوع الی اللہ کی برکت سے سارے عالم کے خزانوں کے مالک بن گئے، جیسا کہ اسلامی تاریخ سے واضح ہے۔

استغفار والا نامۂ اَعمال موجبِ مسرت ہے

سیدنا حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

طُوبٰی لِمَنْ وُجِدَ فِي صَحِيفَتِهٖ اِسْتِغْفَارٌ كَثِيرٌ. (الترغيب والترهيب ٣٧٢)

اُس شخص کے لئے مبارک بادی ہے جس کے نامہ اعمال میں بہت زیادہ استغفار پایا جائے۔

اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَحَبَّ أَنْ تَسُرَّهٗ صَحِيفَتُهٗ فَلْيُكْثِرْ فِيهَا مِنَ الْاِسْتِغْفَارِ. (الترغيب والترهيب ٣٧٢)

جو شخص اِس بات کو پسند کرے کہ قیامت کے دن اُس کا نامۂ اَعمال اُس کے لئے مسرت کا باعث ہو تو وہ اس میں زیادہ سے زیادہ استغفار لکھوانے کی فکر کرے۔

اِس لئے روزانہ معمول بنا کر کثرت سے استغفار کا اہتمام رکھنا چاہئے؛ تاکہ ہمارا نامۂ اَعمال روشن رہے۔

سید الاستغفار

ویسے تو آدمی جن اَلفاظ کے ساتھ بھی چاہے توبہ واستغفار کرسکتا ہے، اِس میں کسی زبان

کی بھی کوئی قید نہیں ہے؛ لیکن بعض روایات میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو استغفار کے اعلیٰ ترین کلمات تعلیم فرمائے، جو بلاشبہ جامع بھی ہیں اور بابرکت بھی ہیں۔

سیدنا حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: سید الاستغفار یہ ہے کہ تم درج ذیل اَلفاظ سے اللہ سے مغفرت طلب کرو، وہ اَلفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّيْ، لاَ إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، خَلَقْتَنِيْ وَأَنَا عَبْدُكَ، وَأَنَا عَلىٰ عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوْءُ لَكَ بِذَنْبِيْ، فَاغْفِرْ لِيْ؛ فَإِنَّهُ لاَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ. (صحيح البخاري، كتاب الدعوات / باب أفضل الاستغفار ۹۳۳/۲ رقم: ٦٣٠٦)

اے اللہ! آپ میرے رب ہیں، آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، آپ ہی نے مجھے پیدا کیا اور میں آپ کا ہی بندہ ہوں، اور حتی الامکان آپ سے کئے ہوئے عہد اور وعدہ پر قائم ہوں، میں آپ سے اپنے برے کاموں کے شر سے پناہ چاہتا ہوں، اور میں اپنے اُوپر آپ کے احسانات کے ذریعہ آپ کی طرف رجوع ہوتا ہوں، اور اپنے گناہوں کے ساتھ آپ کی طرف متوجہ ہوں، پس آپ میری مغفرت فرمادیجئے؛ کیوں کہ آپ کے علاوہ کوئی گناہوں کو معاف نہیں کرسکتا۔

اُس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ ''جو شخص کامل یقین کے ساتھ یہ کلمات دن میں پڑھے، پھر شام ہونے سے قبل اُس کی وفات ہوجائے تو وہ جنتیوں میں سے ہوگا۔ اور اگر شام کو پڑھے اور صبح سے پہلے اُس کو موت آجائے تو وہ بھی اہل جنت میں سے ہوگا''۔ (صحیح البخاری رقم:۶۳۰۶)

استغفار سے گناہوں کی معافی

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص استغفار کے درج ذیل کلمات کہے، تو اُس کے سب (چھوٹے بڑے) گناہ معاف ہوجائیں گے، اگرچہ اُس نے میدانِ جہاد سے پیٹھ پھیر کر بھاگنے کا گناہ کیا ہو، وہ الفاظ یہ ہیں:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ. (رياض الصالحين، سنن أبي داؤد، سنن الترمذي ٣٣١)

میں اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ سے نگرانی کرنے والا ہے، اور میں اُسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔

اِس لئے اِن کلمات کو یاد کرکے ان کا ورد رکھنا چاہیئے، اِن شاء اللہ بہت نفع ہوگا۔

سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ آیتِ قرآنی: ﴿فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ نے درج ذیل کلمات کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے معافی طلب فرمائی:

سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ عَمِلْتُ سُوْءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْلِي إِنَّکَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ.

آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے اور میں آپ کی تعریف کرتا ہوں، میں نے برائی کرکے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، پس آپ مجھے بخش دیجئے، بے شک آپ بہترین بخشنے والے ہیں۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَکَ وَبِحَمْدِکَ عَمِلْتُ سُوْءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِي فَارْحَمْنِي إِنَّکَ أَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ.

آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، آپ ہر عیب سے پاک ہیں، میں آپ کی حمد وثنا کرتا ہوں، میں نے برائی کی ہے، اور اپنے نفس پر ظلم کیا ہے، پس آپ مجھ پر رحم فرمایئے، بلاشبہ آپ ارحم الراحمین ہیں۔

لاَ إِلٰـــهَ إِلاَّ أَنْــتَ سُبْـحَــانَـكَ وَبِـحَـمْـدِكَ عَـمِـلْــتُ سُوْءً ا وَظَلَمْتُ نَفْسِي فَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. (رواه البيهقي رقم: ۷۱۷۳ الترغيب والترهيب رقم: ص: ۳۷۳ بيت الأفكار الدولية)

آپ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، آپ ہر عیب سے پاک ہیں، اور میں آپ کی حمد وثنا کرتا ہوں میں نے برائی کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، پس آپ میری توبہ قبول فرمالیجئے، بلاشبہ آپ بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والے اورمہربان ہیں۔

بلاشبہ مذکورہ کلمات بھی عظیم الشان ہیں اور یاد کرنے کے قابل ہیں، اگر معنی کے استحضار کے ساتھ ان کا ورد رکھا جائے تو کوئی گناہ باقی نہ رہے گا، اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر طرح کے گناہ سے بچنے اور اُن سے توبہ واستغفار کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

نویں فصل:

توبہ سے برائیوں کی نیکیوں میں تبدیلی

زیربحث آیت ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ﴾ [الفرقان، جزء آیت: ۷۰] میں سچی توبہ کرنے والوں کو یہ بشارت سنائی گئی ہے کہ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیں گے۔ تو اِس تبدیلی سے کیا مراد ہے؟ اِس بارے میں حضرات مفسرین کرام کی تعبیرات مختلف ہیں:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ یہ تبدیلی دنیا میں اس طرح ہوگی کہ اس برائی کرنے والے کو توبہ کے بعد آئندہ نیک اعمال کی توفیق عطا ہوگی، مثلاً شرک کے بجائے اخلاص، بدکاری کے بجائے عفت اور پاک دامنی، ظلم کے بجائے عدل وانصاف وغیرہ، تو گویا کہ یہ توبہ اس شخص کے لئے آئندہ نیکی جمع کرنے کا ذریعہ بن جائے گی۔ (تفسیر رازی/ الفرقان ۱۲/۱۱۳، تفسیر ابن کثیر مکمل عن ابن عباسؓ ۹۲۵ دارالسلام ریاض)

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ برا عمل بعینہ نیکی میں تبدیل نہیں ہوتا؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ توبہ کے ذریعہ مؤمن کی برائی مٹ جاتی ہے، پھر توبہ کے ساتھ آئندہ کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں، تو سابقہ برائیوں کے معدوم ہونے کو تبدیلی سے تعبیر کیا گیا۔ اِس کے برخلاف کافر کے سب عمل ضائع ہوتے رہتے ہیں، اور سابقہ برائیاں بھی اس کے ذمہ میں رہتی ہیں۔ (تفسیر رازی ۱۲/۱۱۳)

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ یہ تبدیلی دراصل آخرت میں ہوگی کہ توبہ اور دین پر استقامت کی برکت سے قیامت کے دن ایسے شخص کو اس کی برائی اور گناہ کے بدلے میں نیکیاں عطا کی جائیں گی۔ چناں چہ اِس بارے میں صحیح روایت موجود ہے:

سیدنا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”میں سب سے اخیر میں جنت میں داخل ہونے والے اور سب سے بعد میں جہنم سے نکلنے والے شخص سے واقف ہوں، اُسے قیامت کے دن اللہ رب العالمین کے دربار میں حاضر کیا جائے گا، اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کے سامنے اُس کے چھوٹے گناہ پیش کئے جائیں اور بڑے گناہوں کو مؤخر رکھا جائے۔ چناں چہ چھوٹے گناہ سامنے لاکر اُس سے اقرار کرایا جائے گا، اور اس کے سامنے اقرار کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ ہوگا، مگر وہ دل دل میں بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا اور سہما ہوا ہوگا۔ تو اسی دوران اس سے کہا جائے گا کہ تیری ہر برائی کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے نیکی لکھ دی ہے، تو (یا تو سہما ہوا تھا یا اچانک یہ بشارت سن کر) وہ بول پڑے گا کہ ”اے میرے رب! میں نے تو اور بھی بہت سے عمل کر رکھے تھے جو میں یہاں نہیں دیکھ رہا ہوں“۔ راوی فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد فرما کر پیغمبر علیہ السلام اِس قدر مسکرائے کہ سامنے کے دندانِ مبارک ظاہر ہوگئے“۔ (مسلم شریف/کتاب الایمان حدیث:۱۹۰)

تو اِس روایت سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں بندہ کی برائیوں کو بعینہٖ نیکیوں سے بدل دیں گے۔ نیز ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

اَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ. (سنن الترمذي حديث: ۱۹۸۷)

برائی کے بعد نیکی کرنے کا اہتمام کرو کہ یہ نیکی برائی کو مٹادے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

اِس سے بھی اِس توجیہ کی تائید ہوتی ہے۔ (تفسیر قرطبی ۷/۵۷)

(۴) چوتھا قول یہ ہے کہ توبہ کی بدولت برائیوں کے نیکیوں میں تبدیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کے نام ولقب میں تبدیلی ہوجائے گی کہ توبہ سے پہلے بے ایمان یا نافرمان لقب تھا اور توبہ کے بعد ایمان دار اور فرماں بردار لقب ہوجائے گا۔ (تفسیر قرطبی ۷/۴۷)

(۵) پانچواں قول یہ ہے کہ تبدیلی سے مراد حقیقی تبدیلی نہیں ہے؛ بلکہ اِس کا مطلب یہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو معاف فرمادیں گے، گویا کہ معافی کو تبدیلی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (تفسیر قرطبی ۱۲/۷۵)

(۶) چھٹا قول یہ ہے کہ آیت میں نیکیوں اور برائیوں کو ذکر کرکے ان پر مرتب ہونے والی جزا اور سزا مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص سچی توبہ کرے گا تو اُس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سزا کے بجائے اجر وثواب سے نوازنے کا فیصلہ فرمائیں گے۔ (تفسیر رازی ۱۲/۱۱۲)

(۷) ساتواں قول یہ ہے کہ توبہ کی بدولت اس شخص کی طبعی عادات کا رخ برائیوں کے بجائے نیکیوں کی طرف پھیر دیا جاتا ہے (مثلاً آدمی میں بے جا غصہ کی عادت تھی، تو بعد میں اس غصہ کو دینی حمیت میں بدل دیا گیا) گویا اصل عادت تو نہ بدلی مگر اس کا ربط وتعلق تبدیل ہوگیا۔

(مستفاد: تفسیر ابی السعود ۶/۲۳۰، فضائل ذکر، از: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ ۳۲۸)

دیکھا جائے تو ان تمام اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے؛ بلکہ صرف تعبیر کا فرق ہے، اور سب کا خلاصہ یہ ہے کہ سچی توبہ کے بعد آدمی کے احوال بدل جائیں گے اور وہ شر سے خیر کی طرف منتقل ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی سیئات کو حسنات میں مبدل فرمائیں، اور دنیا وآخرت کی رسوائیوں سے محفوظ رکھیں، آمین۔

توبہ واستغفار کا بہترین وقت

ویسے تو کسی بھی وقت آدمی توبہ اور استغفار کا اہتمام کرسکتا ہے؛ لیکن بعض خاص اوقات ایسے ہوتے ہیں جن میں قبولیت کی اُمید زیادہ ہوتی ہے۔ اُنہی اوقات میں روزانہ رات کا آخری حصہ یعنی تہجد کا وقت بہت ہی موزوں اور مناسب ہے۔

قرآنِ کریم میں اللہ کے خاص بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ''سحر کے وقت استغفار کرتے ہیں ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ﴾ [آل عمران، جزء آیت: ۱۷] اور صحیح روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ:

يَنْزِلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حَتّٰى يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرُ فَيَقُولُ: هَلْ مِنْ سَائِلٍ أَعْطِيَهُ؟ هَلْ مِنْ دَاعٍ فَأَسْتَجِيبَ لَهُ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ. (تفسير ابن كثير مكمل ص: ۲۳۳ دار السلام رياض)

ہر رات جب کہ شب کا آخری تہائی حصہ باقی رہتا ہے، اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں، اور اعلان ہوتا ہے کہ ہے کوئی سائل جسے میں عطا کروں؟ ہے کوئی دعا کرنے والا جس کی دعائیں قبول کروں؟ ہے کوئی مغفرت کا طالب جس کی میں مغفرت کروں؟

اور ایک تفسیری روایت میں ہے کہ جب سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے صاحبزادوں سے فرمایا کہ ﴿سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ﴾ [یوسف، جزء آیت: ۹۸] یعنی میں عنقریب تمہارے بارے میں اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کروں گا، تو آپ نے تہجد کے وقت کا انتظار فرمایا، اور اُس وقت مغفرت کی دعا فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۲۳۳ دار السلام ریاض)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رات میں نماز میں مشغول رہے، پھر صبح کے قریب اپنے خادم حضرت نافعؒ سے فرمایا کہ ''اَب صبح ہونے تک دعا اور استغفار میں لگے رہو''۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۲۳۳ دار السلام ریاض)

اور سیدنا حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ رات میں تہجد سے فراغت کے بعد آخری شب میں ستر مرتبہ استغفار کیا کریں۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۲۳۳ دار السلام ریاض)

ابراہیم بن حاطب اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے آخری شب میں مسجد میں ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ یہ کلمات بول رہے ہیں: ''رَبِّ أَمَرْتَنِي فَأَطَعْتُكَ وَهٰذَا سَحْرٌ فَاغْفِرْ لِي''۔ (اے میرے رب! تیرے حکم کی تعمیل میں میں نے اطاعت کی اَب سحر کا وقت ہوگیا؛ لہٰذا آپ میری مغفرت فرمادیجئے) راوی کہتے ہیں کہ جب میں نے غور سے دیکھا تو پتہ

چلا کہ یہ استغفار کرنے والے شخص صحابی رسول سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر مکمل ۲۳۳ دار السلام ریاض، تفسیر قرطبی ۳۸/۲)

اِن سب روایتوں سے معلوم ہوا کہ رات کا آخری حصہ رحمت خداوندی کے بندوں کی طرف متوجہ ہونے کا وقت ہے، اِس وقت میں بندہ کا اپنی نینداور آرام کوقربان کر کے اپنے رب سے مناجات کرنا اور عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے مغفرت طلب کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ پسند ہے۔اسی لئے حضرت حکیم لقمانؒ نے اپنے بیٹے کونصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا: ”لَا یَکُنِ الدِّیکُ أَکْیَسَ مِنکَ یُنَادِي بِالْأَسْحَارِ وَأَنْتَ نَائِمٌ“. (تفسیر قرطبی ۳۸/۲) (بیٹے! مرغ تم سے زیادہ عقل مند نہ ہونے پائے کہ وہ صبح کے قریب آواز لگاتا ہےاورتم سوتے رہو؟) اس لئے ہم سب کواس قیمتی وقت اور گراں قدر لمحات سے ضرور فائدہ اُٹھانا چاہئے۔اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق سے نوازیں، آمین۔

بارھواں باب:

وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ○

[الفرقان، جزء آیت: ۷۲]

جھوٹی گواہی سے اجتناب

پہلی فصل:

جھوٹی گواہی سے پرہیز

اللہ کے خاص بندوں کی صفات میں ایک اہم صفت یہ ہے کہ وہ جھوٹی باتوں سے پوری طرح اجتناب کرتے ہیں۔ چناں چہ فرمایا گیا: ﴿وَالَّذِیْنَ لَا یَشْھَدُوْنَ الزُّوْرَ﴾ [الفرقان، جزء آیت: ۷۲] (یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جو جھوٹے کام میں شامل نہیں ہوتے (کہ نہ جھوٹ بولتے ہیں اور نہ جھوٹی گواہی کے مرتکب ہیں)

سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے بڑے گناہوں کو شمار کرتے ہوئے شرک، قتل ناحق اور والدین کی نافرمانی کا ذکر کیا، پھر فرمایا کہ "أَلا أُنَبِّئُکُم بِأَکْبَرِ الْکَبَائِرِ" (یعنی کیا میں تمہیں سب سے بڑے کبیرہ گناہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟) اور فرمایا کہ وہ "وَشَھَادَۃُ الزُّوْرِ" (یعنی جھوٹی گواہی) ہے۔

(بخاری شریف/ کتاب الآداب حدیث: ۵۹۷۷، مسلم شریف/ کتاب الایمان ۸۸)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، پھر آپ نے ٹیک چھوڑ دی اور بار بار "وَشَھَادَۃُ الزُّوْرِ" فرمانے لگے؛ تا آں کہ صحابہ یہ تمنا کرنے لگے کہ آپ خاموش ہوجائیں (کہ آپ کو مزید زحمت نہ ہو)۔ (بخاری شریف/ کتاب الآداب حدیث: ۵۹۷۶)

اور حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز ادا فرمائی، اس کے بعد نمازیوں کی طرف متوجہ ہوکر تین مرتبہ ارشاد فرمایا:

عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْإِشْرَاكِ بِاللّٰهِ.

جھوٹی گواہی گناہ میں شرک کے برابر قرار دی گئی ہے۔

اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (جس میں بتوں کی عبادت سے بچنے کے ساتھ ساتھ جھوٹی بات سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے)

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ. حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ. (سنن أبي داؤد / باب في شهادة الزور حديث: ٣٥٩٩)

بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات سے پرہیز کرو، ہر طرف سے منہ موڑ کر اللہ کے ہو رہو، اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک قرار مت دو۔

شارحین فرماتے ہیں کہ جھوٹی گواہی کو گناہ میں شرک کے برابر قرار دینے کی ایک وجہ یہ ہے کہ شرک بھی دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے، اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ پر بڑا بہتان ہے (العیاذ باللہ)۔ (عون المعبود)

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ شَهِدَ عَلٰى مُسْلِمٍ شَهَادَةً لَيْسَ لَهَا بِأَهْلٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (رواه أحمد، الترغيب والترهيب مكمل ص: ٥٠١ رقم: ٣٥١٥)

جو شخص کسی مسلمان پر ایسی جھوٹی گواہی دے جس کا وہ اہل نہ ہو، تو اُس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیا۔

اور سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ:

خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ

میرے دور کے لوگ سب سے اچھے، پھر اس کے بعد والے، پھر اُس کے بعد والے، بعد ازاں

يَفْشُو الْكَذِبُ حَتّٰى يَشْهَدَ الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ، وَيَحْلِفَ الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ. (سنن الترمذي / كتاب الشهادات حديث: ۲۰۰۳)

لوگوں میں جھوٹ پھیل جائے گا، یہاں تک کہ آدمی بغیر طلب کے (جھوٹی) گواہی دے گا، اور بغیر طلب کے جھوٹی قسمیں کھائے گا۔

اور بعض روایات میں قیامت کی علامات میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ جھوٹی گواہیاں دیں گے، یا جان بوجھ کر حقیقت واقعہ کے خلاف گواہی دی جائے گی، اور حق کو چھپایا جائے گا، جس کا لازمی نتیجہ حق تلفی اور ظلم کی صورت میں ظاہر ہوگا، اللّٰھم احفظنا منہ۔

افسوس ہے کہ آج اسی قسم کی صورتِ حال عام طور پر مقدمات میں دیکھنے میں آتی ہے کہ مقدمات جیتنے کے لئے ہر ممکن ہتھ کنڈے استعمال کئے جاتے ہیں، اور جھوٹ کو جھوٹ ہی نہیں سمجھا جاتا۔

دوسری فصل:

اِسلام میں ہر طرح کا جھوٹ ناپسند ہے

واضح ہو کہ اسلام کی نظر میں ہر طرح کا جھوٹ سخت ناپسند ہے۔ قرآنِ کریم میں جھوٹ بولنے والوں پر سخت لعنت کی گئی ہے۔ اِرشادِ خداوندی ہے:

فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ. (آل عمران آیت: ٦١)

پس لعنت کریں اللہ کی اُن پر جو کہ جھوٹے ہیں۔

نیز اَحادیثِ شریفہ میں مختلف انداز سے جھوٹ کی برائی کو بیان فرمایا گیا ہے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيلاً مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهٖ.

(سنن الترمذي ١٨/٢ عن ابن عمرؓ)

جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو اس کلمہ کی بدبو کی وجہ سے جو اُس نے بولا ہے رحمت کا فرشتہ اس سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔

اور سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچائی کی تاکید اور جھوٹ سے بچنے کی تلقین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ

سچ کو اختیار کرو؛ اس لئے کہ سچ بولنا نیکی کی طرف لے جاتا ہے، اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے، اور آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے اور سچ

يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِندَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا وَإِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ، فَإِنَّ الكِذْبَ يَهْدِيْ إِلَى الْفُجُورِ، وَإِنَّ الفُجُورَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا. (متفق عليه، مشكاة المصابيح ٤١٢/٢)

کا متلاشی رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک اس کا نام صدیقین میں لکھ دیا جاتا ہے، اور جھوٹ سے بچتے رہو؛ اس لئے کہ جھوٹ فسق وفجور کی طرف لے جاتا ہے، اور فسق وفجور جہنم تک پہنچا دیتا ہے، اور آدمی برابر جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کو تلاش کرتا رہتا ہے، تا آں کہ اللہ کے یہاں اس کا نام جھوٹوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔

اور سیدنا حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل روایت بخاری ومسلم وغیرہ میں موجود ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آپ کو ارضِ مقدس لے گئے، اور وہاں مختلف لوگوں کے احوال کا مشاہدہ کرایا، اُسی میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے دو آدمیوں کو دیکھا، جن میں سے ایک کھڑا ہوا ہے اور دوسرا بیٹھا ہے، اور کھڑا ہوا شخص بیٹھے ہوئے آدمی کے کلّے کو لوہے کی زنبور سے گدی تک کاٹتا ہے، پھر دوسرے کلّے کو اسی طرح کاٹتا ہے، اتنے میں پہلا کلّا ٹھیک ہوجاتا ہے اور اس کے ساتھ یہ عمل برابر جاری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھی فرشتوں سے دریافت کیا، تو اُنہوں نے جواب دیا:

اَلَّذِيْ رَأَيْتَهٗ يُشَقُّ شِدْقُهٗ فَكَذَّابٌ يَكْذِبُ بِالْكَذْبَةِ تُحْمَلُ عَنْهُ حَتّٰى تَبْلُغَ الْاٰفَاقَ فَيُصْنَعُ بِهٖ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. (صحيح البخاري ١٨٥/١ - ٩٠٠/٢ رقم: ١٣٨٦)

جس کو آپ نے دیکھا کہ اس کے کلّے چیرے جارہے ہیں وہ ایسا بڑا جھوٹا ہے جس نے ایسا جھوٹ بولا کہ وہ اس سے نقل ہوکر دنیا جہاں میں پہنچ گیا؛ لہٰذا اس کے ساتھ قیامت تک یہی معاملہ کیا جاتا رہے گا۔

صحابی رسول سیدنا حضرت سفیان بن اُسید حضرمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

كَبُرَتْ خِيَانَةً أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَ لَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَأَنْتَ بِهٖ كَاذِبٌ. (سنن أبي داؤد، مشكاة المصابيح ٤١٣/٢)

یہ بڑی خیانت ہے کہ تو اپنے بھائی سے ایسی گفتگو کرے جس میں وہ تجھے سچا سمجھتا ہو، حالاں کہ تو اس سے جھوٹ بول رہا ہے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ جھوٹی بات کو اس انداز میں ذکر کرنا کہ سامنے والا اُس کے سچ ہونے میں کوئی شبہ ہی نہ کرے، یہ کوئی ہوشیاری کی بات نہیں؛ بلکہ بہت بڑی خیانت ہے، جو کسی مسلمان کو ہرگز زیب نہیں دیتی۔ اسی بنا پر جھوٹ بولنے کو منافق کی خاص علامتوں میں شمار کیا گیا ہے۔ چناں چہ ایک حدیث میں ارشاد ﷺ ہے:

آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ. (صحيح البخاري ٩٠٠/٢، صحيح مسلم ٥٦/١)

منافق کی تین (خاص) نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب اسے امین بنایا جائے تو اس میں خیانت کرے۔

مذاق میں بھی جھوٹ جائز نہیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذاق میں بھی جھوٹ بولنے سے ممانعت فرمائی؛ بلکہ ایسے شخص کے لئے تین مرتبہ بددعا فرمائی ہے۔

وَيْلٌ لِّمَنْ يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ، وَيْلٌ لَهٗ، وَيْلٌ لَهٗ. (رواه أحمد والترمذي، مشكاة المصابيح ٤١٣/٢)

جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولے اس کے لئے بربادی ہو، بربادی ہو، بربادی ہو۔

آج کل عام لوگ ہنسانے کے لئے نت نئے چٹکلے تیار کرتے ہیں، اور محض اس لئے جھوٹ بولتے ہیں؛ تاکہ لوگ ہنسیں، انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا ارشاد اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہئے اور اس برے فعل سے باز آنا چاہئے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الكِذْبَ وَإِنْ كَانَ مَازِحًا. (الترغيب والترهيب ٣٦٤/٣، شعب الإيمان للبيهقي ٣١٧/٤ حديث: ٥٢٤٣ عن أبي أمامةؓ)

میں اس شخص کے لئے بیچ جنت میں گھر کی کفالت لیتا ہوں جو جھوٹ کو چھوڑ دے اگرچہ مذاق ہی میں کیوں نہ ہو۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک کمالِ ایمان حاصل نہیں کرسکتا جب تک کہ مذاق (تک) میں جھوٹ بولنے اور جھگڑا کرنے سے باز نہ آجائے، اگرچہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو۔ (الترغیب والترہیب ۳/۳۶۷)

تیسری فصل:

سچ میں ہی نجات ہے

واقعہ یہ ہے کہ جھوٹ سے بچنا اور ہر معاملہ میں سچ کو اختیار کرنا تقربِ خداوندی کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ اس کے برخلاف جھوٹ سے وقتی طور پر کوئی دنیاوی فائدہ تو اُٹھایا جاسکتا ہے؛ لیکن انجام کے اعتبار سے وہ نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتا، اور سچ بول کر ہوسکتا ہے وقتی کچھ نقصان محسوس ہو؛ لیکن اس کا نتیجہ اخیر میں ہمیشہ اچھا اور مفید ہی برآمد ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے:

تَحَرَّوُا الصِّدْقَ وَاِنْ رَأَيْتُمْ اَنَّ الْهَلَكَةَ فِيْهِ، فَاِنَّ فِيْهِ النَّجاةَ. (رواه الطبراني في "الصمت"، الترغيب والترهيب مكمل ص: ٦١٦ رقم: ٤٤٤٣)

سچ کو تلاش کرو؛ اگرچہ تمہیں اس میں ہلاکت معلوم ہو؛ اس لئے کہ نجات اسی (سچ بولنے) میں ہے۔

تجربہ سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ جھوٹے آدمی کا اعتماد لوگوں میں مجروح ہوجاتا ہے، اور لوگ اُسے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے؛ حتی کہ اُس کی صحیح بات کو بھی لوگ قبول نہیں کرتے۔

اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ جھوٹ کی عادت ناپسند تھی، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی شخص کے جھوٹے ہونے کا علم ہوجاتا تو آپ کا دل اُس کی طرف سے اُس وقت تک مطمئن نہ ہوتا تھا، جب تک کہ اُس کی طرف سے سچی توبہ کا یقین نہ ہوجائے۔ (رواہ احمد والبزار، الترغیب والترہیب مکمل ص: ۶۱۸)

اور بعض اہل عقل ودانش کا مقولہ ہے کہ ’’سچی بات اگر چہ تمہیں ناپسند ہو مگر اس میں عزت ہے اور جھوٹی بات اگر چہ تمہیں اچھی لگے مگر وہ موجب ذلت ہے، اور جو آدمی جھوٹ میں بدنام ہو جاتا ہے تو اُس کی سچی بات بھی متہم اور مشکوک ہو جاتی ہے۔ (المحاسن والمساوی ۲۸۲)

چھوٹے بچوں سے بھی جھوٹ نہ بولیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے بچوں کے ساتھ بھی جھوٹ بولنے سے منع فرمایا ہے۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مکان میں تشریف فرماتھے، میری والدہ نے (میری جانب بند مٹھی بڑھا کر) کہا: یہاں آؤ! میں تمہیں دوں گی (جیسے مائیں بچے کو پاس بلانے کے لئے ایسا کرتی ہیں) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے والدہ سے ارشاد فرمایا: ’’تمہارا اسے کیا دینے کا ارادہ تھا؟‘‘ والدہ نے جواب دیا کہ ’’میں اسے کھجور دینا چاہتی تھی‘‘، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

أَمَا إِنَّکِ لَوْ لَمْ تُعْطِهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْکِ كَذِبَةٌ. (الترغیب والترہیب ۳/ ۳۷۰)

اگر تم اسے کوئی چیز نہ دیتیں تو تمہارے نامۂ اَعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بہت سی ایسی باتیں جنہیں معاشرہ میں جھوٹ نہیں سمجھا جاتا ہے، ان پر بھی جھوٹ کا گناہ ہوسکتا ہے۔ بچوں کو جھوٹی تسلیاں دینا اور جھوٹے وعدے کرنا عام طور پر ہر جگہ رائج ہے، اور اسے جھوٹ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ حالاں کہ درج بالا اِرشادِ نبوی کے مطابق یہ بھی جھوٹ میں داخل ہے، جس سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

جھوٹی تعریفوں سے اجتناب

شیطان نے اس زمانہ میں جھوٹ کے پھیلاؤ کے لئے نت نئی رسمیں اور طریقے ایجاد کر رکھے ہیں، انہی میں سے ایک رسم لوگوں کی جھوٹی تعریف کرنے، اور بے سروپا القاب دینے کی بھی ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے دین دار حضرات بھی اس بارے میں احتیاط نہیں کرتے، جلسوں کے اشتہارات میں اس جھوٹ کی بھرمار ہوتی ہے، ایک معمولی شخص کے ساتھ ایک ایک لائن کے

آداب والقاب لگا کر مکمل جھوٹ کا اظہار کیا جاتا ہے۔

اسی طرح اسٹیج پر مقرروں کے تعارف، سپاس ناموں اور منقبتی نظموں میں وہ مبالغہ آرائی کی جاتی ہے کہ الامان الحفیظ۔ پھر طرہ یہ کہ اس عمل کو جھوٹ سمجھا بھی نہیں جاتا، حالاں کہ اللہ کی نظر میں یہ عمل نہایت ناپسندیدہ ہے۔ خاص کر جب کسی نااہل اور فاسق وفاجر کی تعریف کی جاتی ہے (جیسا کہ آج کل لیڈروں اور افسران کی خوشامد وغیرہ کا طریقہ ہے) تو اس گناہ کی وجہ سے عرش خداوندی تک کانپ اٹھتا ہے۔ ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

إِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ تَعَالٰى وَاهْتَزَّ لَهُ الْعَرْشُ. (مشكاة المصابيح ٢/ ٤١٤ عن انسؓ)

جب فاسق شخص کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ رب العزت کو غصہ آتا ہے، اور اس کی بنا پر عرشِ خداوندی حرکت میں آجاتا ہے۔

مال داروں، عہدے داروں اور فاسق وفاجر لوگوں کی تعریف کرنے والے لوگ اس حدیث سے عبرت حاصل کریں اور سوچیں کہ وہ اپنی زبان کو اس گناہ میں مبتلا کر کے کس قدر وبال کے مستحق بن رہے ہیں، اللّٰھم احفظنا منه۔

جھوٹے خواب پر سخت وعیدیں

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنا تقدس ظاہر کرنے یا کسی دوسرے کو ذلیل کرنے کی غرض سے جھوٹ موٹ خواب گڑھ کر اُسے چلا دیتے ہیں، تو ایسے جھوٹے خواب بیان کرنے والوں کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سخت وعیدیں اِرشاد فرمائی ہیں۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلُمٍ لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ أَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيْرَتَيْنِ وَلَنْ يَفْعَلَ. (صحيح البخاري رقم: ٧٠٤٢)

جس شخص نے ایسا خواب گڑھا جو اس نے نہ دیکھا تھا، تو اسے قیامت میں دو جو کے درمیان گرہ لگانے کا مکلّف بنایا جائے گا، اور وہ اس کام کو ہرگز انجام نہ دے سکے گا (اور ذلیل ہوگا)

اورسیدنا حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشادفرمایا کہ سب سے بڑے جھوٹ اور بہتان والے کام تین ہیں:

أَنْ يَدَّعِيَ الرَّجُلُ إِلىٰ غَيْرِ أَبِيْهِ، أَوْ يُرِيَ عَيْنَهُ مَا لَمْ تَرَ، أَوْ يَقُوْلَ عَلىٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَمْ يَقُلْ. (صحيح البخاري، كتاب المناقب / باب رقم: ٣٥٠٩)

(۱) یہ کہ آدمی اپنے کواصل باپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کرے۔(۲) یا آنکھوں سے ایسی چیز دکھلائے جواس نے نہ دیکھی ہو(یعنی جھوٹا خواب بیان کرے)(۳) یا آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کوئی اَن کہی بات منسوب کرے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ اگرچہ بیداری کی حالت کے بارے میں بھی جھوٹ بولنا سخت گناہ ہے؛ لیکن خواب کی طرف جھوٹ کی نسبت اس سے بھی بڑا گناہ ہے؛ اس لئے کہ خواب کی نسبت دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے،تو جھوٹا خواب سنانے والا گویا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی بات منسوب کررہا ہے،نعوذ باللہ من ذلک۔(جامع المہلکات ۴۴۷)

بہرحال ہرمسلمان کو ہرقسم کے جھوٹ سے بچنا چاہئے،اور ہرحالت میں سچائی پر قائم رہنا چاہئے،یہی سچائی آخرت میں کام آئے گی،اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کوخیر کی توفیق سے نوازیں،آمین۔

چوتھی فصل:

تجارت میں جھوٹ سے بچیں!

اسی طرح آج کل خرید وفروخت کے معاملہ میں بھی دل کھول کر جھوٹ بولا جاتا ہے، اور قطعاً اس کے گناہ ہونے کا احساس نہیں کیا جاتا۔ عام طور پر دوکان دار کے پیش نظر بس یہ رہتا ہے کہ اس کی دوکان کا مال بکنا چاہئے بھلے ہی جھوٹ بولنا پڑے۔ چناں چہ گاہکوں کو لبھانے کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں، اور محض چندروزہ نفع کے لئے آخرت کی محرومی مول لی جاتی ہے۔ اسی بنا پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

اَلتُّجَارُ یُحْشَرُونَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰی وَبَرَّ وَصَدَقَ. (مشكاة المصابيح ٢٤٤/١، سنن الترمذي ٢٣٠/١)

(اکثر) تاجر قیامت کے دن فاجروں کی صف میں اٹھائے جائیں گے، مگر وہ (تاجر) جو اللہ سے ڈرے اور نیکی کرے اور سچ بولے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ التُّجَّارَ هُمُ الْفُجَّارُ. بے شک تاجر ہی فاجر ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اللہ نے بیع کو حلال نہیں فرمایا (پھر بیع کرنے والے کیوں خطا کار رہیں؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

بَلٰی! لٰکِنَّهُمْ یَحْلِفُونَ فَیَاثَمُونَ وَیُحَدِّثُونَ فَیَکْذِبُونَ. (الترغيب والترهيب مكمل ص: ٤٠٤ رقم: ٢٧٧٤)

ہاں (بیع حلال تو ہے) مگر یہ (تاجر) قسمیں کھا کر گنہگار ہوتے ہیں، اور جب بات کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں (اس لئے انہیں فاجر کہا گیا)

سیدنا حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم تاجروں کے پاس تشریف لاتے، اورہمیں یہ نصیحت فرماتے تھے کہ:

يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ إِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ. (الترغيب والترهيب رقم: ٢٧٨٣)

اے تاجروں کی جماعت! جھوٹ سے بچتے رہو!

سیدنا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ رحمت کی نظر نہ فرمائے گا اور نہ ان کا تزکیہ کرے گا، اوراُن کو دردناک عذاب ہوگا، میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ایسے بدنصیب لوگ کون ہوں گے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

اَلْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ. (مسلم شريف ۷۱/۱، الترغيب والترهيب مكمل ص: ٤٠٤ رقم: ٢٧٧٦)

(۱) وہ شخص جو اپنے کپڑے کو ٹخنے سے نیچے لٹکائے (۲) جو صدقہ کرکے احسان جتائے (۳) جو اپنے سامان کو جھوٹی قسم کے ذریعہ فروخت کرے۔

سیدنا حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اِرشاد فرماتے ہوئے سنا:

مَنِ اقْتَطَعَ مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِيْنِهٖ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ، وَأَوْجَبَ لَهُ النَّارَ. قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَإِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيْرًا، قَالَ: وَإِنْ كَانَ سِوَاكًا. (رواه الطبراني في الكبير، الترغيب والترهيب مكمل ص: ٤١٧ رقم: ٢٨٥٨)

جو شخص کسی مسلمان کا مال اپنی جھوٹی قسم کے ذریعہ ہتھیائے، تو اللہ تعالیٰ اُس پر جنت حرام فرماکر اُس کے لئے جہنم واجب فرمادیں گے۔ تو عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! اگرچہ معمولی سی چیز ہو؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ اگرچہ مسواک کیوں نہ ہو۔

ایک طرف یہ اِرشاداتِ نبویہ ہیں، دوسری طرف آج حال یہ ہے کہ عام طور پر دوکان دار اپنے مال کو بیچنے کے لئے مثلاً:

(۱) کم درجہ کے مال کو اعلیٰ درجہ کا بتاتے ہیں۔

(۲) قیمت کے بارے میں بے دھڑک جھوٹ بول دیتے ہیں کہ اتنے روپئے کی تو ہمیں بھی نہیں پڑی؛ تاکہ گاہک متأثر ہو جائے، اور اس سے زائد قیمت پر خرید لے۔

(۳) اگر گاہک کسی کمپنی کا سامان مانگے تو یہ نہیں کہتے کہ ہمارے پاس اس کمپنی کا مال نہیں ہے دوسری جگہ سے لے لو؛ بلکہ یہ کہہ کر گاہک کو دھوکہ دیتے ہیں کہ تم جس کمپنی کا مال مانگ رہے ہو اس کا مال تو بازار میں آہی نہیں رہا ہے، دوسری کمپنی کا خرید لو؛ تاکہ اس کے یہاں رکھا ہوا مال بک جائے۔

(۴) پرانے مال پر نیا لیبل لگا دیتے ہیں۔

(۵) مال کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

الغرض ہر وہ طریقہ اپناتے ہیں جس سے گاہک خریدنے پر مجبور ہو جائے، اور اسی کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں، یہ دینی امور سے بے رغبتی اور لاپرواہی کی دلیل ہے، جھوٹ بہرحال جھوٹ ہے وہ جس وقت بھی بولا جائے اس کا گناہ ہوگا۔

اس لئے خاص کر تجارت پیشہ حضرات کو اپنی زبانوں کو لگام دینے کی ضرورت ہے، وہ اگر اللہ پر بھروسہ کر کے سچائی اور دیانت داری کے ساتھ کمائی کریں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا میں بے حساب برکت عطا فرمائیں گے، اور آخرت میں بھی اُن کا حشر حضرات انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا۔ چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْأَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ.

(سنن الترمذي ۱/۲۲۹ رقم: ۱۲۰۹)

سچا اور اَمانت دار تاجر (آخرت میں) انبیاء علیہم السلام، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

سیدنا حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد

فرمایا کہ جس تاجر میں چار عادتیں پائی جائیں اُس کی کمائی بالکل حلال ہے:

إِذَا اشْتَرٰى لَمْ يَذُمَّ، وَإِذَا بَاعَ لَمْ يَمْدَحْ، وَلَمْ يُدَلِّسْ فِي الْبَيْعِ، وَلَمْ يَحْلِفْ فِيمَا بَيْنَ ذٰلِكَ. (الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٢٧٧٠)

جب خریداری کرے تو مبیع کی مذمت نہ کرے، جب اپنا مال بیچے تو اُس کی (بے جا) تعریف نہ کرے، اور بیع میں دھوکہ نہ کرے، اور تجارت میں قسمیں نہ کھائے۔

سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّ أَطْيَبَ الْكَسْبِ كَسْبُ التُّجَّارِ الَّذِيْنَ إِذَا حَدَّثُوْا لَمْ يَكْذِبُوْا، وَإِذَا اؤْتُمِنُوْا لَمْ يَخُوْنُوْا، وَإِذَا وَعَدُوْا لَمْ يَخْلُفُوْا، وَإِذَا اشْتَرَوْا لَمْ يَذُمُّوْا، وَإِذَا بَاعُوْا لَمْ يَمْدَحُوْا، وَإِذَا كَانَ عَلَيْهِمْ لَمْ يَمْطُلُوْا، وَإِذَا كَانَ لَهُمْ لَمْ يُعَسِّرُوْا. (رواه البيهقي في شعب الإيمان رقم: ٤٨٥٤، الترغيب والترهيب مكمل ص: ٤٠٤ رقم: ٢٧٧١)

سب سے پاکیزہ کمائی اُن تاجروں کی ہے جو گفتگو میں جھوٹ نہیں بولتے، اور اَمانت میں خیانت نہیں کرتے، اور وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتے، اور خریدتے وقت سامان کی برائی بیان نہیں کرتے، اور بیچتے وقت تعریف نہیں کرتے، اور جب اُن پر کسی کا حق ہوتا ہے تو اُس کی اَدائیگی میں ٹال مٹول نہیں کرتے، اور جب اُن کا دوسروں پر حق ہوتا ہے تو تنگی نہیں کرتے۔

بریں بنا تجارت کرنے والے حضرات کو خاص طور پر سچائی اور اَمانت داری کا اہتمام کرنا چاہئے؛ تاکہ اُنہیں دنیا اور آخرت میں سرخ روئی نصیب ہو۔

❖

تیرہواں باب:

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ○

[الفرقان، جزء آیت: ۷۲]

لغویات سے اجتناب

پہلی فصل:

لغویات سے پرہیز

اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی ایک اہم صفت اور عادت یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو لغویات اور بے فائدہ کاموں میں ضائع نہیں کرتے۔ چناں چہ ارشاد فرمایا گیا:

وَإِذَا مَـرُّوْا بِـاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا. (الفرقان، جزء آیت: ۷۲)

یعنی جب اُن کا (اتفاقاً) لغو کاموں پر گذر ہوتا ہے، تو وہ (اس کی طرف توجہ کئے بغیر) باعزت گذر جاتے ہیں۔

ابراہیم بن میسرہؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ خادم رسول سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کسی لہو ولعب کی مجلس سے گذرے تو وہاں رکے نہیں؛ بلکہ اعراض کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ نے یہ بشارت آمیز جملہ ارشاد فرمایا: ”لَقَدْ أَصْبَحَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَأَمْسىٰ كَرِيْمًا“. (روح المعاني ۷۶/۲۰، تفسير ابن كثير مكمل ص: ۹٦٦ دار السلام رياض) یعنی ابن مسعودؓ نے عزت کے ساتھ صبح اور شام کی۔

پھر ابراہیم بن میسرہ نے دلیل کے طور پر یہی آیت پڑھی: ﴿وَإِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا﴾

لغو کے معنی

”اللغو“ کے معنی بیان کرنے میں حضرات علماء نے متعدد تعبیرات اختیار فرمائی ہیں۔ مثلاً:

(۱) سیدنا حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ”اللغو“ کا مصداق سبھی گناہ اور معاصی ہیں۔

اس معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ ایمان والے کسی گناہ کی مجلس میں حاضر نہیں ہوتے، اور اگر کبھی اتفاق سے ایسی جگہ پہنچ جائیں تو عزت کے ساتھ اپنا دامن بچا کر وہاں سے نکل آتے ہیں۔

(۲) بعض حضرات نے فرمایا کہ ''لغو'' سے مراد بے ہودہ گفتگو ہے، اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ نہ تو خود زبان سے بے ہودہ کلام نکالتے ہیں، اور نہ کسی ایسی مجلس میں دلچسپی لیتے ہیں جہاں گفتگو میں بے احتیاطی ہورہی ہو، حتیٰ کہ اگر اُنہیں بھی کوئی برا بھلا کہتا ہے تو وہ جواب دینے کے بجائے عفوودرگذر سے کام لیتے ہیں۔

(۳) بعض حضرات نے فرمایا کہ ''لغو'' سے مراد بے شرم گفتگو ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کی گفتگو بہت ہی باوقار ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ فطری اُمور میں بھی اشارہ کنایہ کا استعمال پسند کرتے ہیں۔

(۴) اور بعض حضرات نے ''لغو'' سے جھوٹی گفتگو مراد لی ہے، جو ہر باطل امر کو شامل ہے۔ (مستفاد: روح المعانی ۲۰/۷۶)

بہر حال یہ سب معانی مراد لئے جاسکتے ہیں، ان میں کوئی تضاد نہیں ہے، اور کامل مؤمن کی شان یہی ہے کہ وہ ہر قسم کی لغو اور فضول باتوں سے بچنے کا اہتمام رکھے۔

لایعنی کاموں سے بچیں!

اِسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ مؤمنون کے آغاز میں اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ. (المؤمنون: ۳)

اور وہ جو لغو باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں۔

اور سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ. (سنن الترمذي / أبواب الزهد ۲/۵۸)

اچھے مسلمان ہونے کی نشانی یہ ہے کہ آدمی لایعنی باتوں کو ترک کردے۔

یہ حدیث اسلام کی بنیادی تعلیمات کی طرف رہنمائی کرنے والی احادیث میں سے ایک ہے۔ صاحب السنن حضرت امام ابوداوٗد سجستانیؒ نے اسے ''چوتھائی دین'' قرار دیا ہے۔

علامہ ابن رجب حنبلیؒ اِس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مَعْنٰى هٰذَا الْحَدِيْثِ أَنَّ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِهٖ تَرْكَهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ مِنْ قَوْلٍ وَفِعْلٍ وَاقْتِصَارِهٖ عَلٰى مَا يَعْنِيْهِ مِنَ الْأَقْوَالِ وَالْأَفْعَالِ.

اِس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے اچھے مسلمان ہونے کی نشانی یہ ہے کہ وہ قول وعمل میں تمام بے فائدہ باتوں سے پرہیز کرے اور صرف بامقصد اور فائدہ مند اقوال وافعال کا اہتمام رکھے۔

وَمَعْنٰى ''يَعْنِيْهِ'' أَنَّهٗ يَتَعَلَّقُ عِنَايَتُهٗ بِهٖ وَيَكُوْنُ مِنْ مَقْصَدِهٖ وَمَطْلُوْبِهٖ وَالْعِنَايَةُ شِدَّةُ الْاِهْتِمَامِ بِالشَّيْءِ، يُقَالُ عَنَاهُ يَعْنِيْهِ إِذَا اهْتَمَّ بِهٖ وَطَلَبَهٗ. وَإِذَا حَسُنَ الْإِسْلَامُ اِقْتَضٰى تَرْكَ مَا لَا يَعْنِيْهِ كُلِّهٖ مِنَ الْمُحَرَّمَاتِ وَالْمُشْتَبِهَاتِ وَالْمَكْرُوْهَاتِ وَفُضُوْلِ الْمُبَاحَاتِ الَّتِيْ لَا يُحْتَاجُ إِلَيْهَا؛ فَإِنَّ هٰذَا كُلَّهٗ لَا يَعْنِيْهِ الْمُسْلِمُ إِذَا كَمُلَ إِسْلَامُهٗ. (تحفة الأحوذي شرح سنن الترمذي حديث: ۲۳۱۷)

اور حدیث میں جو ''یعنیه'' کا لفظ آیا ہے اُس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کام جس کی طرف اُس کی توجہ ہو، اور ''عنایہ'' کے معنی کسی چیز کے بہت زیادہ اہتمام کرنے کے آتے ہیں، کہا جاتا ہے: ''عناہ یعنیه'' جب آدمی کسی بات کا اہتمام کرکے اس کا طالب ہو، اور جب آدمی کا اسلام بہترین ہوگا تو وہ اُسے ہر بے مقصد بات چھوڑنے پر آمادہ کرے گا، اگرچہ اس کا تعلق حرام چیزوں سے ہو یا خواہشات ومکروہات اور فضول مباحات سے ہو، جن کا آدمی محتاج نہیں ہوتا؛ کیوں کہ یہ سب وہ باتیں ہیں جن کا کوئی بھی کامل مسلمان ارادہ نہیں کرتا۔

اور مشہور شارح حدیث حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

مَعْنٰی "تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ" أَيْ مَا لَا يَهُمُّهُ وَلَا يَلِيقُ بِهِ قَوْلًا وَفِعْلًا وَنَظَرًا وَفِكْرًا وَحَقِيقَةً مَا لَا يَعْنِيهِ مَا لَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ فِي ضَرُورَةِ دِينِهِ وَدُنْيَاهُ، وَلَا يَنْفَعُهُ فِي مَرْضَاةِ مَوْلَاهُ بِأَنْ يَكُونَ عَيْشُهُ بِدُونِهِ مُمْكِنًا، وَهُوَ فِي اسْتِقَامَةِ حَالِهِ بِغَيْرِهِ مُتَمَكِّنًا، وَذٰلِكَ يَشْتَمِلُ الْأَفْعَالَ الزَّائِدَةَ وَالْأَقْوَالَ الْفَاضِلَةَ. (تحفة الأحوذي، مرقاة المفاتيح)

لایعنی باتوں کے ترک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اقوال وافعال اور نظریات جو اسلام کے لائق ومناسب نہ ہوں، اُن سب کو ترک کردیا جائے۔ اور "لایعنی" کی حقیقت یہ ہے کہ ان باتوں کی طرف آدمی اپنے دین اور دنیا میں محتاج نہ ہو، اور نہ ہی ان سے اللہ کی خوشنودی حاصل کی جاسکتی ہو، گویا کہ ان کے بغیر اس کا زندگی گذارنا ممکن ہو، اور ان کو چھوڑ کر بھی وہ اپنی حالت پر قائم رہ سکے، اور یہ معنی سبھی بے فائدہ افعال اور فضول اقوال کو شامل ہیں۔

اور حضرت امام غزالیؒ نے لایعنی اُمور کی وضاحت فرماتے ہوئے بڑی ہی اہم بات اِرشاد فرمائی ہے، جو بہت زیادہ قابل توجہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

وَحَدُّ "مَا لَا يَعْنِيكَ" أَنْ تَتَكَلَّمَ بِكُلِّ مَا لَوْ سَكَتَّ عَنْهُ لَمْ تَأْثَمْ وَلَمْ تَتَضَرَّرْ فِي حَالٍ وَلَا مَالٍ.

اور "لایعنی" کی حد یہ ہے کہ تم ایسی بات زبان سے بولو کہ اگر وہ نہ بولتے تو نہ تو گناہ ہوتا اور نہ فی الحال یا آئندہ تمہیں کوئی نقصان پہنچتا۔

وَمِثَالُهُ: أَنْ تَجْلِسَ مَعَ قَوْمٍ فَتَحْكِيَ مَعَهُمْ أَسْفَارَكَ وَمَا رَأَيْتَ فِيهَا مِنْ جِبَالٍ وَأَنْهَارٍ، وَمَا وَقَعَ لَكَ مِنَ الْوَقَائِعِ، وَمَا اسْتَحْسَنْتَهُ مِنَ الْأَطْعِمَةِ

اس کی مثال یہ ہے کہ تم کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر اپنے سفروں کی روداد بیان کرو کہ تم نے کیسے کیسے پہاڑ اور ندیاں دیکھی؟ اور کیا کیا واقعات تمہارے ساتھ پیش آئے؟ اور کونسے کھانے اور کپڑے تمہیں پسند آئے؟ اور کیا کیا

وَالثِّيَابِ، وَمَا تَعَجَّبْتَ مِنْهُ مِنْ مَشَايِخِ الْبِلَادِ وَوَقَائِعِهِمْ، فَهٰذِهِ أُمُوْرٌ لَوْ سَكَتَّ عَنْهَا لَمْ تَأْثَمْ وَلَمْ تَتَضَرَّرْ. وَإِذَا بَالَغْتَ فِي الْاِجْتِهَادِ حَتّٰى لَمْ يَمْتَزِجْ بِحِكَايَتِکَ زِيَادَةٌ وَلَا نُقْصَانٌ وَلَا تَزْكِيَةُ نَفْسٍ مِنْ حَيْثُ التَّفَاخُرِ بِمُشَاهَدَةِ الْأَحْوَالِ الْعَظِيْمَةِ، وَلَا اغْتِيَابٌ لِشَخْصٍ، وَلَا مَذَمَّةٌ لِشَيْءٍ مِمَّا خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، فَأَنْتَ مَعَ ذٰلِکَ كُلِّهٖ مُضَيِّعٌ زَمَانَکَ، وَمُحَاسَبٌ عَلٰى عَمَلِ لِسَانِکَ، إِذْ تَسْتَبْدِلُ الَّذِيْ هُوَ أَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ؛ لِأَنَّکَ لَوْ صَرَفْتَ زَمَانَ الْكَلَامِ فِي الذِّكْرِ وَالْفِكْرِ، رُبَّمَا يَنْفَتِحُ لَکَ مِنْ نَفَحَاتِ رَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَا يَعْظُمُ جَدْوَاهُ، وَلَوْ سَبَّحْتَ اللّٰهَ بَنٰى لَکَ بِهَا قَصْرًا فِي الْجَنَّةِ، وَهٰذَا عَلٰى فَرْضِ

تعجب خیز باتیں تم نے علاقوں کے مشائخ اور بزرگوں سے ملاحظہ کیں، تو یہ سب ایسے اُمور ہیں کہ اگر تم اُن سے خاموش رہتے (یعنی نہ بیان کرتے) تو تمھیں نہ کوئی گناہ ہوتا اور نہ کوئی نقصان پہنچتا۔ اور اگر تم اِس بات کی پوری کوشش کرو کہ بالفرض تمھارے بیان کرنے میں نہ تو کوئی کمی بیشی ہو اور عظیم حالات کا مشاہدہ کرنے کی وجہ سے اظہارِ فخر وغرور سے بھی نفس پاک ہو، اس میں نہ کسی شخص کی غیبت ہو، اور نہ ہی مخلوقات میں سے کسی کی مذمت ہو، اِن سب کے باوجود تم اپنا وقت ضائع کرنے والے ہو، اور تم سے تمھاری زبان کے عمل کا حساب لیا جائے گا؛ اِس لئے کہ تم نے بہتر چیز کے بدلہ میں گھٹیا چیز لے لی ہے؛ کیوں کہ اگر تم اِس گفتگو کے زمانے کو ذکر وفکر میں لگاتے تو بہت ممکن تھا کہ تمھارے لئے اللہ کی رحمت کے مواقع میسر آتے جن کا فائدہ عظیم ہوتا، اور اگر تم یہ وقت اللہ کی تسبیح میں گذارتے، تو اللہ تعالیٰ تمھیں اس کے بدلے میں جنت میں محل بنا کر دیتا۔ اور یہ سب تفصیل اُس وقت ہے جب کہ

السَّلامَةِ مِنَ الْوُقُوْعِ فِيْ كَلامِ الْمَعْصِيَةِ، وَأَنْ تَسْلَمَ مِنَ الآفَاتِ الَّتِيْ ذَكَرْنَاهَا، انتهى.	تمہاری گفتگو گناہ والی بات اور اُن خرابیوں سے محفوظ ہو جن کو ہم نے پہلے ذکر کیا۔

(تحفة الأحوذي شرح سنن الترمذي حديث: ٢٣١٧)

اس تفصیل سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ لغو میں صرف وہی باتیں شامل نہیں جو بذاتِ خود معصیت ہیں؛ بلکہ بہت سی ایسی باتیں بھی لغو اور فضول میں داخل ہیں جو کسی خیر سے محرومی کا سبب بن جائیں؛ اِس لئے عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کو ایسی فضول اور بے فائدہ باتوں سے محفوظ رکھے۔

دوسری فصل:

فضولیات کی قسمیں

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم اپنی تالیف ''نصیحۃ المسلمین'' ترجمہ ''رسالۃ المسترشدین'' میں فضول باتوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

کلام میں فضول:- یہ ہے کہ آپ سے جس کا سوال نہ کیا گیا ہو، اُس کا ذکر کرنے لگیں اور مقام بھی اُس کا (یعنی اس کے ذکر کا) تقاضا نہ کرتا ہو، یا ایسے معاملہ میں دخل اندازی کریں جس کا آپ کے ساتھ تعلق نہ ہو۔

کھانے پینے میں فضول:- یہ ہے کہ شکم سیری سے تجاوز کریں یا مختلف قسم کے کھانوں کی کثرت ہو یا کمیت میں زیادتی کریں۔

نیند میں فضول:- یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ سوئیں، اور جاگنے میں فضول یہ ہے کہ غیر ضروری اور بے فائدہ بیدار رہیں۔

لباس میں فضول:- یہ ہے کہ سال کے مختلف موسم میں اور جائز مواقع میں جس کی تم کو ضرورت پڑتی ہو اُس سے زیادہ خریدیں۔

رہنے سہنے میں فضول:- یہ ہے کہ وہ ضرورت سے زیادہ ہو اور خوش عیشی اور دکھاوے کے لئے ہو۔

سامان میں فضول:- یہ ہے کہ ضرورت سے زائد وسائل اور اسباب خریدتے رہو۔

نظر میں فضول:- یہ ہے کہ جس سے تمہارا تعلق نہ ہو اور نہ ہی وہ تمہارے لئے مفید ہو اُس کو دیکھو، اور جس کی طرف نظر کرنا شرعاً جائز نہیں اُس کو دیکھنا تو حرام ہوگا۔

دوستی اور مصاحبت میں فضول:- یہ ہے کہ تم ہر شخص کو جس کو جانتے ہو یا دیکھ رہے ہو، دوستی کرنے لگو، بغیر اس کے کہ یہ تحقیق کرو کہ یہ شخص متقی مؤمن اور صالح ہے یا نہیں۔

خرچ میں فضول:- یہ ہے کہ جہاں ضرورت نہ ہو وہاں مال خرچ کریں، یا ایسے کاموں میں خرچ کریں جس کا کوئی نفع متوقع نہ ہو۔

علم میں فضول:- یہ ہے کہ ایسی چیزوں کا سوال کرو جس کی نہ حال میں ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پڑے گی۔

کتابوں میں فضول:- یہ ہے کہ تمہارے لئے جس میں فائدہ نہ ہو یا جس کا تعلق تمہارے علمی میدان سے نہ ہو، اُس کو خریدتے رہو۔ (نصیحۃ المسلمین ترجمہ رسالۃ المسترشدین ۲۷۵-۲۷۶ مکتبہ دار المعارف الٰہ آباد)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر طرح کی فضولیات اور لغویات سے محفوظ رکھیں، آمین۔

بے کار باتوں سے بچیں!

انسان کی زندگی کے لمحات نہایت بیش قیمت اور گراں قدر ہیں، یہ ایسی دولت ہے جو دوبارہ نصیب نہیں ہوتی، اسی لئے شیطان کی پوری کوشش رہتی ہے کہ وہ قیمتی اوقات کو ضائع کر کے برباد کر ڈالے اور نفسانی خواہشات ولذات میں لگا کر خیرات وبرکات سے محروم کردے، اور یہ کوئی نئی کوشش نہیں؛ بلکہ ہر دور میں اس کا سلسلہ جاری رہا ہے، اور آج تو عروج پر پہنچ چکا ہے۔

دورِ نبوت میں جب قرآنِ کریم کا نزول شروع ہوا اور لوگوں کی دلچسپی اس کی طرف

بڑھنے لگی تو مکہ معظّمہ کے ایک سردار ''نضر بن الحارث'' کو یہ بات ناگوار گذری، اور اُس نے قرآنِ کریم کی طرف سے توجہ ہٹانے کے لئے یہ حرکت کی کہ ملک ''حیرہ'' سے کچھ پرانے قصے کہانیوں کی کتابیں لے کر آیا اور اُنہیں مکہ معظّمہ میں عام مجالس میں سنانا شروع کیا، اور کہنے لگا کہ ''محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں عاد وثمود کے قصے سناتے ہیں اور میں شاہانِ عجم رستم اور اسفندیار کے قصے سناتا ہوں''۔

اور بعض روایات میں ہے کہ وہ گانے والی باندیاں خرید کر لایا اور اُن سے گانے سنوا کر لوگوں کو قرآن سننے سے روکتا تھا۔ اسی سلسلہ میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا، اُوْلٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ.

اور کچھ وہ لوگ ہیں جو کھیل کی باتوں کو خریدتے ہیں؛ تاکہ بغیر سمجھے (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے بہکائیں، اور دین کی باتوں کا مذاق اُڑائیں، وہی ہیں جنہیں ذلت کا عذاب ہے۔

(لقمان: ٦)

اس آیت کا شانِ نزول اگرچہ خاص ہے؛ لیکن ''لہوالحدیث'' کا مفہوم عام ہے، اسی وجہ سے حضرت حسن بصریؒ ''لہوالحدیث'' کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: كُلُّ مَا شَغَلَكَ عَنْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَذِكْرِهٖ مِنَ السَّمَرِ وَالْأَضَاحِيْكِ وَالْخُرَافَاتِ وَالْغِنَاءِ وَنَحْوِهَا. (روح المعانی ۱۰۲/۲۱) یعنی ''لہوالحدیث'' کا مصداق ہر وہ بات ہے جو تم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی یاد سے غافل کردے، مثلاً فضول قصہ گوئی، لطیفہ گوئی اور واہیات باتیں اور ناچ گانا وغیرہ۔

اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں بڑی قیمتی اور جامع بات ارشاد فرمائی کہ ''جو لہو (شغل) دین اسلام سے پھر جانے یا پھیر دینے کا موجب ہو، وہ حرام بلکہ کفر ہے۔ اور جو احکامِ شرعیہ ضروریہ سے باز رکھے یا سبب معصیت ہو وہ معصیت ہے۔ ہاں

جو لہو کسی امر واجب کا مفوِّت (فوت کرنے والا) نہ ہو اور کوئی شرعی غرض و مصلحت بھی اس میں نہ ہو، وہ مباح ہے؛ لیکن لایعنی ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہے، اور گھوڑ دوڑ، تیراندازی، نشانہ بازی یا زوجین کی ملاعبت (جو حد شریعت میں ہو) چوں کہ معتدبہ اغراض و مصالح پر مشتمل ہے، اس لئے اُسے لہو باطل سے مستثنیٰ کیا گیا ہے''۔ (حاشیہ ترجمہ شیخ الہند ۵۴۷ مطبوعہ مدینہ منورہ)

تیسری فصل:

گانا باجا بھی لہو ولعب میں داخل ہے

اور بہت سے مفسرین نے درج بالا آیت: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ﴾ الخ میں آمدہ لفظ ''لھو الحدیث'' سے خاص طور پر گانا باجا اور اس کے آلات مراد لئے ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ گانے باجے میں دلچسپی اور مشغولیت انسان کو مدہوش اور غافل کردیتی ہے، اور اس کی قیمتی صلاحتیں محض موج مستی میں صرف ہوکر غارت ہوجاتی ہیں۔

اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گانے باجے کے بارے میں سخت ترین وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں۔ چند روایات ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) سیدنا حضرت اَبواُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لاَ تَبِيْعُوْا الْقَيْنَاتِ وَلاَ تَشْتَرُوْهُنَّ وَلاَ تُعَلِّمُوْهُنَّ وَلاَ خَيْرَ فِي تِجَارَةٍ فِيْهِنَّ وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ، فِي مِثْلِ هٰذَا اُنْزِلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا،

گانے والی باندیوں کی خرید وفروخت نہ کرو اور نہ اُنہیں گانا سکھاؤ، اور ایسی (گلوکارہ) باندیوں کی تجارت میں کوئی بھلائی نہیں ہے، اور ان کی قیمت (بھی) حرام ہے۔ اسی طرح کی باتوں سے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (جس کا ترجمہ یہ ہے) اور کچھ وہ لوگ ہیں جو کھیل کی باتوں کو خریدتے ہیں؛ تاکہ بغیر سمجھے (لوگوں کو) اللہ

أُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۝ (سنن الترمذي، أبواب البيوع / باب ما جاء في كراهية بيع القنيات حديث: ۱۲۸۲)

کے راستے سے بہکائیں، اور دین کی باتوں کا مذاق اُڑائیں، وہی ہیں جنہیں ذلت کا عذاب ہے۔

(۲) نیز حضرت ابواُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت مروی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِيْ رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ وَأَمَرَنِيْ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِيْرِ وَالْأَوْثَانِ وَالصُّلُبِ، لاَ يَحِلُّ بَيْعُهُنَّ وَلاَ شِرَاءُ هُنَّ وَلاَ تَعْلِيْمُهُنَّ وَلاَ التِّجَارَةُ بِهِنَّ وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ. (المحلي لابن حزم ۵۹/۹)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمت عالم بنا کر مبعوث فرمایا ہے، اور مجھے گانے باجے کے آلات (ڈھول اور ہارمونیم وغیرہ) کے مٹانے اور بتوں اور صلیبوں کو نابود کرنے کا حکم دیا ہے، نہ تو ان چیزوں کی بیع وشراء جائز ہے اور نہ ان کا سیکھنا سکھانا حلال ہے، اور ان کی تجارت ناجائز اور اُن کی قیمت حرام ہے۔

(۳) خادم رسول سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بَعَثَنِيَ اللّٰهُ رَحْمَةً وَهُدًى لِلْعَالَمِيْنَ، وَبَعَثَنِيْ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِيْرِ وَأَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ. (شعب الإيمان ۲۲۲/۵)

اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام عالم کے لئے رحمت وہدایت بنا کر بھیجا ہے، اور مجھے گانے باجے کے آلات اور جاہلانہ رسومات کو مٹانے کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔

(۴) نیز خادم رسول سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صَوْتَانِ مَلْعُونَانِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ: مِزْمَارٌ عِنْدَ نِعْمَةٍ وَرَنَّةٌ عِنْدَ مُصِيبَةٍ. رواه البزار (الترغيب والترهيب مكمل ص: ٧٢٨ رقم: ٥٣٠٥)

دوآ وازیں دنیا اور آخرت میں قابلِ لعنت ہیں: ایک خوشی کے وقت میوزک کی آواز، دوسرے مصیبت کے وقت بین کرنے کی آواز۔

(۵) اور سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ علامات بیان فرمائی ہیں، جن کے پائے جانے کے وقت میں اُمتِ مسلمہ عذاب سے دوچار ہوگی، انہی میں سے ایک علامت یہ ہے:

وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ. (سنن الترمذي ٤٥/٢، قرطبي ٥٠/٧)

اور گانے والی باندیاں اور گانے بجانے کے آلات عام ہوجائیں گے۔

(۶) اور سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ، وَفِي رِوَايَةٍ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ. (مشكاة المصابيح ٤١١/٢، شعب الإيمان ٢٧٩/٤ حديث: ٥١٠٠ عن جابرؓ وغيره)

گانا بجانا دل میں نفاق کو ایسے اگاتا ہے جیسے پانی کھیتی کو اُگاتا ہے۔

(۷) اور سیدنا حضرت ابواُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَيَشْرَبَنَّ أُنَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ يُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا وَيُضْرَبُ عَلٰى رُؤُوسِهِمُ الْمَعَازِفُ يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْأَرْضَ

میری امت کے کچھ لوگ شراب ضرور پئیں گے مگر اس کو دوسری چیز کا نام دیں گے اور ان کے سروں پر گانے بجانے کے آلات بجائے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے گا

وَيَجْعَلُ مِنْهُم قِرَدَةً وَخنَازِيرَ. (شعب الإيمان ٤/٢٨٢ حديث: ٥١١٤)

اور انہی میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنادے گا۔(نعوذ باللہ منہ)

(۸) سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث میں نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ حَرَّمَ الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْكُوبَةَ. (سنن أبي داؤد، كتاب الأشربة / باب الأوعية رقم: ٣٦٩٦، شعب الإيمان ٤/٢٨٢)

اللہ تعالیٰ نے شراب، جوئے اور ''کوبہ'' یعنی ڈھول تاشے کو حرام قرار دیا ہے۔

اور بعض شارحین نے ''کوبہ'' کی تفسیر ہر گانے باجے کے آلے سے کی ہے، تو اس اعتبار سے یہ سب آلات ممنوع ہوں گے۔(شعب الایمان للبیہقی ۴/۲۸۳)

گانے باجے کے بارے میں بعض علماء وفقہاء کے اَقوال

درج بالا احادیث گانے بجانے کی حرمت پر صراحۃً دال ہیں، اسی بنا پر امت کے اکابر علماء ساز کے ساتھ گانے باجے کی حرمت پر متفق رہے ہیں۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کئی نصیحتیں فرمائیں، جن میں سے ایک نصیحت یہ تھی کہ ''جو مسلمان تمہاری دعوت کرے تو تم اُس کی دعوت قبول کرلو، جب تک کہ اس تقریب میں گانا باجا نہ ہو، اور اگر وہ لوگ گانا باجا کریں تو اُن کی دعوت قبول نہ کرو''۔(حلیۃ الاولیاء ۴/۲۶۴، مجمع الزوائد ۴/۲۲۰)

حضرت یزید بن الولید ناقص رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: ''گانے باجے سے بچتے رہو؛ کیوں کہ اس سے شرم وحیا کا جذبہ کم ہوجاتا ہے، شہوانیت بڑھ جاتی ہے اور مروت جاتی رہتی ہے، اور یہ مدہوشی میں آدمی پر ایسا ہی اثر ڈالتا ہے جیسا کہ شراب پینے کا اثر ہوتا ہے''۔(روح المعانی ۲۱/۱۰۴، شعب الایمان ۴/۲۸۰)

حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:"گانا باجا مال کی تباہی کا سبب ہے، اور رب العالمین کی ناراضگی اور دل کے فساد کا ذریعہ ہے"۔(روح المعانی ۲۱/۱۰۴)

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:"گانے والا اور جس کے لئے گایا جائے دونوں ملعون ہیں"۔(شعب الایمان للبیہقی ۴/۲۸۳)

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:"گانا بجانا زنا کا جنتر منتر ہے"۔ (شعب الایمان للبیہقی ۴/۲۸۳)

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر میں جارہے تھے، تو انہوں نے مزمار (گانے بجانے کے آلہ) کی آواز سنی تو اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں اور اس جگہ سے دور ہٹ گئے؛ تاکہ آواز نہ سن سکیں اور فرمایا کہ:"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب ایسی آواز سنتے تھے تو یہی عمل فرمایا کرتے تھے"۔ (شعب الایمان للبیہقی ۴/۲۸۳)

صاحب درمختار علامہ حصکفیؒ فتاویٰ بزازیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اِسْتِمَاعُ صَوْتِ الْمَلَاهِي كَضَرْبِ قَصَبٍ وَنَحْوِهِ حَرَامٌ، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: اِسْتِمَاعُ الْمَلَاهِي مَعْصِيَةٌ، وَالْجُلُوسُ عَلَيْهَا فِسْقٌ، وَالتَّلَذُّذُ بِهَا كُفْرٌ أي بِالنِّعْمَةِ، فَصَرْفُ الْجَوَارِحِ إِلٰى غَيْرِ مَا خُلِقَ لِأَجْلِهِ كُفْرٌ بِالنِّعْمَةِ لَا شُكْرٌ، فَالْوَاجِبُ كُلَّ الْوَاجِبِ أَنْ	لہو ولعب والی چیزوں کی آواز سننا مثلاً بینڈ اور ہارمونیم وغیرہ حرام ہے؛ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لہو ولعب کی چیزیں سننا گناہ ہے اور ایسی مجلس میں بیٹھنا فسق ہے اور ان سے لذت حاصل کرنا کفرانِ نعمت ہے؛ اس لئے کہ اعضاء وجوارح کو ان کاموں میں لگانا جن کے لئے ان کی پیدائش نہیں ہوئی ہے (یعنی معصیت کے کاموں میں لگانا) شکر نہیں؛ بلکہ نعمتِ خداوندی کی ناشکری ہے؛ لہٰذا

يُجْتَنَبَ كَي لَا يَسْمَعَ لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَدْخَلَ اِصْبَعَهُ فِي أُذُنِهِ عِنْدَ سِمَاعِهِ.

(الدر المختار مع الشامي كراچى / قبيل فصل فى اللبس ٦/٣٤٩)

واجب سے بڑھ کر واجب ہے کہ ایسی آوازیں سننے سے اجتناب کیا جائے، جیسا کہ مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سننے کے وقت اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لی تھیں۔

لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ شریعتِ اسلامی نے جس شدت سے مسلمانوں کو گانے بجانے میں انہماک سے روکا ہے، آج اسی کثرت کے ساتھ ہمارے معاشرے میں اس عظیم معصیت میں ابتلاء عام ہوگیا ہے۔ اب در و دیوار سے گانے بجانے کی آوازیں آتی ہیں، کام کرنے والے کاری گر گانوں کے اتنے عادی ہوچکے ہیں کہ بغیر اس آواز کے ان کا دل ہی کام میں نہیں لگتا، گھروں سے قرآنِ کریم کی آوازوں کے بجائے دن رات میوزک اور ڈیک کی آوازیں سنائی دیتی ہیں، اور پھر اس پر بس نہیں کہ آدمی خود ہی سن کر گنہگار رہو؛ بلکہ تیز ترین آواز میں اُسے بجا کر سارے محلّہ والوں کو گنہگار بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آج ہمارے نوجوانوں کے لئے سب سے زیادہ پسندیدہ چیز گانے باجے اور فلم کی اسٹوریاں ہیں جنہیں دن رات بجا کر اوقات کو ضائع اور اخلاق وعادات کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ اور اَفسوس ہے کہ اس کے برے ہونے کا احساس بھی دلوں سے نکل چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی برائیوں سے پوری طرح بچنے کی توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔

❍❖❍

چوتھی فصل:

شیطانی مشاغل

علامہ بدرالدین بن شبلیؒ اپنی مشہور کتاب ''آکام المرجان فی احکام الجان'' میں نقل کرتے ہیں کہ شیطان لعین کے انسان کو نقصان پہنچانے کے ۶/درجات ہیں:

(۱) پہلے مرحلہ میں وہ انسان کو کفر وشرک میں ملوث کرنے پر محنت کرتا ہے، اگر اس میں اُسے کامیابی مل جائے تو پھر اس آدمی پر اُسے مزید کسی محنت کی ضرورت باقی نہیں رہتی؛ کیوں کہ کفر وشرک سے بڑھ کر کوئی نقصان کی بات نہیں ہے۔

(۲) اگر آدمی (بفضل خداوندی) کفر وشرک پر راضی نہ ہو، تو دوسرے مرحلہ میں ''شیطان لعین'' اُسے بدعات میں مبتلا کر دیتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان کو فسق وفجور اور معصیت کے مقابلہ میں بدعت زیادہ پسند ہے؛ اس لئے کہ دیگر گناہوں سے تو آدمی کو توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے، مگر بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی (اِس لئے کہ وہ بدعت کو ثواب سمجھ کر انجام دیتا ہے تو اس سے توبہ کا خیال بھی نہیں آتا)

(۳) اگر آدمی بدعت سے بھی محفوظ رہے تو تیسرے مرحلہ میں اسے شیطان فسق وفجور اور بڑے بڑے گناہوں میں ملوث کرنے کی کوشش کرتا ہے (مثلاً بدکاری، قتل، جھوٹ یا تکبر، حسد وغیرہ)

(۴) اگر آدمی بڑے گناہوں سے بھی بچ جائے تو شیطان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ کم از

کم آدمی کو صغیرہ گناہوں کا ہی عادی بنادے؛ کیوں کہ یہ چھوٹے چھوٹے گناہ کبھی اتنی مقدار میں جمع ہوجاتے ہیں کہ وہ انہی کی وجہ سے مستحق سزا بن جاتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''تم لوگ حقیر سمجھے جانے والے گناہوں سے بچتے رہو؛ اِس لئے کہ اُن کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ کسی جنگل میں پڑاؤ ڈالیں اور ہر آدمی ایک ایک لکڑی ایندھن لائے؛ تا آں کہ ان کے ذریعہ بڑا اَلاؤ جلاکر کھانا پکایا اور کھایا جائے، تو یہی حال چھوٹے گناہوں کا ہے کہ وہ جمع ہوتے ہوتے بڑی تباہی کا سبب بن جاتے ہیں''۔ (رواہ احمد، الترغیب والترہیب مکمل رقم: ۳۷۶۰ بیت الافکار)

(۵) اور جب شیطان کا مذکورہ کاموں میں سے کسی مرحلہ میں بھی بس نہیں چلتا تو اُس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ انسان کو ایسے مباح کاموں میں لگادے جن میں کسی ثواب کی اُمید نہیں ہوتی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس وقت میں انسان نیکیاں کرکے عظیم ثواب کا مستحق بن سکتا ہے، وہ وقت بلا کسی نفع کے گذر کر ضائع ہوجاتا ہے۔

(۶) اگر آدمی مذکورہ بالا ہر مرحلہ پر شیطان کے دام فریب میں آنے سے بچ جائے، تو آخری مرحلہ میں شیطان انسان کو افضل اور زیادہ نفع بخش کام سے ہٹاکر معمولی اور کم نفع بخش کام میں لگانے کی کوشش کرتا ہے؛ تاکہ جہاں تک ہوسکے انسان کو فضیلت کے ثواب سے محروم کرسکے۔ (آکام المرجان فی احکام الجان ۱۲۶-۱۲۷)

معلوم ہوا کہ شیطان انسان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع بھی ضائع کرنا نہیں چاہتا، افسوس ہے کہ ایسے بدترین دشمن سے آج ہم غافل ہی نہیں؛ بلکہ اس کے پکے دوست بنے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے دین دار بھی کسی نہ کسی مرحلہ پر شیطان کے فریب میں مبتلا نظر آتے ہیں، اور انھیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہمارے دشمن نے ہمارے ساتھ دشمنی کے کیا گل کھلا رکھے ہیں۔

پانچویں فصل:

فضول کھیلوں کی ممانعت

ہر دور میں لوگ فضول اور بے فائدہ مشاغل میں مشغول رہ کر اپنے قیمتی اوقات ضائع کرتے ہوئے پائے گئے ہیں، آج بھی یہ سلسلہ نہ صرف جاری؛ بلکہ روز افزوں ہے۔ جب کہ اِسلامی شریعت کی طرف سے ایسے تمام مشاغل پر نکیر کی گئی ہے، جو انسان کے لئے نفع بخش نہ ہوں۔

چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''نردشیر'' (جو لوڈو کی طرز کا ایک خاص قسم کا کھیل ہوتا ہے، جسے فارس کے بادشاہ ''اردشیر بن بابک'' نے ایجاد کیا تھا) کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ الشِّيْرِ فَكَأَنَّمَا صَبَغَ يَدَهُ فِي لَحْمِ خِنْزِيْرٍ وَدَمِهِ. (صحيح مسلم / باب في تحريم النرد الشير حديث: ٢٢٦٠)

جو شخص ''نردشیر'' کھیلے، تو گویا کہ اُس نے اپنے ہاتھ کو خنزیر کے گوشت اور اُس کے خون میں سان لیا۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ. (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب / باب في النهي عن اللعب بالنرد ٢/٦٧٥)

جس شخص نے ''نردشیر'' کھیلا اُس نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔

اِس کھیل کی ممانعت کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ اس میں ہار جیت پر شرط لگائی جاتی تھی، جو سراسر قمار (جوا) ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کھیل میں لگ کر آدمی گھنٹوں ضائع کر دیتا ہے، اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس طرح کے کھیلوں کی وجہ سے کھیلنے والوں کے درمیان ہار جیت کی وجہ سے عموماً بغض وعناد اور نزاع وجدال کی نوبت آجاتی ہے۔

اور فقہاء نے اِسی حکم میں شطرنج کے کھیل کو بھی رکھا ہے؛ کیوں کہ اس کھیل میں بھی مذکورہ مفاسد پائے جاتے ہیں۔ (فتاویٰ شامی ۳۹۴/۶ کراچی وغیرہ)

اور موجودہ دور میں "ویڈیو گیم"، "کیرم بورڈ" اور "لوڈو" وغیرہ جیسے کھیلوں میں انہماک کا بھی یہی حکم ہے۔ اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ جو لوگ اِس طرح کے کھیلوں میں دلچسپی رکھتے ہیں، وہ اکثر نماز روزہ اور دیگر دینی ودنیاوی تقاضوں سے غافل ہو جاتے ہیں۔

کرکٹ کی نحوست

اسی طرح اس دور میں کرکٹ کا کھیل بھی آدمی کے لئے وقت کی بربادی کا بہت بڑا ذریعہ بن چکا ہے، اِس میں جو لوگ کھیلنے والے ہیں اُن کا تو وقت برباد ہوتا ہی ہے، ساتھ میں دیکھنے والے اور سننے والے بھی دیوانے بنے رہتے ہیں۔ خاص طور پر جب کوئی عالمی کھیلوں کا سلسلہ ہوتا ہے اور ہندوپاک یا معروف ممالک کے درمیان مقابلہ ہوتا ہے، تو لوگوں کی دلچسپی حیرت انگیز ہوتی ہے، اپنے سب ضروری کام چھوڑ کر لوگ کھیل دیکھنے یا سننے میں لگ جاتے ہیں، حالاں کہ یہ دیکھنے والے اس سے کسی طرح کا دینی یا دنیاوی نفع ہرگز حاصل نہیں کرتے؛ بلکہ اپنے کو خواہ مخواہ ذہنی دباؤ میں مبتلا کر لیتے ہیں، پس یہ محض وقت کا ضیاع ہے، جس میں بڑی تعداد میں لوگ مبتلا ہیں۔

مزید یہ کہ اب یہ کھیل محض کھیل نہیں رہا؛ بلکہ فواحش اور عریانیت کا مجموعہ بھی بن چکا ہے:

لہٰذا جو اِس سے دلچسپی رکھتا ہے، وہ ان منکرات سے ہرگز بچ نہیں سکتا؛ اس لئے بہر حال خود کو اور اپنے گھر والوں کو ایسے لغو مشاغل اور دلچسپیوں سے بچانے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

رات میں قصہ گوئی کی ممانعت

زمانۂ قدیم میں یہ دستور تھا کہ رات میں قصہ گو لوگ گھروں اور چوپالوں میں مجمع لگا کر قصے اور کہانیاں سنایا کرتے تھے، اور لوگ دیر رات تک اُنہیں ذوق وشوق سے سنتے تھے، اِس عمل کو عربی میں ''سمر'' کہا جاتا ہے، اس طرح دیر تک جاگنے کی وجہ سے تہجد اور صبح کی نماز خطرے میں پڑتی تھی۔ مزید یہ کہ وہ قصے کہانیاں بھی زیادہ تر فرضی اور جھوٹی ہوا کرتی تھیں، اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کے بعد قصہ گوئی سے ممانعت فرمائی۔ (بخاری شریف، کتاب مواقیت الصلوٰۃ حدیث:۵۹۹) تاکہ رات کے یہ اَوقات فضول ضائع نہ ہوں۔

اور جس طرح کی ممانعت قصہ گوئی کی ہے، اسی طرح ناول اور افسانے پڑھنا بھی مذکورہ علت کی وجہ سے ممنوع ہے؛ کہ اس طرح کی چیزوں میں دلچسپی سے آدمی کی عمر عزیز فضول ضائع ہو جاتی ہے۔

نیز اِس ممانعت میں ''فلم بینی'' بھی بدرجہ اولیٰ داخل ہے کہ اس میں صرف وقت کا ضیاع ہی نہیں؛ بلکہ دیگر صریح منکرات اور معاصی بھی پائے جاتے ہیں، جن سے اجتناب ہر مسلمان کے لئے لازم ہے۔

کبوتر بازی وغیرہ

بعض لوگوں کو کبوتر بازی کا ایسا شوق ہوتا ہے کہ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو کر پورے پورے دن بس کبوتر ہی اُڑاتے رہتے ہیں، اور ہمہ وقت اپنا پورا دماغ کبوتر کی طرف لگائے رکھتے ہیں، یہ سلسلہ زمانۂ قدیم سے جاری ہے۔ چناں چہ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص کبوتری کے پیچھے دوڑ رہا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

شَيْطَانٌ يَتْبَعُ شَيْطَانَةً. (سنن أبي داؤد / باب في اللعب في الحمام ٦٧٥/٢ رقم: ٤٩٤٠) ایک شیطان چڑیل کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔

شارحین لکھتے ہیں کہ کبوتر باز شخص کو آپ نے شیطان اِس لئے کہا کہ وہ راہِ حق سے دور ہے، اور بے فائدہ مشغلے میں لگا ہوا ہے۔ اور کبوتری کو چڑیل اس لئے فرمایا کہ وہی اُس کو اللہ کی یاد سے غافل کرنے کی سبب بنی ہے۔ (عون المعبود شرح سنن ابی داؤد حدیث: ۴۹۴۰)

اور جو حکم کبوتر بازی کا ہے، وہی تیتر بازی، بٹیر بازی اور پتنگ بازی وغیرہ کا بھی ہے۔ اور اگر اِس میں ہار جیت پر شرط لگی ہوئی ہو، تو جوا اور سٹے کا گناہ بھی اِس میں شامل ہے، **اللّٰهم احفظنا منه۔**

شکار میں انہماک

اسلامی شریعت میں ضرورت کے وقت اگرچہ حلال جانوروں کے شکار کی اِجازت ہے، اور خود پیغمبر علیہ السلام کے زمانے میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شکار کیا ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکار کا گوشت بھی نوش فرمایا ہے؛ لیکن اِس کے باوجود پیغمبر علیہ السلام نے شکار میں انہماک کی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی۔

چناں چہ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا، وَمَنْ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ، وَمَنْ أَتَى السُّلْطَانَ افْتُتِنَ. (سنن أبي داؤد / باب في اتباع الصيد حديث: ٢٨٥٩)

جو شخص جنگل میں رہے اُس کی طبعیت میں سختی آجاتی ہے، اور جو شکار کے پیچھے پڑے اُس پر غفلت غالب آجاتی ہے، اور جو حاکم کے پاس آتا جاتا ہے وہ (کبھی نہ کبھی دینی یا دنیوی اعتبار سے) فتنے میں پڑ جاتا ہے۔

اِس حدیث میں جو باتیں ارشاد فرمائی گئیں وہ سوفیصد برحق ہیں، اور خاص طور پر شکاری کے بارے میں جو غفلت کی بات کہی گئی ہے، وہ تو بالکل مشاہدہ کے مطابق ہے۔ چناں چہ جس

شخص کو شکار کا چسکا لگ جاتا ہے، وہ سب کاموں کو چھوڑ کر ہر وقت جنگل بیابان کی خاک چھاننے میں ہی لگا رہتا ہے، اور اپنی تمام دینی ودنیاوی ذمہ داریوں سے لاپرواہ ہو جاتا ہے۔

ملٹی میڈیا موبائل: مجموعہ لغویات

پہلے دور میں شیطانی مشاغل اور لغو مصروفیات الگ الگ جگہوں پر اور الگ الگ صورتوں میں پائے جاتے تھے، جن کا یکجا طور پر جمع کرنا آسان نہ تھا؛ لیکن جب سے ''ملٹی میڈیا موبائل'' اور انٹرنیٹ تک رسائی آسان ہوئی ہے، تو ہر طرح کی لغویات آدمی کے ہاتھ تک پہنچ چکی ہیں، اور بلاشبہ یہ آلہ موجودہ دور میں لہو ولعب اور لغویات کا سب سے بڑا مصداق اور اَوقات کی بربادی کا سب سے بڑا ذریعہ بن چکا ہے۔

بے شک اِس میں ضرورت کے اعتبار سے بے شمار فوائد بھی ہیں؛ جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن جہاں تک اُس کے استعمال کا تعلق ہے تو اِس میں کوئی دو رائے نہیں کہ غالب اکثریت اُس کا استعمال آج لغویات ہی میں کر رہی ہے، بچہ بچہ اِس میں لگ کر اپنی پاکیزہ نشوونما کو پراگندہ کر رہا ہے، اور نوجوان نسل خاص طور پر اِس کے نقصان دہ اثرات سے سب سے زیادہ متأثر ہورہی ہے۔ الغرض اِس کی خرابیاں ناقابل بیان ہیں۔

اِس لئے ہر شخص کو اِس کے مضر اثرات سے اپنے کو بچانے کی فکر وکوشش کرنا لازم ہے۔

چودھواں باب:

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ○

[الفرقان: ۷۳]

نصیحت کی باتوں پر دھیان

پہلی فصل:

نصیحت کی باتوں پر توجہ

اِیمان والوں کی ایک اہم علامت یہ ہے کہ جب اُن کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیتیں اور نصیحت و ہدایت کی باتیں پیش کی جاتی ہیں، تو وہ کفار و منافقین کی طرح اندھے بہرے نہیں بنے رہتے؛ بلکہ جی لگا کر اُنہیں سنتے ہیں، اور پھر اُن پر عمل کر کے اپنی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ چناں چہ ''عبادُ الرحمٰن'' کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا﴾ [الفرقان: ۷۳] (یعنی وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب اُن کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے، تو وہ اُن (احکام) پر بہرے اندھے ہو کر نہیں آتے)

اِس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَالْمَعْنیٰ أَنَّهُمْ إِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا أَكَبُّوْا عَلَيْهَا حِرْصًا عَلیٰ اِسْتِمَاعِهَا وَأَقْبَلُوْا عَلَى الذِّكْرِ بِهَا وَهُمْ فِيْ إِكْبَابِهِمْ عَلَيْهَا سَامِعُوْنَ بِآذَانٍ وَاعِيَةٍ مُوْسِعُوْنَ بِعُيُوْنٍ رَاعِيَةٍ، لَا كَالَّذِيْنَ يُذَكَّرُوْنَ بِهَا فَتَرَاهُمْ مُكِبِّيْنَ

مطلب یہ ہے کہ جب اُن کو آیاتِ قرآنیہ کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے، تو وہ اُس کو سننے کے شوق میں اُس پر گویا گر پڑتے ہیں، اور اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ اور جب وہ آیتوں کی طرف راغب ہوتے ہیں تو وہ اُن کو کھلے کانوں سنتے ہیں، اور بصیرت کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، وہ اُن لوگوں کی طرح نہیں

عَلَیۡهَا مُقۡبِلِیۡنَ عَلٰی مَنۡ ذُکِّرَ بِهَا مُظۡهِرِیۡنَ الۡحِرۡصَ الشَّدِیۡدَ عَلٰی اِسۡتِمَاعِهَا وَهُمۡ کَالصُّمِّ وَالۡعُمۡیَانِ حَیۡثُ لَا یَفۡهَمُوۡنَهَا وَلَا یُبۡصِرُوۡنَ عَلٰی مَا فِیۡهَا کَالۡمُنَافِقِیۡنَ. (التفسیر الکبیر للرازي ۱۱۵/۱۲)

ہیں کہ جب اُن کو نصیحت کی جاتی ہے تو بظاہر وہ اُن کی طرف راغب ہوتے ہیں، اور اُس کے سننے پر شدید شوق کا اظہار بھی کرتے ہیں؛ لیکن وہ بہرے اور اندھے بنے رہتے ہیں کہ نہ تو وہ اُن باتوں کو سمجھتے ہیں اور نہ ہی اُن پر نظر ڈالتے ہیں، جیسا کہ منافقین کا حال ہے۔

اِسی مفہوم کو قرآنِ کریم میں ایک دوسری جگہ اِس انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اِرشادِ خداوندی ہے:

وَاِذَا مَآ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّقُوۡلُ اَیُّکُمۡ زَادَتۡهُ هٰذِهٖۤ اِیۡمَانًا فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَزَادَتۡهُمۡ اِیۡمَانًا وَّهُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ. وَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَتۡهُمۡ رِجۡسًا اِلٰی رِجۡسِهِمۡ وَمَاتُوۡا وَهُمۡ کٰفِرُوۡنَ. (التوبة: ۱۲۴-۱۲۵)

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو بعض منافقین (بطور استہزاء) کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں اِضافہ کیا؟ پس جو لوگ ایمان والے ہیں، تو اس سورت نے اُن کے ایمان میں اِضافہ کیا، جس پر وہ بہت مسرور ہیں۔ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے، تو اس سورت (کے انکار) نے اُن کی گندگی میں اور گندگی بڑھادی، بالآخر وہ کفر ہی کی حالت میں دنیا سے سدھار گئے۔

بلاشبہ اہلِ ایمان جب قرآنی ہدایات اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نصیحت آموز ارشادات سنتے ہیں، تو اُن کے دل اللہ تعالیٰ کی خشیت سے اور سینے نورِ ایمانی سے معمور ہوجاتے ہیں۔ چناں چہ سورۂ انفال میں سچے مؤمنین کی تعریف کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا گیا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. (الأنفال: ۲)

یقیناً ایمان والے وہ ہیں جن کے سامنے جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، تو اُن کے دل کانپ اُٹھتے ہیں، اور جب اُن کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو وہ اُن کے ایمان (کی کیفیت) میں اِضافہ کا سبب بنتی ہیں، اور وہ اپنے رب پر (کامل) بھروسہ رکھتے ہیں۔

اور بہرحال نصیحت قبول کرنا یہی عقل ودانش کا تقاضا ہے۔ قرآنِ کریم میں کئی جگہ اِرشاد فرمایا گیا: ﴿وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (یعنی نصیحت تو عقل والے ہی قبول کرتے ہیں)

دوسری فصل:

کفار ومنافقین کا وطیرہ

اس کے برخلاف دشمنانِ اسلام کفار ومنافقین کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ قرآنِ کریم اور شریعت کی باتیں یا تو پڑھتے ہی نہیں، اور اگر پڑھتے بھی ہیں تو اُن کی غرض فاسد ہوتی ہے کہ وہ اس کا مذاق اُڑائیں یا اس پر اعتراض کریں، تو گویا کہ وہ جان بوجھ کر نصیحت کی باتوں سے اندھے اور بہرے بنے رہتے ہیں، تو اُن کا یہ طریقہ سخت قابل مذمت ہے۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا، اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ. (الأعراف: ۱۷۹)

اور ہم نے جہنم کے لئے بہت سے جنات اور اِنسانوں کو پیدا کیا ہے، جن کے پاس دل ہیں مگر وہ سمجھتے نہیں، اور آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں، اور اُن کے پاس کان ہیں مگر (حق بات) سنتے نہیں، یہ لوگ چوپایوں سے بھی بڑے گمراہ ہیں اور یہی لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

نیز کفار ومنافقین کے بارے میں فرمایا گیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا

بلاشبہ جنھوں نے کفر کیا تو چاہے آپ اُن کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں یا نہ ڈرائیں،

يُؤْمِنُوْنَ. خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ. (البقرة: ٦-٧)

وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مہر لگادی ہے، اور اُن کے کانوں اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے، اور اُن کے لئے بڑا عذاب مقرر ہے۔

اور منافقین کی مثال بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا گیا:

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَآئَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُوْنَ. صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ. (البقرة: ١٧-١٨)

اُن کی مثال اُس شخص کی طرح ہے جس نے کوئی آگ جلائی پھر جب اُس آگ نے اُس شخص کے اِردگرد ماحول کو روشن کردیا تو اچانک اللہ تعالیٰ نے اُن کی روشنی کو سلب فرمالیا، اور اُن کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ سوجھے نہیں (یہ لوگ) بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، اب یہ (حق کی طرف) واپس نہ آئیں گے۔

اور کافروں کا حال اِس طرح بیان ہوا:

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً، صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ. (البقرة: ١٧١)

اور اُن کافروں کا حال اُس شخص کی طرح ہے جو ایسے جانور پر چلّا رہا ہے جو سوائے پکارنے اور آواز دینے کے کچھ نہیں سنتا۔ اور یہ کفار خود بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، اُنہیں کچھ بھی سمجھ نہیں ہے۔

قرآنِ کریم کی حلاوت اور کفار کا عناد

فصاحت وبلاغت اور اعلیٰ مضامین کے اعتبار سے قرآنِ کریم وہ کلام ہے کہ خود بخود اس کو سننے کی طرف طبعیت کا میلان ہوتا ہے۔ چناں چہ مکہ معظّمہ کے وہ سردار جو دن بھر قرآنِ کریم

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش رہتے تھے، وہ بھی رات کے اندھیرے میں پیغمبر علیہ السلام کا قرآنِ کریم سننے جایا کرتے تھے، مگر وہ اسے ماننے پر تیار نہ تھے: اِس لئے کہ اُنھوں نے کانوں اور آنکھوں پر گویا پٹیاں باندھ رکھی تھیں۔

مشہور سیرت نگار علامہ عبدالملک ابن ہشام (المتوفی ۲۱۳ھ) نے حضرت امام ابن شہاب زہریؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مکہ کے تین سردار (ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام اور اخنس بن شریق ثقفی) ایک مرتبہ رات میں پیغمبر علیہ السلام کا تہجد میں قرآنِ کریم سننے کے لئے مکہ معظّمہ میں آپ کے دولت خانہ کے باہر پہنچے، اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر قرآنِ کریم سنتا رہا، اور ایک کو دوسرے کے بارے میں کوئی علم نہ تھا، یہاں تک کہ صبح ہوگئی، تو جب یہ لوگ واپس ہونے لگے تو راستہ میں ایک دوسرے کو دیکھ لیا، تو آپس میں ملامت کرنے لگے (کہ دن میں مخالفت کرتے ہیں اور رات میں قرآن سننے آتے ہیں) پھر اُنہوں نے معاہدہ کیا کہ آئندہ کوئی ایسا نہ کرے گا؛ کیوں کہ اگر کسی دوسرے شخص نے اُنہیں دیکھ لیا تو وہ بھی شک میں مبتلا ہوجائے گا؛ لیکن جب اگلی رات آئی تو پھر یہی قصہ پیش آیا (گویا ہر ایک یہ سمجھتا رہا کہ میں اکیلے ہی جارہا ہوں دوسرا نہ آئے گا) پھر آئندہ نہ آنے کا وعدہ کیا؛ لیکن تیسری رات میں بھی اتفاق سے تینوں پھر قرآنِ کریم سننے جمع ہوئے اور رات بھر سنتے رہے، تو جب صبح ہوئی تو اخنس بن شریق اپنی لاٹھی اُٹھا کر اولاً ابوسفیان کے پاس گئے، اور اُن سے پوچھا کہ اس قرآنِ کریم کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ اس میں سے کچھ باتیں تو میری سمجھ میں آتی ہیں؛ لیکن کچھ باتیں سمجھ سے باہر ہیں، اِس پر اخنس بن شریق بولے کہ میرا بھی یہی حال ہے۔ پھر وہ ابوجہل کے پاس پہنچے اور اُس سے پوچھا کہ رات پھر جو کلام پیغمبر علیہ السلام سے تو نے سنا اُس کے متعلق تیرا کیا خیال ہے؟ تو ابوجہل (ضد اور عناد کا اظہار کرتے ہوئے) کہنے لگا کہ ’’ہمارا اور بنوعبد مناف کا عزت وشرف میں مقابلہ چل رہا ہے، اُنہوں نے مہمان نوازی کی تو ہم نے بھی کردی۔ اُنہوں نے مسافروں کو سواری دی تو ہم نے بھی دے دی۔

اُنہوں نے سخاوت دکھائی تو ہم بھی پیچھے نہیں رہے؛ یہاں تک کہ جب ہم بالکل مقابلے پر آ گئے تو اب وہ کہتے ہیں کہ ہم میں نبی تشریف لائے ہیں، جن کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے، تو اب ہم اُن کے مقابلے میں نبی کہاں سے لائیں؟ اِس لئے ہم تو جیتے جی نہ تو اُن پر ایمان لائیں گے اور نہ تصدیق کریں گے"۔ ابوجہل کا یہ معاندانہ جواب سن کر اخنس بن شریق اُٹھ کر واپس آ گئے۔ (سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ۸۱/۲-۸۲)

سردارِ مکہ ولید بن المغیرہ کا واقعہ

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ سردار مکہ "ولید بن المغیرہ" پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اُسے قرآنِ کریم کی چند آیات پڑھ کر سنائیں تو وہ بڑا متأثر ہوا (اور قریش کے پاس جا کر کہا کہ یہ کلام نہ تو شعر ہے اور نہ دیوانے کی گفتگو ہے؛ بلکہ بلاشبہ اللہ کا کلام ہے) جب یہ خبر ملعون ابوجہل کو پہنچی (اور اُسے اندازہ ہوا کہ ولید کے اس تأثر سے دیگر لوگ بھی متأثر ہوں گے) تو وہ خود "ولید بن المغیرہ" کے گھر گیا اور اُس سے کہا کہ "برادری کے لوگ تمہاری مدد کے لئے چندہ کرنے کا پلان بنا رہے ہیں"، ولید بولا "کیوں؟" تو ابوجہل نے کہا کہ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی مدد کی درخواست کی ہے، تو ولید یہ سن کر بہت ناراض ہوا، اور کہنے لگا کہ سارا قریش جانتا ہے کہ میں یہاں کا سب سے بڑا مال دار اور صاحب اولاد ہوں۔ تو ابوجہل نے کہا کہ "اب لوگ اُس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک کہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا برملا انکار نہ کرے"۔ تو ولید نے کہا کہ "میں کیا کہوں؟ یہ کلام نہ تو شعر کے مشابہ ہے؛ کیوں کہ میں شعر کے تمام اَوزان سے واقف ہوں، اور اِس کلام میں بڑی چاشنی ہے، یہ سربلند ہے، اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا"۔ مگر ابوجہل اُسے ورغلاتا رہا؛ تا آں کہ اُس نے کہا کہ "زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ جادو زدہ کلام ہے"۔ اِس پر قرآنِ کریم میں درج ذیل دو آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ص: ۱۳۹۲ دار السلام ریاض)

ذَرۡنِیۡ وَمَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا. وَجَعَلۡتُ لَهٗ مَالًا مَّمۡدُوۡدًا. وَبَنِیۡنَ شُهُوۡدًا. وَمَهَّدۡتُّ لَهٗ تَمۡهِیۡدًا. ثُمَّ یَطۡمَعُ اَنۡ اَزِیۡدَ. کَلَّا اِنَّهٗ کَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیۡدًا. سَاُرۡهِقُهٗ صَعُوۡدًا. اِنَّهٗ فَکَّرَ وَقَدَّرَ. فَقُتِلَ کَیۡفَ قَدَّرَ. ثُمَّ قُتِلَ کَیۡفَ قَدَّرَ. ثُمَّ نَظَرَ. ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ. ثُمَّ اَدۡبَرَ وَاسۡتَکۡبَرَ. فَقَالَ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ یُّؤۡثَرُ. اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا قَوۡلُ الۡبَشَرِ. سَاُصۡلِیۡهِ سَقَرَ. وَمَاۤ اَدۡرٰکَ مَا سَقَرُ. لَا تُبۡقِیۡ وَلَا تَذَرُ. لَوَّاحَةٌ لِّلۡبَشَرِ. عَلَیۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ. (المدثر: ۱۱-۳۰)

مجھ کو اور اُس شخص کو رہنے دو جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا، اور اُس کو کثرت سے مال دیا، اور پاس رہنے والے بیٹے دئے، اور اس کو ہر طرح کی سہولت عطا کی، پھر بھی وہ زیادتی کی حرص کرتا ہے، ہرگز نہیں! وہ ہماری آیتوں کا مخالف ومعاند ہے، میں اس کو عنقریب پہاڑ پر چڑھاؤں گا، اس شخص (ولید) نے سوچا، پھر ایک بات تجویز کی، سو وہ مارا جائے، اُس نے کیسی بات تجویز کی، پھر اُس پر خدائی مار ہو، اس نے کیسی بات مقرر کی؟ پھر دیکھا پھر منہ بنایا، اور منہ بگاڑا، پھر منہ پھیرا، اور تکبر ظاہر کیا، پھر بولا کہ یہ تو نقل شدہ جادو ہے، بس یہ تو آدمی کا کلام ہے، (اب) میں اس کو دوزخ میں داخل کروں گا، اور تم کو کچھ خبر ہے کہ دوزخ کیا چیز ہے؟ جو نہ باقی رہنے دے گی، اور نہ چھوڑے گی، وہ بدن کی حیثیت بگاڑ دے گی، اس پر (نگرانی کے لئے) انیس فرشتے مقرر ہیں۔

تیسری فصل:

اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کا صحیح استعمال

اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو سننے اور دیکھنے وغیرہ کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، جن کا اگر وہ صحیح استعمال کرے تو بتوفیق خداوندی ہدایت سے بہرہ ور ہوسکتا ہے، اور اُسے راہِ حق پر استقامت نصیب ہوسکتی ہے؛ لیکن اگر وہ اِن نعمتوں سے فائدہ نہ اُٹھائے، تو واقعۃً یہی کہا جائے گا کہ وہ حق باتوں سے اندھا اور بہرا ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد وثمود کا تذکرہ کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

وَلَقَدْ مَكَّنَّاهُمْ فِيمَا إِنْ مَكَّنَّاكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّأَبْصَارًا وَّأَفْئِدَةً فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُمْ مِنْ شَيْءٍ إِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ. (الأحقاف: ٢٦)

اور ہم نے ان کو ان باتوں پر قدرت دی تھی کہ تم کو اُن پر قدرت نہیں دی، اور ہم نے اُن کو کان، آنکھ اور دل عطا کئے تھے؛ لیکن جب اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کیا، تو اُن کے کان، آنکھیں اور دل اُن کے کچھ کام نہ آئے، اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اُڑاتے تھے اُسی نے اُن کو آگھیرا۔

نیز مکہ کے لوگوں کا یہی حال تھا کہ جب پیغمبر علیہ السلام اُن کو قرآنِ کریم کی آیات سناتے تھے، تو وہ بڑی ڈھٹائی سے یہ جواب دیتے تھے کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، آپ کے لاکھ مرتبہ قرآن سنانے سے ہم پر کچھ بھی اثر نہ ہوگا۔ قرآنِ کریم میں اُن کا مقولہ اِن الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَيْهِ وَفِيْ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عَامِلُوْنَ. (حم السجدة: ٥)

اور وہ کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف آپ ہم کو بلاتے ہیں، تو ہمارے دل اُس سے پردوں میں ہیں، اور ہمارے کانوں پر ڈاٹ لگی ہوئی ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک حجاب ہے، پس آپ اپنا کام کیجئے (سناتے رہئے) اور ہم اپنا کام کرتے رہیں گے (یعنی مان کے نہیں دیں گے، نعوذ باللہ منہ)

اور اسی مضمون کو سورۂ اسراء میں اِس طرح فرمایا گیا:

وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا. وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا، وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا.

(الاسراء: ٤٥-٤٦)

اور جب آپ قرآنِ کریم پڑھتے ہیں، تو ہم آپ کے اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے درمیان ایک پردہ حائل کردیتے ہیں۔ اور ہم اُن کے دلوں پر حجاب ڈال دیتے ہیں، اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں، اور اُن کے کانوں میں ڈاٹ لگا دیتے ہیں، اور جب آپ قرآن میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ نفرت کرتے ہوئے پیٹھ پھیر کر رفو چکر ہوجاتے ہیں۔

خلاصۂ کلام

مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ قرآنی ہدایات اور نبوی اِرشادات کو سن کر نظر انداز کردینا کفار ومنافقین کا شیوہ ہے، اہل ایمان کو ہرگز یہ طریقہ نہیں اپنانا چاہئے؛ بلکہ اُنہیں بہرحال سمع وطاعت کے راستہ پر چلنا چاہئے؛ تاکہ وہ دارین میں صلاح وفلاح اور سرخ روئی کے مستحق بن سکیں۔

بریں بنا ''عبادالرحمٰن'' کی یہ صفت (کہ وہ اللہ کی آیتیں سن کر لاپروائی نہیں برتتے) پوری اُمت کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر ہم کوئی نصیحت کی بات پڑھیں یا نصیحت پر مبنی کوئی بیان سنیں یا ہمارے سامنے آیات واحادیث پڑھی جائیں، تو ہمیں پوری توجہ کے ساتھ اُنہیں سننا چاہیئے، اور پھر اُن پر عمل بھی کرنا چاہیئے۔ اگر اِس بات کا ہم اہتمام رکھیں گے تو گمراہیوں اور کوتاہیوں سے محفوظ رہیں گے، اور ہمارا نام بھی اللہ کے خاص بندوں میں درج ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق سے نوازیں، آمین۔

چوتھی فصل:

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ سمع وطاعت

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبتِ مبارکہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ مزاج بن گیا تھا کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ کا کوئی حکم یا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی ارشاد اُن کے سامنے آتا، تو وہ فوراً سرِ تسلیم خم کردیتے، اور اپنے ذاتی جذبات کے مقابلے میں شریعت کے حکم کو دل وجان سے قبول کرلیا کرتے تھے۔

چناں چہ ایک موقع پر اِس کا خاص انداز میں اظہار ہوا، جب قرآنِ کریم میں یہ آیت نازل ہوئی:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ، وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ، فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ، وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. (البقرة: ٢٨٤)

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اگر تم اپنے دلوں کی بات ظاہر کروگے یا چھپاؤگے، تو اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لے گا، پھر جس کو چاہے بخش دے گا اور جس کو چاہے عذاب دے گا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

تو اِس آیت سے بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ دل میں گذرنے والے بے اختیار خیالات پر بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت ہوسکتی ہے، حالاں کہ بہت سے خیالات بغیر کسی قصد و اِرادہ کے بھی دل میں آجاتے ہیں، اس لئے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بہت گھبراہٹ ہوئی کہ شاید اب تو کوئی

شخص بھی اللہ کی طرف سے مؤاخذے سے بچ نہیں پائے گا، اور اُنھوں نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آکر اپنی اِس بے چینی کا اِظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! اب تک جو ہمارے اوپر احکام فرض کئے گئے، مثلاً نماز، روزہ، جہاد، صدقہ وغیرہ؛ وہ تو ہم نے انجام دیئے؛ لیکن یہ آیت جو آپ پر نازل ہوئی ہے، یہ ہمارے بس سے باہر ہے''۔ تو اُن کی بات سن کر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''کیا تم لوگ بھی یہود ونصاریٰ کی طرح ﴿سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا﴾ (یعنی ہم نے سن لیا اور نہیں مانا) کہنا چاہتے ہو؟ بلکہ تمہیں تو یہ کہنا چاہئے: ﴿سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ (یعنی ہم نے سن کر اِطاعت کی، اے ہمارے رب! ہم آپ کی مغفرت چاہتے ہیں، اور آپ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے)

پیغمبر علیہ السلام کا یہ اِرشاد سنتے ہی سب حاضرین صحابہ کی زبانوں پر ﴿سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ کے کلمات جاری ہوگئے، اور ذہن میں پیدا ہونے والے سارے وساوس اور پراگندہ خیالات فوراً دور ہوگئے۔ (مسلم شریف/ کتاب الایمان ۱/۷۷) جس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دو آیات نازل فرمائیں:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ، لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ، وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ. لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا، لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ، رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا،	مان لیا رسول (علیہ السلام) نے جو کچھ اُن پر اُن کے رب کی طرف سے اُترا، اور مسلمانوں نے بھی (مان لیا) سب ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں اور رسولوں پر۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم رسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے (کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں؛ بلکہ سب کو مانتے ہیں) اور اُنھوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور قبول کیا، اے ہمارے رب! ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں،

رَبَّنَا وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَيۡنَآ اِصۡرًا كَمَا حَمَلۡتَهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا، رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ، وَاعۡفُ عَنَّا، وَاغۡفِرۡ لَنَا، وَارۡحَمۡنَآ، اَنۡتَ مَوۡلٰنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ. (البقرۃ: ۸۵-۸۶)

اور آپ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اُس کی وسعت وقدرت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بناتا، آدمی کو وہی ملتا ہے جو اُس نے کیا، اوراس پر وہی (وبال) پڑتا ہے جو اُس نے (جرم) کیا۔ اے ہمارے رب! ہماری بھول چوک پر ہم سے مؤاخذہ مت فرمایئے!

اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ مت ڈالئے جیسا کہ آپ نے ہم سے پہلے لوگوں (اُمتوں) پر ڈالا تھا۔ اے ہمارے رب! ہم سے ایسا بوجھ مت اُٹھوایئے جس کی ہم کو طاقت نہیں، اور ہم سے درگذر فرمایئے، اور ہم کو بخش دیجئے، اور ہم پر رحم فرمایئے، آپ ہی ہمارے کارساز ہیں، آپ کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرمایئے۔

یہاں پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبۂ اِیمانی کی تعریف فرمائی؛ تاکہ اُن کے دلوں میں اِیمان کی مزید قدر پیدا ہو، اور دل میں جو خلجان پیش آچکا تھا، وہ پوری طرح زائل ہوجائے۔

اُس کے بعد دوسری آیت: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا﴾ کے شروع میں یہ وضاحت فرمادی گئی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کو بھی قدرت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بناتے، اِس لئے جو خیالات غیر اختیاری طور پر دل پر گذریں، اُن پر کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا؛ حتیٰ کہ اگر گناہ کا خیال دل میں آیا؛ لیکن اُس پر عمل نہ کیا تو بھی گناہ نہیں لکھا جاتا، جیسا کہ حدیث میں اِس کی صراحت ہے۔ (مسلم شریف/ کتاب الایمان ۱/۷۸)

اِس وضاحت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اور اُن کے ذریعہ سے پوری اُمتِ محمدیہ کو بلاشبہ بڑا اطمینان نصیب ہوا۔ والحمد کلہ للہ۔

اُس کے بعد اخیر میں چند دعائیہ کلمات اِرشاد فرمائے گئے، جو بہت ہی پراثر اور ضروری ہیں۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اِن دعاؤں پر تبصرہ فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''جن دعاؤں کا ہمیں حکم ہوا ہے اُن کا مقصود یہ ہے کہ بے شک ہر طرح کا حق حکومت اور استحقاقِ عبادت تجھ کو ہم پر ثابت ہے، مگر اے ہمارے رب اپنی رحمت وکرم سے ہمارے لئے ایسے حکم بھیجے جائیں، جن کے بجالانے میں ہم پر صعوبت اور بھاری مشقت نہ ہو، نہ بھول چوک میں ہم پکڑے جائیں، نہ مثل پہلی اُمتوں کے ہم پر شدید حکم اُتارے جائیں، نہ ہماری طاقت سے باہر کوئی حکم ہم پر مقرر ہو۔ اِس سہولت پر بھی ہم سے جو قصور ہو جائے اُس سے درگذر اور معافی اور ہم پر رحم فرمایا جائے۔ حدیث میں ہے کہ یہ سب دعائیں مقبول ہوئیں، اور جب اُس دشواری کے بعد جو حضراتِ صحابہ کو پیش آ چکی تھی، اللہ کی رحمت سے اب ہر ایک دشواری سے ہم کو اَمن مل گیا، تو اَب اتنا اور بھی ہونا چاہئے کہ کفار پر ہم کو غلبہ عنایت ہو، ورنہ اُن کی طرف سے مختلف دقتیں دینی اور دنیوی ہر طرح کی مزاحمتیں پیش آ کر جس صعوبت سے اللہ اللہ کر کے اللہ کے فضل سے جان بچی تھی، کفار کے غلبے کی حالت میں پھر وہی کھٹکا موجبِ بے اطمینانی ہوگا''۔

(ترجمہ شیخ الہند مع تفسیر ۱/۵۸ مکتبۃ البشریٰ کراچی)

بلاشبہ یہ دعائیہ کلمات اِس قابل ہیں کہ ہر مؤمن بکثرت معنیٰ سمجھ کر ان کا ورد رکھے، بالخصوص نمازوں کے بعد اور مستجاب اَوقات میں جی لگا کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں فریاد کی جاتی رہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

انصارِ مدینہ کی بے مثال وفا شعاری

وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مکہ معظّمہ کی زمین تنگ ہوگئی تھی، کفارِ مکہ درپئے آزار تھے۔ اور قریش کے دبدبہ کی وجہ سے عرب کا کوئی قبیلہ پیغمبر علیہ السلام کا ساتھ دینے کو تیار نہ تھا۔ اِس نازک موڑ پر اللہ تعالیٰ نے اہلِ مدینہ کو یہ توفیق بخشی کہ اُنہوں نے ہمت کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے یہاں پناہ دینے کی درخواست کی، اور کامل جانثاری کے جذبہ کے ساتھ عرض کیا کہ: ''آپ ہم سے کیا

چاہتے ہیں؟'' تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''میں تم سے چند باتوں کا وعدہ لینا چاہتا ہوں'':

(۱) اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ: یعنی جو میں حکم کروں تمہیں سو فیصد ماننا ہے، آنا کانی نہیں ہوگی، ایسا نہ ہو کہ اب تو سب ہامی بھرلیں اور کل جب کوئی مشکل بات سامنے آئے تو پھر رخ پھیرلیں، اِس لئے ابھی سوچ لیں، جو میں کہوں گا اُسے ماننا پڑے گا، چاہے تمہارے دل میں بشاشت ہو اور چاہے کسل وسستی ہو، تمہیں ہر حالت میں میرے حکم کی تعمیل کرنی ہے۔

(۲) اَلنَّفَقَةُ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ: یعنی چاہے مال داری کی حالت ہو یا تنگی کی، جب مال کی ضرورت پڑے گی، تو تمہیں دین کے لئے اپنا مال خرچ کرنا پڑے گا، اس کا پکا وعدہ کرو؛ کیوں کہ دنیاوی اسباب کے بغیر کوئی تحریک نہیں چلتی، اور یہاں پیغمبر علیہ السلام اپنے لئے نہیں مانگ رہے تھے؛ بلکہ دین کے لئے تعاون کا وعدہ لے رہے تھے، یعنی جب دین کے لئے ضرورت پڑے گی، تو تمہیں تعاون کرنا پڑے گا، اور کوئی معذرت قبول نہیں ہوگی۔

(۳) اَلْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ: یعنی اچھائیوں کا حکم کرنے اور برائیوں پر روک ٹوک کرنے پر تم پورے معاون بنے رہو، یعنی میں مدینہ جا کر معاشرہ کو درست کروں گا، بدعات، خرافات اور جاہلانہ رسومات کو مٹاؤں گا، اچھی باتوں کی تلقین کروں گا، تو تمہیں میرا ساتھ دینا پڑے گا۔

اور آپ نے فرمایا کہ جب دین کی بات آئے تو کسی بھی طعنہ کرنے والے، طعنہ دینے والے اور برائی کرنے والے کی برائی کا خیال کئے بغیر تمہیں حق اور سچی بات کہنی پڑے گی، اس بارے میں کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح سے آپ نے فرمایا کہ جب میں مدینہ منورہ پہنچ جاؤں تو تمہیں میری ہر حالت میں مدد اور نصرت کرنی پڑے گی، اور جس طرح تم اپنی اولاد، اپنی بیویوں، اپنے بچوں اور جانوں کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح تمہیں میری بھی حفاظت کرنی ہوگی، اگر تم نے ایسا وعدہ اور

عہد کرلیا اور یہ بیعت تم نے میرے ہاتھ پر کرلی تو میری ضمانت یہ ہے کہ تمہیں ہر حال میں جنت ملے گی۔ (البدایہ والنہایہ ۱۷۲/۲، الرحیق المختوم ۲۳۶)

پیغمبر علیہ السلام کی بات سن کر سبھی حاضر انصاری صحابہؓ (جن کی تعداد ۷۳ یا ۷۵ تھی) دل وجان سے بیعت کرنے پر تیار ہو گئے؛ تاہم ان میں سے سب سے بڑے رئیس حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''دیکھو بیعت کرنے سے پہلے سو مرتبہ سوچ لو، تمہاری بیعت کرتے ہی تمہارے دشمن تمہارے خلاف میدانِ جنگ گرم کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے، تمام قبیلے تم سے اپنے ہاتھ کو اٹھالیں گے، تمہیں الگ تھلگ یہاں سے جانا پڑے گا، اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینا گویا پورے عرب سے دشمنی مول لینا ہے، کبھی کل تمہارے اندر اس بارے میں سستی نہ ہو جائے، اگر معذرت کرنی ہے تو ابھی معذرت کرلو، تمہارے اوپر کوئی اعتراض نہیں ہوگا؛ لیکن اگر پکا وعدہ کرلیا پھر کسی بات میں کوتاہی ہوتی ہے تو مشکل ہو جائے گی، ابھی سوچ سمجھ لو''۔

اس پر تمام لوگوں نے بیک زبان کہا کہ نہیں، جو ہوگا سو ہوگا، ہم پیغمبر علیہ السلام کے لئے اپنی جان، مال، عزت اور آبرو سب قربان کردیں گے، کسی چیز کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی، اسی بیعت کی وجہ سے ان اہل مدینہ کا لقب ''انصار'' پڑ گیا اور ان کے لئے قیامت تک اللہ کی رضا اور خوشنودی مقدر ہوگئی۔ (البدایہ والنہایہ ۱۷۶/۲، الرحیق المختوم ۲۳۸)

چناں چہ حضراتِ انصار مدینہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدہ کیا تھا، وہ بھرپور انداز میں نبھایا، اور کسی سخت سے سخت موقع پر بھی اپنی وفاشعاری پر حرف نہ آنے دیا۔ سیدنا حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ جو اس بیعت میں شریک تھے، وہ فرماتے ہیں:

إِنَّا بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، فِي النَّشَاطِ وَالْكَسَلِ، وَالنَّفَقَةِ	ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر چستی اور سستی ہر حالت میں سمع وطاعت (دین کی اطاعت) کی بیعت کی، اسی طرح

فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ، وَعَلَى الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَعَلىٰ أَنْ نَقُوْلَ فِي اللّٰهِ: لَا تَأْخُذُنَا فِيْهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ، وَعَلىٰ أَنْ نَنْصُرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ إِذَا قَدِمَ عَلَيْنَا يَثْرِبَ مِمَّا نَمْنَعُ بِهٖ أَنْفُسَنَا وَأَزْوَاجَنَا وَأَبْنَاءَ نَا، وَلَنَا الْجَنَّةَ، فَهٰذِهٖ بَيْعَةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ الَّتِي بَايَعْنَاهُ عَلَيْهَا. (البداية والنهاية ۱٦۱/۳)

تنگی اور خوش حال ہر صورت میں دین پر خرچ کرنے کی، اور نیکی کا حکم کرنے اور برائی پر روک ٹوک کرنے کی بیعت کی، اور اس پر بھی بیعت کہ ہم بہرحال حق بات کہیں گے اور کسی برائی کرنے والے کا طعنہ ہمیں (حق کہنے سے) نہ روکے گا۔ اور ہم نے اس پر بھی بیعت کی کہ ہم جس طرح اپنی جان اور اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہیں۔ اسی طرح مدینہ تشریف آوری پر ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کریں گے، اور اس کے بدلہ میں ہمیں جنت ملے گی (اِن شاء اللہ تعالیٰ) یہی وہ بیعت ہے جس کو ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کیا تھا۔

بلاشبہ اِس بیعت کی وجہ سے سبھی بیعت کرنے والے صحابہ زبانِ نبوت سے جنت کی بشارت سے نوازے گئے، اور دنیا وآخرت میں اعلیٰ ترین درجات سے سرفراز ہوئے۔ فجزاهم اللّٰه تعالىٰ أحسن الجزاء.

غزوۂ بدر کے موقع پر جاں نثاری کا اظہار

اسی طرح ہجرتِ مدینہ منورہ کے بعد سب سے پہلا بڑا معرکہ ''غزوۂ بدر'' کی صورت میں پیش آیا، دراصل آپ ہنگامی حالات میں ابوسفیان کے تجارتی قافلے کے تعاقب کے لئے تین سو تیرہ صحابہؓ کی جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے، اور بظاہر قافلہ کے تعاقب اور گرفت کے لئے یہ مختصر جماعت کافی تھی؛ لیکن ہوا یہ کہ ابوسفیان کو جب خطرہ کا احساس

ہوا، تو وہ راستہ بدل کر مکہ معظّمہ کی طرف روانہ ہوگئے، مگر وہ چوں کہ مکہ والوں کو خطرہ سے خبر دار کر چکے تھے، اس لئے ابوجہل کی قیادت میں ایک ہزار لوگوں کا لشکر جرار مقابلے کے لئے نکلا اور بدر کے میدان میں خیمہ زن ہوگیا، جو مدینہ سے تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ بہرحال نبی اکرم علیہ السلام جب مقام ''فرزان'' میں پہنچے، تو آپ کو اندازہ ہوا کہ قافلہ تو چلا گیا، اور اَب مقابلہ ایک بڑے لشکر سے ہے، اس لئے آپ نے تمام ساتھیوں کو جمع کیا، اور فرمایا کہ ''مشورہ دو کیا کرنا چاہئے؟ ہم لوگ مدینہ سے چند لوگوں سے لڑنے کے لئے نکلے تھے؛ لیکن اَب مقابلہ پوری فوج اور لشکر سے ہے، بتاؤ کیا کرنا چاہئے؟'' سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ حضرت! جیسی آپ کی مرضی ہو، ہماری عزت وآبرو، جان اور مال ودولت سب آپ کے قدموں پر نچھاور ہیں۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے بھی یہی فرمایا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے جوش سے فرمایا کہ ''ہم اُن (یہودیوں) کی طرح نہیں ہیں جنہوں نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ گستاخانہ جواب دیا تھا کہ ''آپ اپنے رب کے ساتھ جا کر جنگ کریں، اور ہم یہیں بیٹھے ہیں''؛ بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہر طرف سے آپ کے ساتھ لڑنے کو تیار ہیں، یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور کھل اُٹھا، اور بشاشت پھیل گئی۔

(بخاری شریف/ کتاب المغازی ۲/۵۶۴، سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ۳/۵۸، سیرۃ المصطفیٰ ۲/ ۶۳-۶۴)

لیکن یہ سب حضرات مہاجرین میں سے تھے۔ اور پیغمبر علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ انصار میں سے بھی کوئی کھڑا ہو؛ کیوں کہ انصار کے لوگوں نے مدینہ منورہ میں تعاون کی بیعت کی تھی، اور یہ معاملہ بدر میں پیش آنے والا ہے جو مدینہ سے کافی فاصلہ پر ہے۔

چناں چہ اخیر میں سیدنا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے، جو انصار کے سردار تھے، اور فرمایا کہ:

إِيَّانَا تُرِيْدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نُخِيْضَهَا الْبَحْرَ لَأَخَضْنَاهَا، وَلَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نَضْرِبَ أَكْبَادَهَا إِلىٰ بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا. (صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير / باب غزوة بدر حديث: ۱۷۷۹، صحيح البخاری شريف ۲/۵٦٤)

حضور! آپ ہماری رائے جاننا چاہتے ہیں؟ اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر آپ ہمیں سمندر میں گھوڑے دوڑانے کو کہیں گے تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں، اور اگر آپ ہمیں ''برک الغماد'' (ایک دور دراز جگہ) تک سواریاں دوڑانے کو کہیں تو ہم یہ بھی کر گذریں گے۔ (اِن شاء اللہ تعالیٰ)

چناں چہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان جانثاروں کے ساتھ بدر کے لئے روانہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے بے وہم وگمان عظیم الشان فتح سے سرفراز فرمایا، اور رہتی دنیا تک کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وفا شعاری، سمع وطاعت اور جانثاری کی روشن تاریخ رقم ہوئی، جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا، رضی اللہ عنہم وارضاہم۔

پانچویں فصل:

مجلسِ نبوی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فدائیت کا ایک نظارہ

عروہ بن مسعود ثقفیؓ قبیلہ بنوثقیف کے انتہائی باوقار سردار تھے، اُنہیں اہل مکہ کے درمیان بھی خصوصی مقام حاصل تھا۔ سن ۶ رہجری میں جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ احرام باندھ کر عمرہ کے لئے مکہ معظّمہ کے قریب پہنچے، تو مکہ کے لوگوں نے آپ کو شہر میں داخل ہونے سے روک دیا، چناں چہ آپ نے ''حدیبیہ'' میں قیام فرمایا، اور پھر وقفہ وقفہ سے اہل مکہ سے مذاکرات چلتے رہے۔ آپ نے مذاکرات کے لئے آنے والوں سے انتہائی سنجیدہ اور دوٹوک گفتگو فرمائی، اور اُن سے یہ کہا کہ: ''ہم احرام باندھ کر صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں، ہمارا جنگ کا کوئی اِرادہ نہیں ہے، قریش کو مختلف جنگوں نے کمزور کر کے رکھ دیا ہے، اگر وہ چاہیں تو ہم اُن سے ایک مدت تک ناجنگ معاہدہ کرنے کے لئے تیار ہیں، بشرطیکہ وہ ہمارے راستے میں رکاوٹ نہ بنیں۔ ...... اور اگر قریش کسی صلح پر آمادہ نہیں ہوئے، تو پھر ہم آخری دم تک لڑیں گے؛ تا آں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب فرمادیں''۔

آپ کی جب یہ باتیں قریش تک پہنچیں، تو حضرت عروہ ابن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے قریش کو مشورہ دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو باتیں پیش کی گئی ہیں، وہ ''بہترین منصوبہ'' کی حیثیت رکھتی ہیں، اُن کو قبول کرنے میں ہر طرح کا نفع ہے، اُس کے بعد خود نبی اکرم

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوکر طویل گفتگو فرمائی، اور گفتگو کے دوران آپ کی مجلس کا باریکی سے مشاہدہ کیا۔ اُس کے بعد جب اہل مکہ کے پاس واپس گئے، تو وہاں جو بیان دیا اُس کے اَلفاظ یہ تھے کہ:

''اے لوگو! میں بڑے بڑے بادشاہوں قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے دربار میں گیا ہوں؛ لیکن میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کسی بادشاہ کے درباری اُس کی ایسی تعظیم نہیں کرتے جیسی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تھوک بھی دیتے ہیں، تو وہ تھوک زمین پر گرنے سے پہلے اُن کے کسی ساتھی کے ہاتھ پر گرتا ہے، جو اُسے اپنی سعادت سمجھتے ہوئے اپنے چہرہ اور جسم پر لگا لیتا ہے، اور جب آپ اُنہیں کسی بات کا حکم دیتے ہیں، تو لوگ اُس حکم کی تعمیل میں جھپٹ پڑتے ہیں۔ اور جب آپ وضو فرماتے ہیں تو وہ لوگ آپ کے اعضاء سے ٹپکنے والے پانی کو لینے کے لئے (گویا کہ) آپس میں لڑ پڑتے ہیں۔ اور اگر آپ گفتگو کرتے ہیں، تو اُن پر سناٹا چھا جاتا ہے، اور وہ مارے تعظیم کے آپ کی طرف نظر جمانا گوارا نہیں کرتے''۔ (ملخص: بخاری شریف، کتاب الشروط/ باب الشروط فی الجہاد ۱/۳۷۸-۳۷۹ حدیث: ۲۷۳۱، دلائل النبوہ ۴/۱۰۲-۱۰۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت، مسند احمد بن حنبل حدیث: ۱۸۹۲۸)

واضح ہو کہ اُس وقت تک ''حضرت عروہ بن مسعودؓ'' اِسلام نہیں لائے تھے؛ لیکن بعد میں جب نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوۂ طائف (سن ۸؍ہجری) سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ تشریف لا رہے تھے تو موصوف تیز رفتاری کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے ہی نبی اکرم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے۔ اُس کے بعد پیغمبر علیہ السلام سے اِجازت چاہی کہ اپنے قبیلے میں واپس جا کر وہاں اسلام کی دعوت پیش کریں؛ لیکن نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''اگر تم نے واپس جا کر ایسا کیا تو تمہاری قوم والے تمہیں قتل کر ڈالیں گے''۔ مگر حضرت عروہؓ کو قوم میں اپنی محبوبیت پر بڑا اعتماد تھا؛ اس لئے اُنہوں نے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! میری ذات میری قوم والوں کی نظر میں اُن کی آنکھوں سے زیادہ پسندیدہ ہے''۔

اُس کے بعد موصوف اپنی قوم میں واپس تشریف لے گئے، اور وہاں جا کر اپنے اِسلام کا اظہار کیا، اُنہیں یہ گمان تھا کہ اُن کی قوم کے لوگ اُن کے مقام ومرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے اُن کی مخالفت نہ کریں گے؛ لیکن اُن کا خیال غلط ثابت ہوا، اور قبیلے والے اُن سے سخت ناراض ہوگئے، اور اُنہیں ناگوار باتیں سنائیں۔ اگلے دن صبح کو جب حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کی چھت پر کھڑے ہوکر دین کی دعوت دینی شروع کی، تو بنوثقیف کے لوگ ہر چہار جانب سے تیر کمان لے کر آ گئے، اور اُن پر تیروں کی بارش شروع کر دی، جس کی وجہ سے آپ زمین پر گر گئے اور بدن سے خون بہہ پڑا۔ شہادت سے پہلے آپ سے پوچھا گیا کہ ”آپ اپنے خون کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟“ تو آپ نے فرمایا کہ: ”اللہ نے مجھے عزت سے نوازا ہے، اور مجھے شہادت سے بہرہ ور فرمایا ہے، اور میرا حشر بھی اُنہی شہداء کے ساتھ ہوگا جو نبی اکرم علیہ السلام کے یہاں سے تشریف لے جانے سے پہلے غزوۂ طائف میں شہید ہوئے ہیں؛ لہٰذا مجھے اُنہیں شہیدوں کے ساتھ دفن کرنا“۔

بعد میں جب نبی اکرم علیہ السلام کو حضرت عروہ کے واقعہ شہادت کا علم ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ: ”عروہ کی مثال اُن کی قوم میں سورۂ یٰس شریف میں ذکر کردہ مؤمن شخص کی طرح ہے، جس نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا تھا، پھر اُنہوں نے اُسے شہید کر دیا“۔ (مستفاد: الروض الانف للسہیلیؒ ۴/۳۱۳-۳۱۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت، اُسد الغابہ ۳/۵۲۸-۵۲۹ دار الفکر بیروت)

اِس واقعہ کے کچھ دن کے بعد اُن کا پورا قبیلہ بھی بحمدہ تعالیٰ اِسلام کی دولت سے مشرف ہوگیا، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

بیعتِ اسلام کے بعد پھر کبھی گالی نہ دی

ایک صحابی جن کا نام ابوجُریٔ جابر بن سُلیم ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا، تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص ہیں جن کے اِردگرد لوگ جمع ہیں، اور وہ جو فرماتے ہیں سب اُن کی بات کا احترام کرتے ہیں، اور اُسے قبول کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ ”یہ صاحب کون

ہیں''؟ تو بتایا گیا کہ ''یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں''۔ تو میں نے آپ کو دو مرتبہ ''علیک السلام'' کہہ کر سلام کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''علیک السلام نہ کہو، یہ میت کا سلام ہے؛ بلکہ السلام علیکم کہو''۔ تو میں نے عرض کیا کہ ''کیا آپ ہی اللہ کے رسول ہیں؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

أَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ الَّذِيْ إِذَا أَصَابَکَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَهُ كَشَفَهُ عَنْکَ. وَإِنْ أَصَابَکَ عَامُ سَنَةٍ فَدَعَوْتَهُ أَنْبَتَهَا لَکَ. وَإِذَا كُنْتَ بِأَرْضٍ قَفْرٍ أَوْ فَلَاةٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُکَ فَدَعَوْتَهُ رَدَّهَا عَلَيْکَ.

میں اُس اللہ کا رسول ہوں کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے پھر تم اُس سے دعا کرو، تو وہ تمہاری تکلیف ہٹا دے گا۔ اور اگر تمہیں قحط سالی پیش آئے، پھر تم اُس سے فریاد کرو، تو وہ تمہارے لئے کھیتیاں اُگا دے گا۔ اور اگر تم کسی بنجر علاقہ یا جنگل میں ہو اور تمہاری سواری گم ہو جائے، پھر تم اُس کو پکارو، تو وہ تمہاری سواری تم کو لوٹا دے گا۔

تو میں نے عرض کیا کہ حضور آپ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے، تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا:

لَا تَسُبَّنَّ أَحَدًا الخ. تم ہرگز کسی کو برا بھلا مت کہنا۔

حضرت ابو جریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس نصیحت کے بعد میں نے نہ تو کسی آزاد کو گالی دی، نہ کسی غلام کو، نہ کسی اُونٹ کو، نہ کسی بکری کو۔ (سنن ابی داؤد رقم: ۴۰۸۴)

اِس سے آپ مذکورہ صحابی کے جذبہ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

حضور ﷺ کی منشاء سمجھ کر غلام آزاد کر دیا

ایک صحابی حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز مجھے اپنے غلام پر غصہ آ گیا تو میں اس کو کوڑے سے مارنے لگا، اسی درمیان میں نے آواز سنی کہ کوئی مجھے پکار رہا

ہے، مگر میں غصہ کی شدت کی وجہ سے یہ نہ سمجھ سکا کہ آواز دینے والا کون ہے؛ تاآں کہ جب وہ شخص قریب آئے تو میں نے دیکھا کہ وہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جو یہ فرمارہے ہیں کہ ''اے ابومسعود! اچھی طرح جان لو کہ جتنا تم اس غلام پر قدرت رکھتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ (تمہیں سزا دینے پر) قادر ہیں''۔

حضرت ابومسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے عرض کیا کہ: ''میں آئندہ کبھی کسی غلام کو نہیں ماروں گا''۔

اور ایک روایت میں ہے کہ یہ عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! یہ غلام اللہ واسطے آزاد ہے''۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اگر تم ایسا نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمہیں جھلسا ڈالتی''۔ (مسلم شریف حدیث: ۱۶۵۹، ابوداؤد شریف: ۵۱۵۹، الترغیب والترہیب: ۳۴۸۲)

اس حدیث کی روشنی میں ہمیں جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہمارا اپنے ماتحتوں کے ساتھ کیا معاملہ رہتا ہے؟ ذرا ذرا سی بات پر بے رحمی سے مار پیٹ اور طعن وتشنیع عام معمول ہے، یہ غریب کمزور لوگ، اگرچہ یہاں گھٹ گھٹ کر زندگی گزار لیتے ہیں؛ لیکن آخرت میں ان غریبوں کو ستانے کا انجام بہت برا ہوگا۔

مسلمان سے خیر خواہی کا عہد آخر تک نبھایا

صحابی جلیل سیدنا حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قبیلے کے بڑے سردار تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف چالیس روز قبل اسلام لائے، پیغمبر علیہ السلام نے اُن کی وجاہت کی وجہ سے اُن کا بہت اکرام فرمایا۔ خود فرماتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی میری طرف نظر فرمائی، تو بڑی بشاشت کا اظہار فرمایا، اور مجھے دیکھ کر مسکرائے۔ آپ بڑے خوبصورت شخص تھے۔ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: ''جَرِیْرُ یُوْسُفُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ'' (یعنی حضرت جریرؓ تو اُمتِ محمدیہ کے یوسف ہے) (اُسد الغابہ ۱/۳۳۳ دار الفکر بیروت)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر نماز، زکوٰۃ اور ہر مسلمان کے ساتھ نصیحت اور خیر خواہی کا معاملہ کرنے کی بیعت کی“۔

(مسلم شریف، کتاب الایمان/ باب بیان ان الدین النصیحۃ ۱/۵۵ دیوبند)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اس بیعت اور عہد کی تا زندگی لاج رکھی، جس کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ اُنھوں نے اپنے خادم کو بازار سے ایک گھوڑا خرید کر لانے کا حکم دیا، چناں چہ وہ خادم تین سو درہم کا معاملہ طے کر کے گھوڑا خرید لایا، اور پیسے کی اَدائیگی کے لئے گھوڑے کے مالک کو حضرت کی خدمت میں حاضر کیا، تو حضرت جریرؓ نے گھوڑا دیکھ کر اُس کے مالک سے فرمایا کہ تمہارا گھوڑا تو تین سو سے زیادہ قیمت کا ہے، مالک نے عرض کیا کہ حضرت! آپ کو اختیار ہے، اس طرح آپ سو سو درہم بڑھاتے رہے؛ تا آں کہ اس گھوڑے کی قیمت آٹھ سو درہم ادا فرمائی۔ اور پھر فرمایا کہ ”میں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کا عہد کر رکھا ہے“ (گویا کہ اگر کم قیمت میں خرید لیتا تو خیر خواہی پر عمل نہ ہوتا) (شرح النووی علی مسلم ۱/۵۵)

ذرا اَندازہ لگائیے کہ اِن مقدس نفوس کے دل میں پیغمبر علیہ السلام سے کئے گئے عہد کا کیسا پاس ولحاظ تھا کہ اپنا مال زیادہ سے زیادہ خرچ کر ڈالا، مگر اس عہد پر آنچ نہ آنے دی، اللہ اکبر کبیراً۔

پھر کسی انسان سے کچھ نہیں مانگا

صحابیٔ رسول سیدنا حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم تقریباً ۹ر صحابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، اور ہم تازہ تازہ اسلام سے مشرف ہوئے تھے، تو پیغمبر علیہ السلام نے ہم سے فرمایا: ”أَلَا تُبَایِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ“ (یعنی کیا تم لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں کروگے؟“ تو ہم نے عرض کیا کہ حضرت! ہم تو آپ کے دست مبارک پر بیعت ہو چکے ہیں، تین مرتبہ یہی سوال

وجواب ہوا۔ بالآخر ہم میں سے کسی ساتھی نے عرض کیا کہ ''ہم اسلام پر تو بیعت کر چکے، اب مزید کس بات پر بیعت کرنی ہے؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اس بات کا عہد کرو کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو گے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراؤ گے، اور پنج وقتہ نمازیں پڑھو گے، اور امیر کی سمع وطاعت کرو گے''۔ اور پھر آہستہ آواز میں فرمایا کہ: ''کسی انسان کے سامنے دست سوال دراز نہ کرو گے''۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس بیعت کے بعد ہم لوگوں نے اس کا اِس قدر خیال رکھا کہ بعض حضرات کا سواری پر چلتے ہوئے اگر کوڑا بھی ہاتھ سے گر گیا تو کسی سے اس کے اُٹھانے کا سوال نہیں کیا (بلکہ خود اُتر کر اُٹھایا) (سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ/ باب کراہیۃ المسئلۃ ۱/۲۳۲ حدیث: ۱۶۲۲)

سیدنا حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ جو پیغمبر علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام ہیں، وہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''جو شخص مجھ سے اِس بات کی ضمانت لے کہ وہ کسی انسان کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلائے گا، تو میں اُس کے لئے جنت کی ضمانت لیتا ہوں''۔ تو حضرت ثوبانؓ نے اُسی مجلس میں کسی سے سوال نہ کرنے کی ضمانت لی، اور پھر پوری زندگی اپنی ضرورت کے لئے کسی سے سوال نہیں کیا۔ (سنن ابی داؤد ۱/۲۳۲)

اور سنن ابن ماجہ میں اسی روایت کے اخیر میں یہ صراحت ہے کہ ''اگر حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے سوار ہونے کی حالت میں کوڑا گر جاتا تو کسی سے یہ نہیں فرماتے تھے کہ میرا کوڑا اُٹھادو؛ بلکہ خود اُتر کر کوڑا ہاتھ میں لیا کرتے تھے''۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الزکاۃ/ باب کراہیۃ المسئلۃ ۱/۱۳۲ مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ عمل بلاشبہ سمع وطاعت کا بے مثال نمونہ ہے۔ رضی اللہ عنہم وارضاہم۔

غزوۂ بنوقریظہ میں حکم نبوی کی بے مثال تعمیل

سن ۵ھ ہجری میں جب مشرکین مکہ نے تمام قبائل کو اکٹھا کر کے مدینہ منورہ پر حملہ کیا تھا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے اُن کے ساتھ مل کر

خندقیں کھدوا دیں، اور دشمن کا کامیاب دفاع کیا، تقریباً ایک مہینے تک مدینہ منورہ میں جنگ کا ماحول رہا، بالآخر اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت سے سب حملہ آور ذلیل اور نامراد ہوکر واپس ہونے پر مجبور ہوگئے، تو پیغمبر علیہ السلام گھر تشریف لائے اور ہتھیار اُتار کر غسل فرمایا۔ اسی درمیان حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ ابھی ہم نے ہتھیار نہیں اُتارے ہیں، اور فوری طور پر بنوقریظہ کا محاصرہ کرنا ہے (یہ یہودیوں کا قبیلہ تھا، جس نے دشمنوں سے سازباز کررکھی تھی، اور غداری کا مرتکب تھا) چناں چہ پیغمبر علیہ السلام نے فوری طور پر صحابہ میں اعلان کردیا کہ ''کوئی شخص بھی بنوقریظہ پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اِرشاد سنتے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فوراً قریظہ کی طرف روانہ ہوگئے، بعض لوگوں نے راستے میں عصر پڑھی، اور بعض لوگوں نے بنوقریظہ پہنچ کر عصر پڑھی۔ جنہوں نے راستے میں عصر پڑھی، اُنہوں نے یہ مطلب سمجھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد جلدی پہنچنا ہے، جب پیغمبر علیہ السلام کو دونوں طرح کے صحابہ کا عمل معلوم ہوا، تو آپ نے کسی پر بھی نکیر نہیں فرمائی۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی/ باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب ومخرجہ إلٰی بنی قریظۃ ومحاصرتہ ایاہم حدیث:۴۱۱۹)

اِس پورے واقعہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے حکم نبوی کی تعمیل میں جو بے مثال مظاہرہ پایا گیا، وہ اُمت کے لئے ایک بہترین نمونے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی شریعت وسنت کی کامل اتباع کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

چھٹی فصل:

اِسلام پر مکمل شرحِ صدر

روایت میں ہے کہ ’’قبیلۂ تجیب‘‘ کی ایک شاخ ’’بنوابذیٰ‘‘ کا ایک ۱۳ رنفری وفد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اپنی قوم کی زکوٰۃ کا مال لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن کے اِس اقدام سے بہت مسرور ہوئے، اور اُن کی عزت افزائی فرمائی، اور فرمایا کہ: ’’یہ مال تم واپس لے جاکر اپنی قوم ہی کے فقراء پر تقسیم کردو‘‘؛ مگر اَرکانِ وفد نے عرض کیا کہ ’’اے اللہ کے رسول! یہ مال جو ہم آپ کی خدمت میں لے کر آئے ہیں، یہ ہمارے فقراء کی ضرورت سے زائد ہے‘‘۔ اُن کی یہ بات سن کر سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ ’’اے اللہ کے رسول! آج تک کسی عربی قبیلہ کے وفد سے ایسی بات نہیں سنی گئی‘‘۔ تو پیغمبر علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا کہ ’’ہدایت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کے ساتھ خیر کا اِرادہ فرماتے ہیں، اُس کا سینہ اِیمان کے لئے کھول دیتے ہیں‘‘۔ پھر وفد کے لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے قبیلے کے بارے میں کچھ چیزیں لکھوائیں، اور قرآن وسنت کے متعلق سوالات کئے، اور نبی اکرم علیہ السلام پوری بشاشت سے اُن کو مستفیض فرماتے رہے، اور سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اُن کی حسن ضیافت کا مکلّف فرمایا۔

کچھ دنوں تک وہ لوگ مدینہ منورہ میں مقیم رہے، پھر اُنہوں نے گھر واپس جانے کا اِرادہ کیا؛ تاکہ اپنی قوم کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت وملاقات کے بارے میں بتائیں اور آپؐ کے اِرشادات سے آگاہ کرسکیں؛ چناں چہ جب وہ رخصت ہونے کے لئے نبی اکرم علیہ

السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اُن کو حسب معمول تحفے تحائف سے نوازا، اور پھر پوچھا کہ ''تم میں سے کوئی رہ تو نہیں گیا؟'' تو اُنہوں نے عرض کیا کہ ''ہاں ایک نوعمر لڑکا ہے جسے ہم اپنے سامان کے پاس چھوڑ کر آئے ہیں''۔ تو نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''اُسے بھی ہمارے پاس بھیجو''۔ چناں چہ اُن لوگوں نے واپس جا کر لڑکے سے کہا کہ ''جاؤ! تم بھی پیغمبر علیہ السلام کے پاس جا کر اپنی ضرورت پوری کرلو (یعنی اپنے تحفے لے لو) ہم تو اپنی ضرورت پوری کر چکے''۔ چناں چہ اُس لڑکے نے پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! میں اُسی قوم ''بنوابذیٰ'' کا ایک فرد ہوں جو ابھی آپ سے مل کر گئے ہیں، پس آپ میری ضرورت پوری فرمایئے!''۔ نبی اکرم علیہ السلام نے اُس سے پوچھا کہ: ''تمہاری کیا ضرورت ہے؟'' اُس نے بڑی عاجزی سے عرض کیا کہ ''میری ضرورت میرے ساتھیوں کی ضرورت کی طرح نہیں ہے، کہ وہ لوگ تو اسلام کی طرف رغبت کرتے ہوئے زکوٰۃ وصدقات کا مال لے کر حاضر ہوئے تھے؛ لیکن میں نے تو یہ سفر صرف اِس لئے کیا ہے کہ آپ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے تین باتوں کی دعا فرمادیں:

(۱) ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرمائیں۔

(۳) اور تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ میرے دل میں استغنا پیدا فرمادیں''۔

نبی اکرم علیہ السلام نے یہ سن کر اُس لڑکے کی طرف توجہ مبذول فرمائی، اور اُس کی درخواست قبول کرتے ہوئے اُس کے حق میں یہ دعا فرمائی: ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهُ وَارْحَمْهُ وَاجْعَلْ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهٖ'' (اے اللہ! اُس کی مغفرت فرما، اُس پر رحم فرما اور اُس کے دل میں مخلوق سے بے نیازی عطا فرما) اُس کے بعد آپ نے اُس کو بھی دیگر ارکانِ وفد کی طرح تحفوں سے نوازا، پھر وہ لوگ رخصت ہوگئے۔

اتفاق یہ کہ ۱۰ھ ہجری میں اِسی قبیلے کے کچھ لوگوں کی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حج کے

موقع پر منیٰ میں ملاقات ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا کہ: ''تمہارے ساتھ جو لڑکا آیا تھا اُس کا کیا حال ہے؟'' تو لوگوں نے بتایا کہ ''اے اللہ کے رسول! اُس جیسا اِنسان تو ہم نے کبھی نہیں دیکھا، اور اللہ کی دی ہوئی روزی پر اُس جیسی قناعت کرنے والا شخص ہماری نظر سے نہیں گذرا، اُس لڑکے کا حال یہ ہے کہ اگر لوگ پوری دنیا بھی تقسیم کرنے لگیں، تو وہ اُن کی طرف نہ تو متوجہ ہوگا اور نہ نظر اٹھا کر دیکھے گا''۔ تو نبی اکرم علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! إِنِّي لَأَرْجُوْ أَنْ یَمُوْتَ جَمِیْعًا'' (اللہ کا شکر ہے، مجھے اُمید ہے کہ وہ دین پر استقامت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوگا) تو حاضرین میں ایک شخص نے پوچھا کہ ''کیا عام طور پر لوگ استقامت کے ساتھ وفات نہیں پاتے؟'' تو پیغمبر علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا کہ: ''آدمی کی خواہشات اور فکریں دنیا کی وادیوں میں بکھری ہوئی رہتی ہیں، اور کچھ پتہ نہیں رہتا کہ وہ مرنے سے پہلے کس وادی میں پڑ کر ہلاک ہو جائے''۔

راوی کا بیان ہے کہ اُس لڑکے نے ہم میں سب سے بہتر حالت پر زندگی گذاری، وہ دنیا سے بالکل بے رغبت رہا، اور اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی عطا کردہ روزی پر قناعت سے نوازا؛ حتیٰ کہ نبی اکرم علیہ السلام کی وفات کے بعد جب یمن کے کچھ قبیلے اِسلام سے پھرنے لگے تو وہ لڑکا اپنی قوم میں کھڑے ہو کر لوگوں کو اِسلام پر ثابت قدم رہنے کی دعوت دیتا تھا، جس کا اثر یہ ہوا کہ اُس کی قوم کا کوئی فرد بھی مرتد نہیں ہوا۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اُس لڑکے کی حالت اور اُس کی خدمات کا علم ہوا تو آپ نے اپنے نمائندے زیاد بن لبید کو تحریر لکھی کہ ''اُس لڑکے کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں''۔ (زاد المعاد مکمل ۷۹۷-۷۹۸ مؤسسۃ المختار)

اِس واقعہ میں جس لڑکے کا تذکرہ ہے، وہ اُمت کے ہر فرد کے لئے بلاشبہ ایک ''روشن نمونے'' کی حیثیت رکھتا ہے، اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب کہ آدمی کا دل اِسلام اور اُس کے احکام کے بارے میں پوری طرح منشرح ہو، اور آخرت کی کامیابی ہی اُس کا مقصود ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس نعمت سے مالا مال فرمائیں، آمین۔

پھر کبھی غیر اللہ کی قسم نہ کھائی

صحابیِ رسول سیدنا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرے والدِ محترم سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں گفتگو کے دوران بار بار اپنی بات کو مؤکد کرنے کے لئے "وَأَبِـيْ وَأَبِـيْ" (میرے والد کی قسم، میرے والد کی قسم) کے اَلفاظ بول رہے تھے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اَلفاظ سنے تو اِرشاد فرمایا: "أَلَا! إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوْا بِاٰبَائِكُمْ" (یعنی اچھی طرح جان لو! اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے آباء واجداد کی قسم کھانے سے منع فرماتے ہیں) تو سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اِس تنبیہ کا ایسا پاس ولحاظ رکھا کہ پھر پوری زندگی کبھی بھول کر بھی غیر اللہ کی قسم کے اَلفاظ زبان سے نہیں نکالے۔ خود فرماتے ہیں: "فَوَ اللّٰهِ مَا حَلَفْتُ بِهٖ بَعْدَ ذٰلِكَ ذَاكِرًا وَلَا اٰثِرًا" (یعنی اللہ کی قسم! اِس کے بعد میں نے جان بوجھ کر یا کسی دوسرے کی بات نقل کرتے ہوئے بھی کبھی غیر اللہ (والد وغیرہ) کی قسم نہیں کھائی) (سنن الترمذی، ابواب النذور والایمان/ باب ما جاء فی کراہیۃ الحلف بغیر اللہ ۱/۲۸۰)

واقعی یہ ہے وہ سمع وطاعت جو ہر مؤمن سے مطلوب ہے۔

حدیث سنتے ہی لشکر کو واپسی کا حکم دے دیا

سُلیم بن عامر کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے رومی عیسائیوں سے ایک مدت تک ناجنگ معاہدہ کر رکھا تھا، جب اِس معاہدہ کے ختم ہونے کی تاریخ قریب آئی، تو حضرت معاویہؓ نے اسلامی لشکر کی نقل وحرکت کا حکم دیا؛ تاکہ تاریخ گذرتے ہی دشمن پر حملہ کیا جائے، تو اَچانک دیکھا گیا کہ لشکر میں ایک صاحب اونٹنی یا گھوڑے پر سوار ہیں، اور لشکر میں یہ اعلان کر رہے ہیں: "وَفَاءٌ، لَا غَدْرٌ" (وفاداری کرنی ہے، غداری نہیں کرنی ہے) تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ اعلان کرنے والے شخص صحابیِ رسول سیدنا حضرت عمرو بن عبسہ

رضی اللہ عنہ ہیں، تو حضرت معاویہؓ نے اُن سے اِس اعلان کی وجہ دریافت کی، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اِرشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَحُلَّنَ عَهْدًا وَلَا يَشُدَّنَّهُ حَتّٰى يَمْضِيَ أَمَدُهُ أَوْ يَنبِذَ إِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ.

یعنی جس کا کسی دوسری قوم سے کوئی معاہدہ ہو، تو وہ مدت گذرنے سے قبل نہ تو اُس عہد کو توڑے اور نہ اُس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی کرے؛ تا آنکہ دونوں فریق یکساں حال پر ہوجائیں (یعنی معاہدہ ختم ہوجائے)

راوی کہتا ہے کہ یہ حدیث سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لشکر کو واپسی کا حکم دے دیا۔ (سنن الترمذی، ابواب السیر / باب ماجاء فی الغدر ۱/۲۸۷)

پوری قوم نے کلمہ پڑھ لیا

قبیلۂ بنوسعد نے اپنا نمائندہ بنا کر ''ضمام بن ثعلبہؓ'' کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، چناں چہ وہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے، اور مسجد نبوی کے دروازے پر اپنے اونٹ کو باندھ کر مسجد میں داخل ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھرمٹ میں تشریف فرما تھے۔ ضمام نے بلند آواز سے پوچھا کہ ''آپ لوگوں میں ابن عبد المطلب (عبد المطلب کے بیٹے) کون ہیں؟'' یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''میں ابن عبد المطلب ہوں''۔ پھر اُنھوں نے سوال کیا کہ ''کیا آپ ہی محمد ہیں؟'' پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''ہاں میں ہی محمد ہوں'' تو ضمام نے عرض کیا کہ ''حضرت میں آپ سے کچھ سوال کروں گا، اور (ممکن ہے کہ) میرے انداز میں کچھ سختی پائی جائے، مگر آپ برا مت مانئے گا''۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ٹھیک ہے میں برا نہیں مانوں گا، تمہیں جو پوچھنا ہے پوچھو!'' تو ضمام نے عرض کیا کہ ''میں اُس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جو آپ کا، آپ کے گھر والوں کا اور آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آنے والی ساری مخلوق کا معبود ہے، کیا اسی اللہ

نے آپ کو ہمارے پاس رسول بنا کر بھیجا ہے؟'' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ہاں (اُسی ذات نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے) پھر اُس نے اِسی طرح کی قسم دے کر پوچھا کہ ''کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم صرف اُسی کی عبادت کریں، اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہمارے آباء واجداد جن بتوں کو پوجتے تھے، اُن سے ہم کنارہ کش ہوجائیں؟'' تو پیغمبر علیہ السلام نے پھر یہی فرمایا کہ: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہی حکم دے کر بھیجا ہے''۔ پھر اُس نے ہر ہر فریضہ مثلاً: نماز، زکوٰۃ اور روزے وغیرہ کے بارے میں اِسی طرح کی تصدیق چاہی، اور جب پوری طرح اطمینان ہوگیا تو اُس نے برملا اعلان کیا کہ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اور میں سارے فرائض بجالاؤں گا اور جن باتوں سے آپ نے منع کیا ہے، اُن سے پرہیز کروں گا، اور اپنی طرف سے کوئی کمی زیادتی نہ کروں گا''۔ اُس کے بعد وہ اُٹھ کر اپنے اونٹ کی طرف جانے لگے، تو پیغمبر علیہ السلام نے اُنہیں واپس جاتے دیکھ کر اِرشاد فرمایا کہ: ''اگر یہ دو زلفوں والا (حضرت ضمام کے بال لمبے تھے اور اُنہوں نے دو زلفیں لٹکا رکھی تھیں) سچا ہے تو جنت میں ضرور داخل ہوگا''۔

بہر حال حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے رخصت ہوکر اپنی قوم میں پہنچے اور وہاں جاتے ہی اُن کی زبان سے جو پہلا جملہ نکلا وہ یہ تھا کہ: ''**بِئْسَتِ اللَّاتُ وَالْعُزّٰی**'' (یعنی لات وعزیٰ کا ستیاناس ہو) تو اُن کی قوم کے لوگ اکٹھے ہوگئے، اور کہنے لگے کہ ''ضمام! برص، پاگل پن اور کوڑھی پن سے بچو'' (یعنی اُن بتوں کی توہین سے خطرہ ہے کہ کہیں تم ان بیماریوں میں مبتلا نہ ہوجاؤ) مگر حضرت ضمامؓ اب پہلے والے ضمام نہ تھے، اب ایمان کی چاشنی اور توحید کی حلاوت ان کے رگ وپے میں بس چکی تھی، اس لئے جواب دیا کہ: ''سنو! یہ بت تمہارا نہ کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ کچھ بنا سکتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول مبعوث فرمایا اور اس پر اپنی کتاب نازل فرمادی ہے، جس کے ذریعہ سے تمہیں ان خرافات سے بچانا چاہتا ہے، جن میں تم

مبتلا رہے ہو، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، اور میں اُن کے پاس سے تمہارے واسطے ان باتوں کو لے کر آیا ہوں، جن کا اُنہوں نے حکم دیا ہے اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے‘‘۔

راوی کہتے ہیں کہ شام ہوتے ہوتے ضمام کی قوم کے ہر فرد نے خواہ مرد ہو یا عورت؛ سب نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔

محمد بن اسحٰق فرماتے ہیں کہ ہمارے علم میں اپنی قوم کے لئے ضمام بن ثعلبہؓ سے افضل کوئی نمائندہ ثابت نہیں ہوا (کہ اُن کے ذریعہ پوری کی پوری قوم دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئی) فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ (زادالمعاد مکمل ۷۹۶)

سچے مؤمن کی ۲۰؍ خصلتیں

سوید بن الحارثؓ فرماتے ہیں کہ ہم سات افراد ایک وفد کی شکل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری ظاہری حالت اور گفتگو کا انداز دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے۔ آپ نے ہم سے پوچھا: ’’تم کون لوگ ہو؟‘‘ ہم نے عرض کیا کہ ’’ہم مؤمن ہیں‘‘۔ تو پیغمبر علیہ السلام ہمارا جواب سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ: ’’ہر بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے؛ لہٰذا یہ بتاؤ کہ تمہارے ایمان کے دعویٰ کی حقیقت کیا ہے؟‘‘ تو ہم نے عرض کیا کہ ’’ہمارے پاس پندرہ باتیں ہیں، جن میں سے پانچ باتیں وہ ہیں جن پر آپ کے قاصدوں نے ہمیں ایمان لانے کا حکم دیا ہے، اور پانچ باتیں وہ ہیں جن پر اُنہوں نے عمل کرنے کو کہا ہے، اور پانچ چیزیں وہ ہیں جو زمانۂ جاہلیت سے ہماری فطری عادتوں میں شامل ہیں، جن پر ہم آج بھی عمل پیرا ہیں، الا یہ کہ آپ ہماری اصلاح فرمائیں‘‘۔ اُن کی باتیں سن کر پیغمبر علیہ السلام نے پوچھا کہ: ’’اچھا بتاؤ! تمہیں میرے قاصدوں نے کن باتوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے؟‘‘ تو ہم نے عرض کیا کہ ’’ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر، اللہ کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے سب رسولوں پر اور موت کے بعد زندہ ہونے پر ایمان رکھیں‘‘۔

پھر آپ نے پوچھا کہ: ''اچھا بتاؤ! وہ پانچ اعمال کیا ہیں جن کا تمہیں حکم ہوا ہے؟'' تو ہم نے عرض کیا کہ ''ہمیں آپ نے حکم دیا ہے کہ ہم کلمہ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، رمضان کے روزے رکھیں اور حسبِ استطاعت بیت اللہ کا حج کریں''۔

اُس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''تمہاری وہ پانچ فطری عادتیں کیا ہیں جو تم نے زمانۂ جاہلیت سے اپنا رکھی ہیں؟'' تو ہم نے عرض کیا کہ وہ پانچ باتیں یہ ہیں:

(۱) اَلشُّكْرُ عِنْدَ الرَّخَاءِ (خوش عیشی پر شکر بجالانا)

(۲) وَالصَّبْرُ عِنْدَ الْبَلَاءِ (مصیبت کے وقت صبر کرنا)

(۳) وَالرِّضَا بِمُرِّ الْقَضَاءِ (اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا اگرچہ وہ ناگوار ہو)

(۴) وَالصِّدْقُ فِي مَوَاطِنِ اللِّقَاءِ (جنگ کے مواقع پر وفاداری اور ثبات قدمی کا مظاہرہ کرنا)

(۵) وَتَرْكُ الشَّمَاتَةِ بِالْأَعْدَاءِ (دشمنوں کی مصیبت پر بھی خوشی کا اظہار نہ کرنا)

راوی فرماتے ہیں کہ ہمارے جوابات سن کر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''تم لوگ تو بڑے دانش ور اور جانکار معلوم ہوتے ہو، تمہاری سمجھ تو قریب قریب نبیوں جیسی ہے''۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''میں تمہیں اپنی طرف سے مزید پانچ نصیحتیں کرتا ہوں؛ تا کہ پوری بیس باتیں تمہارے پاس مکمل ہو جائیں۔ وہ یہ ہیں:

(۱) إِنْ كُنْتُمْ كَمَا تَقُوْلُوْنَ فَلَا تَجْمَعُوْا مَا لَا تَأْكُلُوْنَ (اگر تم اپنے ایمان کے دعوے میں سچے ہو تو جو مال تم کھا نہیں سکتے اُسے جمع نہ کرو) (یعنی ضرورت سے زیادہ مال کی حرص مت کرو)

(۲) وَلَا تَبْنُوْا مَا لَا تَسْكُنُوْنَ (اور جن مکانوں میں تمہیں رہنے کی ضرورت نہیں ہے اُن کی تعمیر نہ کرو)

(۳) وَلَا تَنَافَسُوْا فِيْ شَيْءٍ أَنْتُمْ عَنْهُ غَدًا تَزُوْلُوْنَ (اور ایسی باتوں میں مقابلہ آرائی نہ کرو جنہیں تمہیں کل چھوڑ کر جانا ہے)

(۴) وَاتَّقُوْا اللّٰهَ الَّذِيْ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ وَعَلَيْهِ تُعْرَضُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے، اور اُسی کے سامنے پیش ہونا ہے)

(۵) وَارْغَبُوْا فِيْ مَا عَلَيْهِ تَقْدَمُوْنَ وَفِيْهِ تَخْلُدُوْنَ (اور اُس چیز میں رغبت کرو جہاں تمہیں جا کر ہمیشہ رہنا ہے) (یعنی آخرت کی فکر کرو)

یہ نصیحتیں سننے کے بعد سب لوگ پیغمبر علیہ السلام سے اجازت لے کر وطن واپس ہو گئے، اور اُنہوں نے پیغمبر علیہ السلام کی نصیحتوں کو اچھی طرح یاد رکھا، اور اُن پر عمل پیرا ہوئے۔ (زاد المعاد مکمل ۸۰۸ مؤسسۃ المختار)

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کے یہ چند روشن اَوراق بطور نمونہ کے یہاں درج کئے گئے ہیں، جن سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اِن مقدس نفوس نے قرآن وسنت کی ہدایات وتعلیمات کو تازندگی سینے سے لگائے رکھا، اور سو فیصد سمع وطاعت کرتے ہوئے اُنہوں نے زندگی گذاری، جس کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ ہر طرح کی کامیابیوں نے اُن کے قدم چومے اور دنیا وآخرت کی سرخ روئی اُن کے لئے مقدر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمائیں، اور محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں بھی اُن مبارک نفوس کے نقش قدم پر چلا کر اُنہی کے ساتھ ہمارا حشر فرمائیں، آمین۔ بِرَحْمَتِکَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، وَمَا ذٰلِکَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

پندرہواں باب:

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ○

[الفرقان: ٧٤]

پہلی فصل:

ایک سکون بخش عظیم دعا

رحمٰن کے خاص بندوں کی آخری صفت یہ بیان کی گئی کہ اُن کی زبانوں پر یہ دعا جاری رہتی ہے: ﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ [الفرقان: ٧٤] (یعنی اے ہمارے رب! ہمیں اپنے ازواج (مردوں کے لئے بیویوں، اور عورتوں کے لئے شوہر) اور ہماری اَولادوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک (سکون بخش نیک اعمال کی توفیق) عطا فرمائیے، اور ہمیں متقیوں کا اِمام بنادیجئے) (یعنی پورے گھر اور نسل کا ماحول تقویٰ اور دین داری والا بنادیجئے)

اِس دعا کے ایک ایک لفظ پر غور کیا جائے، تو یہ بات صاف طور پر عیاں ہوتی ہے کہ جب تک میاں بیوی میں ہم آہنگی اور اَولاد میں فرماں برداری نہ پائی جائے، اُس وقت تک آدمی کو پرسکون زندگی ہرگز نصیب نہیں ہوسکتی۔ اور چوں کہ آدمی اپنے اعتبار سے سکون کا معیار طے کرسکتا ہے، اِس لئے آیت کے آخری جزو میں تقویٰ اور پرہیزگاری والی دعا کو شامل کرکے یہ اِشارہ بھی فرمادیا گیا کہ دین داری کے بغیر حقیقی سکون کا حصول ممکن نہیں ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے جب اِس آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے اِرشاد فرمایا کہ: ''یہاں آنکھوں کی ٹھنڈک سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمان بندے کو اُس کی بیوی، بھائی اور دیگر قریبی رشتہ داروں کی طرف سے اپنی اِطاعت اور فرماں برداری دکھاتے ہیں، اور بلاشبہ اپنی اولاد یا اَولاد کی اَولاد یا بھائی اور اعزہ کی دین داری

سے بڑھ کر مؤمن کے لئے کوئی چیز آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے سرور کا سبب نہیں بن سکتی"۔

(تفسیر ابن کثیر مکمل/سورۃ الفرقان ص:۹۶۶ دار السلام ریاض)

ایک عجیب عبرت آموز واقعہ

جبیر بن نُفیر فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن صحابی رسول سیدنا حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضر تھے، تو وہاں سے ایک صاحب گزرے، اور اُنہوں نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فرمایا کہ: "یہ دونوں آنکھیں جنہوں نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی ہے، وہ بڑی قابل مبارک باد ہیں، ہماری خواہش ہے کہ ہم بھی وہ منظر دیکھتے جو آپ نے دیکھا، اور اُن معرکوں میں شریک ہوتے جن میں آپ نے شرکت کی"۔

اُن صاحب کی یہ بات سن کر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بہت جلال میں آ گئے، تو مجھے بہت تعجب ہوا کہ اُس شخص نے تو صرف خیر ہی کی بات کہی تھی (پھر بھی آپ ناراض ہو رہے ہیں)

اُس کے بعد حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے مذکورہ شخص کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ نے جو چیز (اپنی حکمت سے) مخفی رکھی، تو اُس کی تمنا کرنے پر آدمی کو کونسی چیز آمادہ کر رہی ہے؟ حالاں کہ اُسے یہ پتہ نہیں ہے کہ اگر وہ اُس وقت حاضر ہوتا، تو اُس کا کیا انجام ہوتا؟

قسم بخدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے ایسے لوگوں نے دیکھا ہے جن کو اللہ تعالیٰ اوندھے منہ جہنم میں داخل فرمائیں گے، جنہوں نے نہ تو پیغمبر علیہ السلام کی دعوت قبول کی، اور نہ آپ کی تصدیق کی۔

تم اِس بات پر اللہ کا شکر کیوں نہیں بجالاتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماں کی پیٹوں سے اِس حالت میں نکالا کہ تمہیں اپنے ربِ حقیقی کی معرفت حاصل تھی، اور تم پیغمبر علیہ السلام کے لائے ہوئے دین کی تصدیق کرنے والے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اُس آزمائش سے بچالیا، جو اِس بارے میں دوسروں کو پیش آئی۔

(سنو!) اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دنیا میں پچھلے انبیاء علیہم

السلام کے بالمقابل سخت ترین آزمائش کی حالت پر زمانۂ جاہلیت میں مبعوث فرمایا۔ اُس دور میں یہ لوگ بت پرستی سے بڑھ کر کسی بھی دین اور مذہب کے قائل نہ تھے، پس نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسی واضح دلیل لے کر تشریف لائے، جس نے حق اور باطل کے درمیان واضح فرق کر کے دکھلا دیا، جس کی وجہ سے باپ اور بیٹے میں تفریق ہوگئی، پس اگر وہ آدمی جس کا سینہ اللہ نے ایمان کے لئے کھول دیا تھا، اپنے باپ یا اپنی اولاد یا اپنے بھائی کو کفر کی حالت میں دیکھتا، اور اُسے یہ گمان ہوتا کہ اگر وہ (باپ یا بیٹا وغیرہ) حالتِ کفر میں انتقال کر گیا، تو وہ جہنمی ہوگا، اور اُس کے جہنم میں جانے کی وجہ سے اِس مؤمن کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو پائیں گی۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی طرف سے اِس آیت میں دعا کا تذکرہ فرمایا ہے کہ ''اے اللہ! ہمارے لئے ہماری اَزواج اور اولادوں کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دیجئے'' (یعنی اُنہیں ایمان اور اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمایئے، جس کی بنا پر وہ جنت کی مستحق ہوسکیں، اور ہماری آنکھیں اُنہیں دیکھ کر ٹھنڈی ہوں) (تفسیر ابن کثیر مکمل/سورۃ الفرقان ص:۹۶۶ دار السلام ریاض)

اور یہ بات بالکل یقینی ہے کہ اگر گھر والوں میں دین داری اور صلاح کے آثار نمایاں ہوں، اور آدمی کی اَولاد دِین دار اور اِطاعت شعار ہو، تو اُن کے تصور ہی سے آدمی کے دل میں غیر معمولی اور ناقابل بیان فرحت واطمینان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اِس کے برخلاف اگر گھر والوں اور اولاد میں خدانخواستہ بے ایمانی، بدعملی، یا سرکشی کا مادہ پایا جائے، تو آدمی خواہ دنیوی اعتبار سے کتنا ہی مالا مال ہو؛ لیکن اُسے ذہنی سکون ہرگز میسر نہیں آسکتا۔ اِس اعتبار سے نیک بیوی/ نیک شوہر اور نیک اولاد کی دعا کرنا نہایت عظیم الشان اور ضروری دعا ہے، جس سے کبھی بھی پہلوتہی نہیں کرنی چاہئے۔

اِسی لئے حضراتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جو دعائیں منقول ہیں، اُن میں اَولاد کے نیک ہونے کی دعائیں بھی شامل ہیں۔

چناں چہ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر جدید کے وقت اپنے صاحب زادے سیدنا حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے ساتھ جو دعائیں مانگیں، اُن میں ایک دعا یہ بھی ہے: ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ﴾ (البقرة، جزء آیت: ۱۲۸) (یعنی اے ہمارے رب! ہمیں اپنا تابع دار بنا دیجئے! اور ہماری نسلوں میں بھی اپنے تابع دار لوگ پیدا کیجئے)

نیز ایک موقع پر آپ سے یہ دعا بھی نقل کی گئی ہے: ﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي، رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ﴾ (ابراهيم: ٤٠) (یعنی اے میرے رب! مجھے اور میری نسلوں کو نماز کا پابند بنائیے، اور اے ہمارے رب! میری دعائیں قبول فرمالیجئے)

اِسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے جب اَولاد کی دعا مانگی، تو یہ الفاظ اِرشاد فرمائے:

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً، إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾ (آل عمران: ٣٨) (یعنی اے میرے رب! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اَولاد عطا فرمائیے! بے شک آپ بہت دعا سننے والے ہیں)

خلاصہ یہ کہ ہر مسلمان کو حقیقی سکون کے حصول کے لئے معنیٰ کا استحضار کرتے ہوئے اِس دعا کو مانگنے کا بہت اہتمام رکھنا چاہئے۔

متقیوں کی اِمامت کا مطلب

پھر آگے یہ دعا مانگی گئی کہ ”اللہ تعالیٰ ہمیں اہلِ تقویٰ کا مقتدیٰ اور رہبر بنادیجئے“۔

دراصل یہ دعائیہ کلمات اَزواج واولاد والی دعا کا تتمہ ہیں؛ کیوں کہ کوئی یہ سمجھ سکتا تھا کہ شاید آنکھوں کی ٹھنڈک سے مراد اَزواج واَولاد کا دنیوی نعمتوں سے مالا مال ہونا ہے، اِس لئے بطور تفسیر وتشریح کے یہ دعا تعلیم دی گئی، جس سے واضح ہوگیا کہ اَزواج واَولاد اُسی وقت آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں گی، جب کہ اُن کے اندر تقویٰ والی صفات پائی جائیں۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی شخص اُس وقت تک متقیوں کا اِمام نہیں بن سکتا؛ جب تک کہ خود مقامِ تقویٰ پر فائز نہ ہو، اِس اعتبار سے یہ دعا دراصل اپنے متقی ہونے کی دعا ہے۔

صحابیِ رسول سیدنا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ دعا فرمایا کرتے تھے: ”اَللّٰهُمَّ

اجْعَلْنَا مِنْ أَئِمَّةِ الْمُتَّقِينَ". (أحكام القرآن للقرطبي ۷۹/۷ سورة الفرقان) (یعنی اے اللہ! آپ ہمیں متقیوں کے اِماموں میں شامل فرمادیجئے)

اور مفسرِ قرآن سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اِس دعا کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **اِجْعَلْنَا أَئِمَّةَ هُدًى كما قال تعالىٰ: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَّهْدُونَ بِأَمْرِنَا﴾** (سورة السجدة ۲٤، أحكام القرآن للقرطبي ۷۹/۷) (یعنی ہمیں ائمہ ہدایت بنادیجئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا: اور ہم نے اُن میں ایسے مقتدیٰ بنائے جو ہمارے حکم سے رہبری کرتے تھے)

ایک شبہ کا جواب

اَب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اپنے لئے اِمامت کا سوال کرنا کیسے درست ہے؟ حالاں کہ شریعت میں رتبہ کی طلب سے منع کیا گیا ہے؟

تو اِس شبہ کو دور کرتے ہوئے فقیہ وقت ومحدث کبیر علامہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: "وہ دراصل عہدے اور بڑائی کے طلب گار نہیں ہیں؛ بلکہ دین اور ہدایت کے مقتدیٰ بننا چاہتے ہیں (تاکہ دوسروں تک دین پہنچانے کی بنا پر مزید اَجر کے مستحق بن سکیں؛ لہٰذا اِس میں کوئی شرعی حرج نہیں ہے)

اور امام الصوفیہ علامہ ابو القاسم القشیریؒ سے اِس بارے میں یہ تفسیر منقول ہے کہ: "یہ حضرات اِمامت کے مدعی نہیں ہیں (جو ممنوع ہے)؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور توفیق سے صرف اس کی دعا کرنے والے ہیں"۔ (لہٰذا اِس میں فی نفسہ کوئی حرج نہیں) (احکام القرآن للقرطبی ۷/۷۹)

اور علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کی توجیہ اِس طرح فرمائی کہ "دراصل متقیوں کے اِمام ہونے سے مراد یہ ہے کہ خود اُن کی ہدایت کا نفع اُن کی نسلوں تک متعدی ہو؛ تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ اجر وثواب کے مستحق ہوسکیں، اور بلاشبہ یہ بہت اہم مقصود ہے"۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل /سورۃ الفرقان ۹٦٦)

اور اِس طرح اِمام ہدایت ہونے کی دعا خود سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی ثابت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اُن سے فرمایا: ﴿اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ (یعنی میں آپ کو لوگوں کا اِمام اور مقتدیٰ بناؤں گا) تو آپ نے فوراً فرمایا: ﴿وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ﴾ (یعنی میری نسلوں میں بھی ایسے لوگ پیدا فرمائیں) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۱۲۴) (یعنی میرا یہ وعدہ ظالموں اور گنہگاروں کے حق میں پورا نہ ہوگا) بلکہ صرف متقی حضرات ہی اِمام اور مقتدیٰ بنائے جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوکر رہا۔

بہت بڑی بشارت

نیز یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنی چاہئے کہ جب کوئی اِنسان اِیمان اور اَعمالِ صالحہ کے ساتھ دنیا سے جائے گا، تو اُس کی نسلوں میں جو لوگ بھی اِیمان ویقین والے ہوں گے، تو اگرچہ اُن کے اَعمال کچھ کم ہوں پھر بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اُن کو اپنے نیک آباء واجداد کے ساتھ ملحق فرمادیں گے۔ چناں چہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّیَّتُهُمۡ بِاِیۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّیَّتَهُمۡ وَمَا اَلَتۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ كُلُّ امۡرِیًٔۢ بِمَا كَسَبَ رَهِیۡنٌ﴾ (الطور: ۲۱) (یعنی جو لوگ اِیمان لائے اور پھر اُن کی اَولادوں نے بھی اِیمان میں اُن کی پیروی کی، تو ہم اُنہیں اُن کے مؤمن آباء واجداد کے ساتھ ملحق کردیں گے، اور (فضل کی انتہاء یہ ہے کہ) اُن آباء واجداد کے اَعمال (کے اجر وثواب) میں کوئی کمی بھی نہ کریں گے، ہر آدمی اپنے کئے ہوئے اعمال میں مرہون ہے (یعنی اصل میں تو وہ اُسی بدلے کا مستحق ہے جو اُس نے عمل کیا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے مزید نوازدیں تو اُس کا فضل ہے) (تفسیر قرطبی ۹/۶۴ دار الفکر بیروت)

اور مفسر قرآن سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اِس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں: ”إِنَّ اللّٰهَ لَيَرۡفَعُ ذُرِّيَّةَ الۡمُؤۡمِنِ فِيۡ دَرَجَتِهٖ وَإِنۡ كَانُوۡا دُوۡنَهٗ فِي الۡعَمَلِ لِتَقَرَّ بِهِمۡ

عَيْنُهُ". (تفسير ابن كثير / سورة الطور ص: ١٢٦٨، أحكام القرآن للقرطبي / سورة الطور ٦٢/٩ دار الفكر بيروت) (یعنی اللہ تعالیٰ مؤمن شخص کی اَولادوں کو جنت میں اُس کے درجے تک بلند کردیں گے؛ اگرچہ اُن کے اَعمال اس سے کم کیوں نہ ہوں؛ تاکہ اُنہیں دیکھ کر اُس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں)

اِسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری روایت منقول ہے کہ جب مؤمن جنتی جنت میں چلا جائے گا، تو وہ اپنے والدین، اپنی بیوی اور اَولاد کے بارے میں پوچھے گا کہ وہ کہاں ہیں؟ تو جواب ملے گا کہ وہ لوگ اَعمال کے اعتبار سے تمہارے درجے تک نہیں پہنچ سکے (اِس لئے وہ کسی اور درجہ میں ہیں) تو وہ مؤمن عرض کرے گا کہ "پروردگارِ عالم میں نے جو اَعمال کئے تھے، وہ اپنے لئے بھی تھے اور اُن کے لئے بھی تھے"۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن سب کو اُس کے درجے میں جمع کرنے کا حکم جاری ہوجائے گا۔ اور پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ص: ۱۲۶۸ دار السلام ریاض، تفسیر قرطبی/ سورۃ الطّور ۶۳/۹ دار الفکر بیروت)

اِس اثر سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) ایک تو یہ کہ والد کی برکت سے اَولاد کے درجے میں اِضافہ ہوگا جیسا کہ آیتِ مبارکہ سے بھی ظاہر ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اَولاد کی وجہ سے آباء واَجداد کا درجہ بھی بڑھے گا، جس کی تائید سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اِس روایت سے ہوتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ ایک نیک شخص کا جنت میں درجہ بلند فرمائیں گے، تو وہ حیرت سے کہے گا کہ "اے رب! یہ مقام مجھے کیسے حاصل ہوا؟" تو جواب ملے گا کہ تمہاری اَولاد نے جو تمہارے لئے مغفرت کی دعا کی ہے یہ اُس کی برکت ہے"۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ص: ۱۲۶۸ دار السلام ریاض)

نیز اِس بات کی تائید اُس مشہور روایت سے بھی ہوتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اِرشاد فرمایا: ’’جب آدمی کا انتقال ہوجاتا ہے تو اُس کے اَعمال کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے؛ لیکن تین طرح کی باتوں کا اجر وثواب موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے: (۱) صدقہ جاریہ (۲) علم نافع (۳) ایسی نیک اَولاد جو اُس کے لئے دعاءِ خیر کرتی رہے‘‘۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ص: ۱۲۶۸ دارالسلام ریاض)

اور مفسر جلیل حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ نے اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بہت عمدہ خلاصہ تحریر فرمایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

’’یعنی کاملوں کی اَولاد اور متعلقین اگر ایمان پر قائم ہوں اور اُن ہی کاملوں کی راہ پر چلیں، جو خدمات اُن کے بزرگوں نے انجام دی تھیں، یہ بھی اُن کی تکمیل میں ساعی ہوں، تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اُن کو جنت میں اُن ہی کے ساتھ ملحق کردے گا، گو اُن کے اَعمال واَحوال اُن کے اعمال واحوال سے کماًّ وکیفاً فروتر ہوں؛ تاہم اُن بزرگوں کے اکرام اور عزت افزائی کے لئے اِن تابعین کو اُن متبوعین کے جوار میں رکھا جائے گا۔ اور ممکن ہے کہ بعض کو بالکل اُن ہی کے مقام اور درجہ پر پہنچادیا جائے، جیسا کہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور اِس صورت میں یہ گمان نہ کیا جائے کہ اُن کاملین کی بعض نیکیوں کا ثواب کاٹ کر ذریت کو دے دیا جائے گا۔ نہیں! یہ محض اللہ کا فضل واحسان ہوگا کہ قاصرین کو ذرا اُبھار کر اُوپر کاملین کے مقام تک پہنچادیا جائے‘‘۔ (تفسیر عثمانی بر ترجمہ شیخ الہند ۲/۱۱۱۶)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اِس تفسیر کا ماٰخذ بخاری شریف کی ایک روایت ہے کہ حضرات انصارِ مدینہ رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ:

’’ہر قوم کے کچھ پیروکار ہوتے ہیں، اور ہم نے آپ کی اتباع کی ہے، تو آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے حق میں یہ دعا فرمائیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے پیروکاروں کو بھی ہم ہی میں سے شامل فرمائیں، یعنی اُن کو بھی ہمارے طریقوں پر چلائیں‘‘۔ (تاکہ وہ بھی انصار کی فضیلت میں داخل ہوسکیں)

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی درخواست قبول فرماتے ہوئے یہ دعا فرمائی:

”اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ اَتْبَاعَھُمْ مِنْھُمْ“. (صحيح البخاري / كتاب مناقب الأنصار حديث: ۳۷۸۸)

(یعنی اے اللہ! اُن کے پیروکاروں (اَولاد وغیرہ) کو اُنہیں (انصار) میں شامل فرمائیے)

اور ظاہر ہے کہ جب وہ اُن کے نقشِ قدم پر چلیں گے، تو انصار سابقین خود بخود اُن کے اِمام اور مقتدیٰ قرار پائیں گے۔ اور قرآنی دعا کا فی الجملہ مفہوم بھی یہی ہے۔ (مستفاد: فتح الباری ۷/۱۴۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت، الکنز المتواری فی معادن لامع الدراری وصحیح البخاری ۱۴/۳۲۷ مؤسسۃ الخلیل الاسلامیہ فیصل آباد)

اِس تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نسلوں میں دِین داری کا پایا جانا آدمی کے لئے کس قدر ضروری اور نفع بخش ہے۔ اِس اعتبار سے متقیوں کا اِمام بننے کی دعا اپنے اندر بڑی جامعیت رکھتی ہے؛ گویا کہ یہ نصیحت کی جارہی ہے کہ تمہارے خاندان کی پہچان دنیوی مال ودولت اور سلطنت وحکومت نہیں؛ بلکہ تقویٰ اور دین داری کی بنیاد پر ہونی چاہئے، اِس سے بڑھ کر عزت اور عافیت کی بات اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے: ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ (الحجرات، جزء آیت: ۱۳) (یعنی اللہ تعالیٰ کی نظر میں تم میں سے باعزت شخص وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے)

پس جس شخص کی پہچان اور تعارف تقویٰ سے ہوگا اور اُس کی نسلوں میں اور پورے گھرانے میں دین داری کا اثر ہوگا، اس سے زیادہ باعزت اور باوقار اور کون ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کے حق میں اِن دعاؤں کو قبول فرمائیں، آمین۔

دوسری فصل:

رشتے ناطے میں دِین داری کا خیال

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے، یہاں ہر چیز ظاہری طور پر کسی نہ کسی سبب کے تابع ہوتی ہے؛ اگرچہ اُس سبب میں بھی حکم خداوندی کارفرما ہوتا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ بظاہر نتیجہ سبب کے تابع معلوم ہوتا ہے۔ اِس دستور کے اعتبار سے جب بھی آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ سے کوئی دعا کرے، تو اُس دعا کی تکمیل کے جو ظاہری اَسباب ہیں، اُن کو بھی حتی الوسع اختیار کرنا چاہئے؛ تاکہ اُس کی دعا شرفِ قبولیت حاصل کرسکے۔

مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اللہ تبارک وتعالیٰ سے مالی وسعت کی درخواست کرے، تو یہ کافی نہیں ہے کہ وہ دن رات محض دعا ہی میں مشغول رہے، اور تحصیل مال کے اَسباب میں سے کسی سبب کو اختیار نہ کرے؛ بلکہ اُس پر لازم ہے کہ اپنی صلاحیت اور تجربہ کے اعتبار سے کسی حلال ذریعہ کو اختیار کرے، اور ساتھ میں دعا بھی کرتا رہے۔

اِسی طرح مذکورہ بالا قرآنی دعا میں جب یہ درخواست کی گئی کہ ’’ہمیں ایسے جوڑے اور اَولادیں عطا ہوں جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیں‘‘ تو اِس عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے ہمیں ابتدا ہی سے جدوجہد کرنی ضروری ہوگی۔

اِس سلسلہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ رشتہ ناطہ کرتے وقت دونوں جانب دِین داری کا لحاظ رکھا جائے؛ اِس لئے کہ دین ہی ایسی چیز ہے جو اِنسان کو حقوق کی اَدائیگی پر پوری طرح آمادہ کرسکتی ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ قابل مشورہ معاملہ ’’رشتہ ناطہ‘‘ کا سمجھا جاتا ہے، جس میں لوگ کافی تحقیق وجستجو کے بعد ہی کوئی فیصلہ کرتے ہیں۔

تو اِس اہم ترین معاملہ میں رحمتِ عالم، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک آنے والی پوری امت کو یہ خیر خواہانہ مشورہ دیا کہ رشتہ ناطہ میں جانبین میں دین داری کو ضرور ملحوظ رکھا جائے۔

چناں چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ. (رواه البخاري ٧٦٢/٢ رقم: ٤٨٩٩، صحيح مسلم ٤٧٣/١ رقم: ١٤٠٠، سنن أبي داؤد ٣٨٠/١ رقم: ٢٠٤٨، سنن ابن ماجة ٢٣٣ رقم: ١٨٤٥، مشكاة المصابيح ٢٦٧/٢)

عورت سے چار وجہوں سے نکاح کیا جاتا ہے: اس کے مال، حسب ونسب، حسن وجمال اور دین داری کی وجہ سے، مگر تم دین داری والے رشتہ کو لپک لو۔

اِس حدیث میں جو بات اِرشاد فرمائی گئی ہے وہ معاشرہ میں رائج ماحول کے عین مطابق ہے؛ اِس لئے کہ عام طور پر رشتہ داری قائم کرنے میں مال ودولت یا حسن وجمال یا خاندانی وجاہت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے؛ حالاں کہ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اگر اِن چیزوں کے ساتھ دین داری اور پرہیزگاری نہ ہو، تو ایسے رشتے سے سکون ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔

محض مال ودولت یا حسن وجمال کوئی چیز نہیں، یہ وقت کے ساتھ ساتھ ڈھل جانے والی چیزیں ہیں، جب کہ دین داری وہ صفت ہے جو دنیا وآخرت میں عزت وعافیت کا سبب ہے، اور اس کے بغیر حقیقی سکون حاصل ہونا متصور نہیں ہے۔

تاہم اگر دین داری کے ساتھ حسن وجمال یا خاندانی وجاہت وغیرہ بھی مل جائے تو شرعاً اس میں کوئی حرج بھی نہیں؛ بلکہ بعض وجوہات سے اس میں بھی مصلحت ہوتی ہے، جیسا کہ روایت میں ہے کہ صحابیٔ رسول حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عورت کو نکاح کا

پیغام دیا، تو پیغمبر علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ: ''کیا تم نے اس عورت کو دیکھا ہے''؟ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''دیکھا تو نہیں'' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی مخطوبہ کو دیکھنے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ اس عمل کی وجہ سے تمہارے درمیان محبت کے جذبات میں اضافہ ہوگا''۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۲۶۹)

بہرحال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس بات کی تاکید فرمائی کہ رشتے میں اصلاً دین داری ہی کو فوقیت دی جائے؛ تاکہ یہ رشتہ حقیقت میں آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے سرور کا ذریعہ بن سکے، اور فتنہ وفساد کا دروازہ بند کیا جاسکے۔ اور نہ صرف لڑکی کی جانب؛ بلکہ لڑکے کی طرف بھی دین داری ہی کو بنیاد بنایا جائے۔ اِس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوْهُ، إِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ. (رواه الترمذي ۱/۲۰۷، مشكوٰة شريف ۲/۲٦۷)

اگر تمہارے پاس ایسا شخص رشتہ لے کر آئے، جس کی دین داری اور اخلاق تم کو پسند ہو تو (اپنی لڑکی وغیرہ) اس سے بیاہ دو، اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پیدا ہوجائے گا۔

اِس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا کہ اگر دین داری والے رشتوں کو رد کیا جائے گا، تو معاشرہ میں فتنہ وفساد عام ہوجائے گا، یہ تجربہ سے بالکل صادق ہے؛ کیوں کہ اچھے رشتوں کو رد کرنے سے طرح طرح کی معاشرتی خرابیاں وجود میں آتی ہیں، اور اِزدواجی زندگی عذاب بن جاتی ہے۔ اللّٰہم احفظنا منہ۔

تیسری فصل:

نیک بیوی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک عورت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِهَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ. (مسلم ١/٤٧٥ رقم: ١٤٦٧، نسائي ٢/٦٠ رقم: ٣٢٣٤، مسند أحمد ٢/١٦٨ رقم: ٦٥٦٧، صحيح ابن حبان ٤/٢٩٧ رقم: ٤٠٣٤، مشكاة المصابيح ٢/٢٦)

دنیا سب کی سب تھوڑے عرصہ کا سامان ہے، اور دنیا کا بہترین سامان نیک (دین دار) بیوی ہے۔

نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے:

مَنْ رَزَقَهُ اللّٰهُ إِمْرَأَةً صَالِحَةً فَقَدْ أَعَانَهُ عَلٰى شَطْرِ دِيْنِهٖ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِي الشَّطْرِ الْبَاقِيْ. (رواه الطبراني والحاكم ٢/١٦١، الترغيب والترهيب مكمل ٤٣٢ رقم: ٢٩٨٢)

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے نیک بیوی عطا فرمائی، تو اس کو آدھے دین پر کاربند رہنے میں اس کی اعانت فرمادی؛ لہٰذا بقیہ آدھے کے بارے میں وہ اللہ سے ڈرتا رہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جس شخص کو دنیا میں ’’نیک بیوی‘‘ یا جس عورت کو ’’نیک شوہر‘‘ مل جائے، اُس کی زندگی میں جو سکون حاصل ہوتا ہے، دوسرے لوگ اُس کا اندازہ نہیں کرسکتے، اِس لئے نیک بیوی کو دنیا کی سب سے بڑی نعمت قرار دینا حقیقت کے عین مطابق ہے۔

نیک بیوی کی صفات

اَب سوال یہ ہے کہ نیک عورت کی علامت اور پہچان کیا ہے؟ تو اِس بارے میں قرآنِ پاک کی متعدد آیات میں نیک بیویوں کی صفات واضح طور پر بیان کی گئی ہیں۔ سورۂ نساء میں اِرشاد فرمایا گیا:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ. (النساء، جزء آیت: ۳٤)

پس جو نیک عورتیں ہیں وہ تابع دار رہنے والی ہیں، اور پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت سے نگہبانی کرنے والی ہیں۔

اورسورۂ تحریم میں ایک خاص واقعہ میں پیغمبر علیہ السلام کو تسلی دی گئی، جس کے ضمن میں نیک بیویوں کی خاص صفات بھی اُجاگر ہوئیں۔ ارشاد فرمایا گیا:

عَسٰى رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تَآئِبٰتٍ عَابِدَاتٍ سَآئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا. (التحریم: ٥)

اگر پیغمبر علیہ السلام تم کو چھوڑ دیں تو آپ کا رب اِس کے بدلے میں اُنہیں ایسی عورتیں عطا فرمائیں گے جو تم سے بہتر ہوں گی، جو فرماں بردار ہیں، یقین رکھنے والیاں ہیں، نماز میں کھڑی ہونے والیاں ہیں، توبہ کرنے والیاں ہیں، بندگی بجانے والیاں ہیں، روزے کی شوقین ہیں، شوہر دیکھی ہوں یا کنواری۔

اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف روایات میں نیک بیویوں کی صفات بیان فرمائی ہیں، جو دراصل مذکورہ آیات کی توضیح وتفسیر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایک حدیث میں آپ نے اِرشاد فرمایا:

مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ خَيْرًا لَهٗ مِنْ زَوْجَةٍ

مؤمن نے تقویٰ کے بعد کوئی بھلائی نیک بیوی سے بڑھ کر حاصل نہیں کی، جس کی صفت

صَالِحَةٍ إِنْ أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ وَإِنْ نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَإِنْ أَقْسَمَ عَلَيْهَا أَبَرَّتْهُ وَإِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِيْ نَفْسِهَا وَمَالِهٖ. (رواه ابن ماجة ۱۳۳ رقم: ۱۸۵۷، المعجم الكبير للطبراني ۲۲۲/۸ رقم: ۷۸۸۱، مشكوة ۲۶۸/۲)

یہ ہے کہ (۱) وہ اسے کوئی حکم دے، تو اس کی اطاعت کرے۔ (۲) جب وہ اس کی طرف دیکھے، تو اسے خوش کردے۔ (۳) جب اس پر کوئی قسم کھائے تو اُسے پورا کردے۔ (۴) اور اگر اس سے غائب ہو، تو اپنی ذات اور اس کے مال میں خیانت نہ کرے۔

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ ''آدمی کے لئے کون سی عورت سب سے اچھی ہے؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

اَلَّذِيْ تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ، وَتُطِيْعُهُ إِذَا أَمَرَ وَلَا تُخَالِفُهُ فِيْ نَفْسِهَا وَلَا مَالِهٖ بِمَا يَكْرَهُ. (رواه النسائي والبيهقي في شعب الإيمان، مشكاة المصابيح ۲۸۳/۲)

جب وہ اُسے دیکھے تو اُسے خوش کردے، اور جب کوئی حکم کرے تو اُس کی اِطاعت کرے، اور اپنے نفس میں اور اُس کے مال میں کوئی ناگوار خلاف ورزی نہ کرے۔

نیز پیغمبر علیہ السلام نے یہ بھی اِرشاد فرمایا:

خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الإِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ، أَحْنَاهُ فِيْ وَلَدٍ فِيْ صِغَرِهٖ وَأَرْعَاهُ عَلىٰ زَوْجٍ فِيْ ذَاتِ يَدِهٖ. (متفق عليه، مشكاة المصابيح ۲۶۷/۲)

اُونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں سب سے اچھی عورتیں وہ خاندانِ قریش کی نیک خواتین ہیں جو بچپن میں اپنے بچوں پر بہت شفقت کرنے والی اور شوہر کے مال کی بہت زیادہ نگہبانی کرنے والی ہیں۔

اور ایک موقع پر نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطاب فرمایا:

تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَإِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ. (سنن أبي داؤد ۲۸۰/۱، السنن الكبرىٰ للنسائي ۲۷۱/۳ رقم: ۵۳۴۲، السنن الكبرىٰ للبيهقي ۱۴۰/۷ رقم: ۱۳۴۷۵)

ٹوٹ کر محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے نکاح کرو؛ کیوں کہ میں تمہارے ذریعہ سے (قیامت کے دن) دیگر اُمتوں پر (کثرت کی وجہ سے) فخر کرنے والا ہوں۔

اِس روایت سے معلوم ہوا کہ نکاح کے اہم ترین مقاصد دو ہیں: اول زوجین میں محبت کی فراوانی، جو خاندانوں میں جوڑ کا بڑا سبب ہے۔ اور دوم طلبِ اولاد، جس پر دنیا کی آبادی کا مدار ہے؛ لہٰذا نکاح کو محض شہوت رانی اور موج مستی کا ذریعہ نہیں بنانا چاہئے۔

اور صحابی رسول سیدنا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک عورت کو جنت کی بشارت سناتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَفِظَتْ فَرْجَهَا وَأَطَاعَتْ زَوْجَهَا، قِيْلَ لَهَا: اُدْخُلِي الْجَنَّةَ مِنْ أَيِّ الْأَبْوَابِ شِئْتِ. (رواه الإمام أحمد، تفسير ابن كثير مكمل ص: ۳۲۱ دار السلام رياض)

اگر عورت پنج وقتہ نماز پڑھے، اور رمضان کے فرض روزے رکھے، اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے، اور اپنے شوہر کی فرماں برداری بجالائے، تو قیامت میں اُس سے کہا جائے گا کہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہوجائے۔

درج بالا آیات واَحادیث سے خلاصہ کے طور پر یہ بات معلوم ہوئی کہ نیک عورتوں کی امتیازی صفات وعلامات درج ذیل ہیں:

(۱) شریعت کی پاس داری:- یعنی عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن تعلیمات وہدایات کی پابندی کرنا، اور ہر سطح پر نافرمانی اور گناہ سے اجتناب کرنا۔

(۲) شوہر کی کامل اِطاعت:- یعنی جائز اُمور میں شوہر کی اِطاعت کا اہتمام کرنا۔

(۳) شوہر کی خوشنودی اور منشا کا لحاظ:- اِسی طرح نیک بیوی کی خاص پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال واطوار سے شوہر کی خوشنودی حاصل کرنے کی ہر وقت کوشش کرتی ہے، اور کوئی ایسا انداز اختیار نہیں کرتی جس سے شوہر کو ناگواری یا اُس کے دل کو ٹھیس پہنچے۔ خاص طور پر جس بات کا شوہر تاکیداً حکم کرے تو عورت کو چاہئے کہ اُس کے مقابلے میں ضد نہ کرے؛ بلکہ اُس حکم کو بسر وچشم قبول کرتے ہوئے شوہر کے دل کو موہ لے۔

(۴) شوہر سے دلی محبت:- نیک عورت کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ وہ اپنے شوہر سے ٹوٹ کر محبت کرنے والی ہوتی ہے، اور اُس کے لئے ہر طرح قربانی دینے کے لئے تیار رہتی ہے۔

(۵) خوش دلی سے اَولاد کی پرورش:- نیک عورت کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ وہ اَولاد کو اللہ کی نعمت سمجھتے ہوئے پوری خوش دلی اور بشاشت کے ساتھ اُن کی بہتر سے بہتر پرورش کرتی ہے۔

(۶) خیانت سے اجتناب:- اِسی طرح شوہر کی غیر موجودگی میں گھر کے مال واسباب اور خود اپنے نفس کی حفاظت کا اہتمام بھی نیک عورت کی خاص ذمہ داری ہے۔

(۷) حسنِ انتظام:- نیک عورت گھریلو کام کاج اور نظم وانتظام میں مکمل دلچسپی لیتی ہے، اور اِس ذمہ داری کو اتنے بہتر طریقے پر سلیقے سے انجام دیتی ہے کہ مرد بالکل بے فکر ہو کر اپنے اُمور انجام دے سکتا ہے۔

بلاشبہ اگر مذکورہ صفات والی عورت سے رشتہ قائم ہوگا تو ایسا گھر جنت کا نمونہ بن جائے گا، اور آنکھوں کی ٹھنڈک والی دعا کی قبولیت کا اثر ضرور ظاہر ہوگا، اِس لئے ہمیشہ رشتے ناطے میں دین داری کو ہی پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

چوتھی فصل:

شوہر پر بیوی کے حقوق

’’عقدِ نکاح‘‘ زوجین کے درمیان ’’رفاقتِ حیات‘‘ کا ایک پختہ عقد ہے، جس کی مکمل کامیابی کے لئے دونوں میں محبت وتعلق اور حسنِ معاشرت کے جذبات پائے جانے ضروری ہیں؛ لہٰذا جب ہم اللہ تبارک وتعالیٰ سے مذکورہ دعا (بیویوں کا آنکھوں کی ٹھنڈک بننا) مانگیں، تو ساتھ میں یہ بھی لازم ہے کہ ہم بیویوں کے حقوق کو پوری طرح اَدا کرنے کی فکر بھی کریں؛ اِس لئے کہ مثل مشہور ہے کہ: ’’تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے‘‘۔ لہٰذا یک طرفہ اِقدامات سے حسن معاشرت کا مقصد کامل طور پر حاصل نہیں ہوسکتا۔

اسلام نے اِس نکتہ پر خصوصی توجہ دی ہے۔ چناں چہ سورۂ بقرہ میں میاں بیوی کے حقوق کے بارے میں فرمایا گیا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ. (البقرة، جزء آیت: ۲۲۸)

اور عورتوں کا بھی حق ہے، جیسا کہ مردوں کا اُن پر حق ہے دستور کے موافق، اور مردوں کو عورتوں پر (ایک گونہ) فضیلت ہے۔

نیز سورۂ نساء میں اِرشاد ہوا:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. (النساء، جزء آیت: ۹)

اور عورتوں کے ساتھ اچھی طرح گذر بسر کرو۔

اِس سے معلوم ہوا کہ بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور حسنِ معاشرت شریعت میں مطلوب ہے، جس کا بہرحال خیال رکھنا چاہئے۔

علاوہ اَزیں یہ بات بھی ذہن نشیں رہنی چاہیئے کہ: ’’شوہر کو اللہ تعالیٰ نے بیوی پر حاکم بنایا ہے‘‘۔ (سورۂ نساء ۳۴) اِس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ شوہر ایک عادل اور منصف حاکم کی طرح بیوی کے ساتھ معاملہ کرے۔ یعنی اُس کے جو بھی حقوق اُس کے ذمہ میں آتے ہیں اُن کو پوری طرح اَدا کرے اور بیوی کے ذمہ جو حقوق ہیں اُن سے زیادہ کا اُس سے طالب نہ ہو۔ اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو گھر میں سکون وعافیت کا ماحول ہرگز قائم نہیں ہوسکتا۔

سب سے اچھے مرد

ذیل میں چند اَحادیثِ مبارکہ پیش کی جاتی ہیں، جن میں عورتوں کے ساتھ حسنِ معاملہ کی تلقین کی گئی ہے:

(۱) سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي. (سنن ابن ماجة رقم: ۱۹۷۷، رياض الصالحين ۱٤۰)

تم میں سے بہتر لوگ وہ ہیں جو اپنے گھر والوں کے حق میں اچھے ہوں، اور میں اپنے گھر والوں کے حق میں سب سے بہتر ہوں۔

(۲) اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَكْمَلِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَأَلْطَفُهُمْ بِأَهْلِهِ. (سنن الترمذي رقم: ۲٦۱۲، مظاهر حق ۱۷٤/۳)

مؤمنین میں سب سے کامل اِیمان والا شخص وہ ہے جو سب سے اچھے اخلاق والا اور اپنے اہل وعیال پر بہت مہربان ہو۔

(۳) صحابی رسول سیدنا حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پیغمبر علیہ السلام سے عرض کیا کہ ’’اے اللہ کے رسول! ہماری بیوی کا ہم پر کیا حق ہے؟‘‘ تو نبی اکرم علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا:

أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوْهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ. (سنن أبي داؤد رقم: ٢١٤٢، الترغيب والترهيب مكمل رقم: ٢٩٩٩ بيت الأفكار الدولية)

تمہارے اوپر بیوی کا حق یہ ہے کہ جو خود کھاؤ وہی اسے کھلاؤ، اور جس معیار کا لباس تم پہنو وہی اُسے پہناؤ، اور اُس کے چہرے پر مت مارو، اور اُس کو برا بھلا مت کہو، اور (ناگواری کے وقت) کمرے کے علاوہ اُس سے الگ مت رہو۔

عام طور پر جو شخص نماز کا پابند اور دینی سرگرمیوں میں مشغول ہو، اُسے دین دار اور قابل تعریف شخص قرار دیا جاتا ہے؛ لیکن مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ آدمی کا کمال یہ ہے کہ وہ عبادت کے ساتھ ساتھ حسنِ معاشرت اور صلہ رحمی کرنے والا بھی ہو، وہ اہل خانہ کے لئے بوجھ نہ بنے؛ بلکہ اپنے بہترین برتاؤ سے ہر دل عزیز بن جائے، یہی اعلیٰ درجہ کی دین داری ہے۔

عورتوں سے اچھے برتاؤ کی تاکید

(۴) سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ؛ فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ. (صحيح البخاري رقم: ٣٣٣١، صحيح مسلم ١/٤٧٥ رقم: ١٤٦٨، رياض الصالحين ١٣٤)

عورتوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آؤ؛ کیوں کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا سب سے ٹیڑھا جزو اُس کا اُوپری حصہ ہوتا ہے، پس اگر تم اُسے بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کروگے، تو تم اُسے توڑ دوگے، اور اگر (سیدھا کرنے کی فکر) چھوڑ دوگے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی؛ لہٰذا (اسی حال میں) عورتوں سے اچھا معاملہ کرتے رہو۔

مطلب یہ ہے کہ بطورِ حکمت عورتوں میں فطرتاً کچھ فکری وعملی ضعف رکھا گیا ہے (تاکہ اُن کا مرد کے تابع بن کر رہنا آسان ہو) جس کی بنا پر بسا اَوقات اُن کے کسی طرزِ عمل سے مرد کو ناگواری ہوجاتی ہے، اور وہ انتہائی قدم اُٹھانے کی ٹھان لیتا ہے، تو ایسے وقت میں بردباری اور سنجیدگی سے کام لے کر اور نرمی دکھا کر معاملہ کو ٹوٹنے سے بچانے کی فکر کرنی چاہئے۔ دانش مند آدمی وہی ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بہترین نبھاؤ کرنے کا رویہ اپنائے، اُن کے عیوب کی ٹوہ میں نہ رہے؛ بلکہ محاسن پر نظر رکھے، اور ناگوار باتوں کو درگذر کرے، اِس کے بغیر خوش گوار اِزدواجی زندگی کا تصور محال ہے۔

(۵) سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

لَا يَفْرُكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ.

(صحيح مسلم رقم: ١٤٦٩، الترغيب والترهيب مكمل ٢٩٩٨)

کوئی مؤمن اپنی ایمان والی بیوی سے دل میں بغض نہ رکھے (کیوں کہ) اگر اُس کی کوئی عادت بری لگے گی تو دوسری صفت اچھی لگنے والی بھی ہوگی۔

اِس روایت میں یہ ہدایت کی گئی کہ بیوی کی کسی غلطی پر اُس سے بغض وعناد دل میں نہ جمایا جائے؛ بلکہ اُس کی اچھائیوں اور قربانیوں پر نظر رکھی جائے کہ وہ ہماری اور ہماری اَولاد کی خاطر کیسی مشقتیں اُٹھاتی ہے، اور کتنی گھریلو خدمات انجام دیتی ہے، جو ہمارے بس میں نہیں ہیں۔ ایسے میں اگر اُس سے فطری کمزوری کی وجہ سے بالفرض کوئی غلطی ہو بھی جائے تو اُس کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئے؛ بلکہ حسن تدبیر سے اُسے بھلا دینا چاہئے، یہی ایمان کا تقاضا ہے۔ اِسی لئے حدیث میں ''مؤمن'' اور ''مؤمنہ'' کی صفات ذکر کی گئی ہیں۔

اِزدواجی زندگی کے لئے نبوی منشور

(۶) سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حجۃ الوداع سے متعلق طویل حدیث میں عرفات

کے میدان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے خواتین کے حقوق اور ذمہ داریوں سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ بلند پایہ کلمات بھی نقل فرمائے ہیں، جو پرسکون اِزدواجی زندگی کی ضمانت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوْهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. (صحيح مسلم ۳۹۷/۱، حياة الصحابة ۴۰۳/۳-۴۰۴)

عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو! اس لئے کہ تم نے اُن پر اللہ کے اَمان کے ذریعہ قابو پایا ہے اور اللہ کے حکم سے (ایجاب وقبول کے ذریعہ) اُن سے جسمانی تعلق کو اپنے لئے حلال کیا ہے، تمہارا اُن پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ایسے لوگوں کو نہ بیٹھنے دیں جن کا آنا تمہیں ناپسند ہو، اگر وہ خلاف ورزی کریں تو اُنہیں ہلکی پھلکی تنبیہ کرو، اور اُن کا تمہارے اُوپر حق یہ ہے کہ تم معروف طریقہ پر اُن کے نان نفقہ اور لباس کا انتظام کرو۔

واقعہ یہ ہے کہ معاشرتی زندگی کے لئے درج بالا ہدایات سے بہتر کوئی ہدایت نہیں ہوسکتی، اس میں جہاں عورتوں کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں، وہیں مردوں کو بھی ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا گیا ہے۔ اگر ان ہدایات کی پابندی فریقین کریں تو کبھی بھی نزاع کی نوبت نہ آئے، اور آپس میں اُلفت ومحبت ہمیشہ برقرار رہے، اور خاندانی نظام میں کبھی رخنہ پیدا نہ ہو۔

زوجین؛ ایک دوسرے کیلئے لباس کی طرح ہیں

محبتِ خدا اور رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جذبۂ اِطاعت کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارا

معاملہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مشفقانہ اور ہمدردانہ ہونا چاہئے، اور اگر کوئی ناچاقی ہوجائے تو اُس پر چراغ پا ہونے کے بجائے نرمی کے ساتھ اور حکمتِ عملی کے ذریعہ اُس سے نپٹنا چاہئے، ہم اپنی بیویوں کو غلام باندی نہیں؛ بلکہ اپنی شریک حیات سمجھیں اور حقوق کی اَدائیگی کا خاص اہتمام رکھیں تو بہت سے جھگڑے بڑھنے سے پہلے ہی ختم ہوسکتے ہیں۔

واضح ہو کہ کمی اور کوتاہی سے کوئی اِنسان مبرا نہیں ہے، یہ کمی مرد وعورت دونوں میں ہوسکتی ہے، اور مسلسل ساتھ رہنے کی وجہ سے میاں بیوی ایک دوسرے کی اچھائی یا برائی کو جتنا بہتر جانتے ہیں، کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا ہے اور کیسے زندگی گذارنی ہے؟ اِس کے بارے میں قرآنِ کریم نے ایک جملہ میں بہت کچھ بیان کردیا ہے کہ: ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (البقرة، جزء آيت: ۱۸۷) (یعنی تمہاری بیویاں تمہارے لئے پوشاک اور لباس کے مانند ہیں، اور تم اُن کے لئے لباس کے درجہ میں ہو) اِس میں جہاں میاں بیوی کے ایک دوسرے کے بہت زیادہ قریب ہونے کی طرف اِشارہ ہے، وہیں ایک دوسرے کے عیوب کی پردہ پوشی کی طرف تنبیہ بھی ہے، اِس لئے کہ علماء لغت نے لباس کی تعریف اِن اَلفاظ سے کی ہے: ”كُلُّ شَيْءٍ سَتَرَ شَيْئًا فَهُوَ لِبَاسٌ لَهُ“. (عمدة الحفاظ في تفسير أشرف الألفاظ، مادة: لباس) (یعنی جو چیز کسی چیز کو چھپالے، وہ اُس کے لئے لباس ہے) اِس سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کے عیوب چھپانے کی عادت بنانی چاہئے، اور کسی دوسرے شخص کے سامنے آپس کے عیب کو ہرگز ظاہر نہیں کرنا چاہئے۔ یہ واقعی قرآنِ کریم کا اعجاز ہے کہ زوجین کو ایک دوسرے کا لباس قرار دے کر ایک مختصر جملہ میں اتنا بڑا سبق دے دیا ہے، جس کو طویل صفحات میں یکجا کرنا دشوار ہے؛ لہٰذا ہمیں یہ سبق ضرور یاد رکھنا چاہئے۔

خاص طور پر کسی گھر میں جب بچے بڑے ہوجائیں، تو اُن کے سامنے ایک دوسرے پر طعن وتشنیع یا کوتاہیوں کا اظہار اِزدواجی زندگی کے لئے بہت ہی نقصان دہ ثابت ہوتا ہے؛ کیوں کہ ہر اِنسان کی اپنی ایک عزت نفس ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ دوسروں کے سامنے اپنی

بے توقیری برداشت نہیں کر پاتا، اِس لئے اچھے شوہر کی پہچان یہ ہے کہ وہ بیوی کی عزت کو اپنی عزت سمجھتا ہے اور اُس کی خطاؤں کو مسلسل نظر انداز کر کے زندگی گذارتا ہے۔

عورت کی قربانی کو یاد رکھیں!

اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ظاہری طور پر نکاح میں عورت کی طرف سے قربانی پیش کی جاتی ہے؛ کیوں کہ مرد تو اپنی جگہ پر اور اپنے گھر میں رہتا ہے؛ لیکن نکاح کی وجہ سے عورت اپنے مہربان ماں باپ، پیارے بھائی بہنوں، عزیز رشتہ داروں؛ حتیٰ کہ اپنے وطن کو چھوڑ کر شوہر کے گھر منتقل ہو جاتی ہے، اِسی لئے رخصتی کا یہ لمحہ دل پر بہت شاق ہوتا ہے، جس پر گذرتی ہے وہی اِس کا احساس کر سکتا ہے۔ اَب اگر یہ عورت شوہر کے گھر جا کر بھی سکون سے نہ رہے، اور وہاں اُس کی دل داری نہ ہو؛ بلکہ بات بات پر طعنوں اور لعنت وملامت سے سابقہ پڑے، تو اِس سے بڑی زیادتی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟

اِس لئے شوہر اور اُس کے گھر والوں کو بیوی کی اِس عظیم قربانی کی ضرور قدر کرنی چاہئے، اور یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ بیوی بھی کسی کی لختِ جگر اور نورِ نظر ہے۔ جس طرح آدمی اپنی بیٹی کی پریشانی کو برداشت نہیں کر سکتا، اِسی طرح بیوی کی دل آزاری سے بھی دور رہنا چاہئے۔

ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری صاحب زادی، خاتونِ جنت سیدتنا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں اِرشاد فرمایا: ”فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي، فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي“ (صحيح البخاري رقم: ٣٧٦٧، صحيح مسلم رقم: ٢٤٤٩) (فاطمہ میرے بدن کا ٹکڑا ہے، جس نے اُسے ناراض کیا اُس نے مجھے بھی ناراض کیا)

دیکھا جائے تو کم وبیش اسی طرح کے جذبات ہر لڑکی کے گھر والوں کے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی بیٹی کو کسی بھی ذہنی یا جسمانی پریشانی میں مبتلا نہیں دیکھنا چاہتے، اِس لئے لڑکے اور اُس کے گھر والوں کو اِس نزاکت کا ضرور خیال رکھنا چاہئے، اور بیوی یا بہو کے ساتھ ایسا رویہ نہیں اپنانا چاہئے جس سے اُس کے گھر والوں کو اَذیت ہو۔

عورت پر ہاتھ اُٹھانا پسندیدہ نہیں

خاص طور پر معمولی معمولی کوتاہیوں پر بیوی پر ہاتھ اُٹھانا بہت بڑی ناپسندیدہ بات ہے۔قرآنِ پاک میں اور اَحادیثِ شریفہ میں بضرورت معمولی تادیب کی گنجائش دی گئی ہے؛ لیکن اُس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی آپے سے باہر ہوجائے، اور اپنی طاقت کا رعب عورت کی کمزور ذات پر جھاڑنے لگے، شریف لوگ اِسے کبھی بھی پسند نہیں کرتے۔

حدیث میں ہے کہ ایک موقع پر بہت سی صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے اپنے شوہروں کی طرف سے مارپٹائی کی شکایت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کی، تو نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا: ''لَیْسَ اُولٰـئِکَ بِخِیَارِکُمْ''. (سنن أبي داؤد / باب في ضرب النساء ۲۹۲/۱) یعنی بیویوں کو مارنے والے تم میں اچھے لوگ نہیں ہیں۔ اِس سے یہ معلوم ہوا کہ اِس کے مقابلے میں اچھے لوگ وہی ہیں جو عورتوں پر ہاتھ نہیں اُٹھاتے۔

اسی طرح ایک صحابی جن کا نام ابوجہم تھا، اور وہ بیویوں کی پٹائی کرنے میں مشہور تھے، تو ایک صحابیہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اُن کی طرف سے آمدہ رشتے کا تذکرہ کیا، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کی مذکورہ عادت ہی کی وجہ سے اُن کے رشتے کو منظور نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ (مسلم شریف حدیث: ۱۴۸۰)

خلاصہ یہ کہ اِزدواجی زندگی کو بہتر اور گھر کے ماحول کو پرسکون بنانے کے لئے شوہر کے لئے صبر وتحمل اور حلم وبردباری بے حد ضروری ہے، اِس کے بغیر اِزدواجی زندگی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دارین میں سکون وعافیت والی زندگی نصیب فرمائیں، آمین۔

پانچویں فصل:

اَولاد کی دینی تربیت کی فکر

جس طریقے پر ذہنی سکون کے لئے زوجین کے درمیان ہم آہنگی اور ایک دوسرے کے حقوق کی اَدائیگی لازم ہے، اِسی طرح جب تک اَولاد کی طرف سے اِطاعت وفرماں برداری، خدمت گذاری اور دین داری کا مظاہرہ نہ ہو، اُس وقت تک آدمی کو طبعی اطمینان ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔

چناں چہ دنیا کا تجربہ ہے کہ اگر خدانخواستہ اَولاد نکمی نکل جائے یا غلط راستے پر چل پڑے، تو ایسی اَولاد وَالدین کے لئے بہت بڑا بوجھ اور سوہانِ روح بن جاتی ہے۔

لٰہذا اَولاد کو اپنی ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' بنانے کے لئے بظاہر اَسباب خاص طور پر اُن کی دینی تعلیم وتربیت کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔

بے شک اِسلام؛ شرعی حدود میں رہتے ہوئے عصری تعلیم یا دنیوی ترقی کا مخالف نہیں ہے؛ لیکن ایک مسلمان کے لئے سب سے زیادہ اہم چیز اُس کا دین واِیمان ہے، جس سے ہرگز غفلت نہیں برتنی چاہئے۔ اور ابتداء ہی سے کوشش کرنی چاہئے کہ ہماری اَولاد ایسے دینی ماحول میں پروان چڑھے، اور اُس میں عقیدے اور عمل کی ایسی پختگی ہو کہ بعد میں ناموافق ماحول سے گذرنے کے باوجود اُس کے اندر کوئی تبدیلی نہ آسکے، اِس کی فکر ہر ماں باپ کو ہونی چاہئے۔

اِسی لئے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے پوتے سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اَولادوں کو دین پر جینے اور دین ہی پر مرنے کی تاکیدی وصیت فرمائی ہے۔

اِرشادِ خداوندی ہے:

وَوَصّٰی بِهَآ اِبْرَاهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ، يَا بَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ. (البقرة: ۱۳۲)

اور ابراہیم ویعقوب یہی وصیت فرما گئے اپنے بیٹوں کو، کہ اے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے دین منتخب فرمالیا ہے تو تم اِسلام ہی پر جان دینا۔

اور سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام نے وفات سے پہلے سب سے زیادہ اہمیت اِس بات کو دی کہ اپنی اَولاد کے عقیدہ کی طرف سے اطمینان حاصل کریں۔ اِرشادِ خداوندی ہے:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ، اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ، قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ. (البقرة: ۱۳۲)

کیا تم یعقوب کی وفات کے وقت موجود تھے، جب کہا اپنے بیٹوں کو کہ تم کس کی عبادت کروگے میرے بعد؟ بولے ہم بندگی کریں گے تیرے رب کی، اور تیرے باپ دادوں کے رب کی جو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق ہیں، وہی ایک معبود ہے اور ہم سب اُسی کے فرماں بردار ہیں۔

درج بالا آیتوں میں سبھی والدین کے لئے نصیحت ہے کہ وہ اَولاد کی مادی خیرخواہی سے زیادہ دینی خیرخواہی کی فکر کریں، اور اِس میں ہرگز غفلت نہ برتیں۔

اَولاد کے بارے میں آخرت میں سوال

اَولاد اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، جس کی نگرانی کی ذمہ داری والدین کی ہے، اور آخرت میں جس طرح دیگر باتوں کا سوال ہوگا، اِسی طرح اَولاد کے حقوق کی اَدائیگی کے متعلق بھی آدمی کو جواب دہی کرنی پڑے گی۔ اِس بارے میں اُصولی طور پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ جامع اِرشاد سب کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اِرشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ، اَلإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ أَهْلِهٖ وَهُوَ مَسئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُوْلَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِيْ مَالِ سَيِّدِهٖ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ. قَالَ: وَحَسِبْتُ أَنْ قَدْ قَالَ: وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ مَالِ أَبِيْهِ، وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ، وَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ. (صحيح البخاري، كتاب الجمعة / باب الجمعة في القرىٰ ۱۲۲/۱ حديث: ۸۹۳)

تم میں سے ہر آدمی نگراں ہے، اور ہر ایک سے اُس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال ہونے والا ہے، حاکم نگراں ہے، اُس سے رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔ اور آدمی اپنے گھر والوں کا نگراں ہے، اُس سے اُس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھ ہوگی۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگرانی کرنے والی ہے، اُس سے اُس کی اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ اور غلام اپنے آقا کے مال کا نگراں ہے، اُس سے اپنی نگرانی کے بارے میں سوال ہوگا۔ (اور غالباً پیغمبر علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا) اور اِنسان اپنے والد کے مال کا بھی محافظ ہے، جس کے متعلق اُس سے پوچھ ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ تم میں سے ہر شخص نگرانی کرنے والا ہے، اور اُس سے آخرت میں اپنے زیر اثر چیزوں کے بارے میں سوال ہوگا۔

اِس جامع روایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں بہرحال اپنی اَولاد کی دینی اور دنیوی خیرخواہی اور اُن کے حقوق کی اَدائیگی کی فکر کرنی لازم ہے، اور اِس بارے میں قصداً لاپرواہی اور غفلت بالکل روا نہیں ہے۔

نومولود کے کان میں اَذان دینے کا حکم

شریعت کی نظر میں دینی تربیت کی کتنی اہمیت ہے؟ اِس کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بچے کی پیدائش کے بعد سب سے پہلا عمل یہ بتلایا گیا کہ اُس کے کان میں اَذان دی جائے:

تا کہ اُس کے دل میں قوتِ سماعت کے توسط سے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی آواز پہنچے، یہ گویا کہ اِیمان کا بنیادی بیج ہے، جو بچے کے دل میں بویا جاتا ہے۔

سیدنا حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ’’میں نے نبی اکرم علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ نے پیدائش کے بعد اپنے نواسے سیدنا حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کان میں اَذان دی‘‘۔ (ابوداؤد شریف ۲/۶۹۶ رقم: ۵۱۰۵)

اور پھر کسی نیک شخص سے بچے کی تحنیک کرائی جائے (یعنی اُس کے لعاب دہن میں کوئی میٹھی چیز ملاکر بچے کو چٹائی جائے) تاکہ اُس کی برکت بچے کو حاصل ہوسکے۔ اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ’’نومولود بچوں کو پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا، اور آپ کھجور چبا کر اُن کی تحنیک فرماتے اور اُنہیں برکت کی دعاؤں سے نوازتے تھے‘‘۔ (مسلم شریف حدیث: ۲۸۶، ۲۱۴۷، ابوداؤد شریف ۲/۶۹۶)

بچوں کے نام اچھے رکھیں!

بچوں کے بارے میں ایک اہم حکم یہ بھی ہے کہ اُن کا اچھا سا نام رکھا جائے۔ نبی اکرم علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّكُمْ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَسْمَائِكُمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِكُمْ، فَأَحْسِنُوْا أَسْمَاءَ كُمْ. (سنن أبي داؤد / كتاب الادب ٢/٦٧٦ رقم: ٤٩٤٨)

تمہیں قیامت کے دن تمہارے اور تمہارے باپ کے ناموں سے پکارا جائے گا؛ لہٰذا بچوں کے نام اچھے رکھا کرو۔

اور ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا:

أَحَبُّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ. (أبو داؤد ٢/٦٧٦ رقم: ٤٩٤٩، مسلم ٢/٢٠٦ رقم: ٢١٣٢، سنن الترمذي ٢/١١٠ رقم: ٢٨٣٣)

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام ’’عبداللہ‘‘ اور ’’عبدالرحمٰن‘‘ ہیں۔

محدثین نے لکھا ہے کہ ہر وہ نام جو اللہ تعالیٰ کے کسی نام کی طرف منسوب ہو وہ سب پسندیدہ ہیں (مثلاً فیض الرحمٰن، فضل الرحمٰن، عبدالودود وغیرہ)۔(العرف الشذی علی سنن الترمذی ۲/۱۱۰)

نیز پیغمبر علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اپنے بچوں کے نام انبیاء علیہم السلام اور نیک لوگوں کے ناموں پر رکھا کرو۔(ابوداؤد شریف ۲/۶۷۷ رقم: ۴۹۵۰، نسائی ۲/۱۲۲ رقم: ۳۲۶۴)

اِن ہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھا نام رکھنا بھی اَولاد کے ساتھ منجملہ احسانات میں سے ایک احسان ہے، جس کے اثرات بچے پر پڑتے ہیں۔

آج افسوس کی بات یہ ہے کہ لوگ بے عمل کھلاڑیوں اور ایکٹروں کے ناموں پر اپنے بچوں کا نام رکھتے ہیں، اور بعض لوگوں کو نت نئے نام رکھنے کا خبط سوار رہتا ہے، اور یہ سوچتے ہیں کہ ایسا نام رکھا جائے جو آج تک دنیا میں کسی نے نہ رکھا ہو، جس کی بنا پر نہایت لغو قسم کے نام مسلم معاشرہ میں رائج ہوگئے ہیں، ایسے ناموں سے احتراز لازم ہے۔

نامناسب ناموں کی تبدیلی

اور اگر کسی کا ایسا نام رکھا گیا ہے جو معنی کے اعتبار سے مناسب نہیں ہے، تو بعد میں اہل علم کے مشورہ سے اُسے بدل دینا چاہئے۔ چناں چہ روایت میں مروی ہے کہ ایک عورت کا نام ’’عاصیہ‘‘ تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا نام بدل کر ’’جمیلہ‘‘ رکھ دیا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ’’پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ناپسندیدہ نام کو بدل دیا کرتے تھے‘‘۔(ترمذی شریف ۲/۱۱۱)

نیز پیغمبر علیہ السلام کو ایسے نام بھی ناپسند تھے جن سے اپنی تعریف اور بڑائی ثابت ہوتی ہو، چناں چہ روایت میں ہے کہ آپ کی ربیبہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ کا پہلا نام ’’برّہ‘‘ تھا (جس کے معنی ’’نیک‘‘ کے آتے ہیں) تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا:

لَا تُزَكُّوْا أَنْفُسَكُمُ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِأَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ. (سنن أبي داؤد ۲/۶۷۷ رقم: ۴۹۵۳، صحيح مسلم ۲/۲۰۸ رقم: ۲۱۴۲)

اپنے آپ کو پارسا مت کہا کرو، اللہ کو خوب معلوم ہے کہ تم میں سے کون نیک ہے؟

اِس پر سوال کیا گیا کہ پھر ہم کیا نام رکھیں؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِس کا نام ''زینب'' رکھ دو۔

عقیقہ اور ختنہ کا حکم

بچوں کی تربیت ہی کے ضمن میں ایک حکم یہ ہے کہ ساتویں دن اُن کا عقیقہ کیا جائے، لڑکے کی طرف سے دو بکرے یا بکریاں، اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا یا بکری۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۳۶۳، سنن الترمذی ۱/۲۷۸، سنن ابوداؤد ۲/۳۹۲ رقم: ۲۸۳۴، ابن ماجہ ۱/۲۲۸ رقم: ۳۱۶۲، سنن النسائی ۲/۱۸۷ رقم: ۴۲۲۲)

ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ ساتویں دن بچے کا نام رکھا جائے اور اُس کے بال اتروائے جائیں اور اس کا عقیقہ کیا جائے۔ (ترمذی شریف ۲/۱۱۰، نسائی شریف ۲/۱۸۷)

اور ایک ضعیف روایت میں یہ بھی ہے کہ بال جتنے وزن کے ہوں اُس کے بقدر چاندی (یا اُس کی قیمت) صدقہ کردی جائے۔ (سنن ترمذی ۱/۲۷۸ رقم: ۱۵۱۹، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/۳۱۹، اعلاء السنن ۱۷/۱۱۹)

بعض اَحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک عقیقہ نہ کرلیا جائے بچہ اَمراض و بلاء اور شیطان کے اَثرات سے محفوظ نہیں رہتا۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْغُلَامُ مُرْتَهِنٌ بِعَقِيْقَتِهٖ يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُسَمّٰى وَيُحْلَقُ رَأْسُهٗ. (سنن الترمذي ۱/۲۷۸ رقم: ۱۵۲۲، ابن ماجة ۲/۲۲۸ رقم: ۳۱٦۵، نسائی ۲/۱۸۷ رقم: ٤۲۲٦، ابوداؤد ۲/۳۹۲ رقم: ۲۸۳۷، مرقاة ۸/۷۸، المصنف لابن أبي شيبة ۱۲/۲۲٦، إعلاء السنن ۱۷/۱۱۹)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ بچہ اپنے عقیقہ تک محبوس رہتا ہے؛ لہٰذا اُس کی کی طرف سے ساتویں دن عقیقہ کیا جائے، اور نام رکھا جائے، اور اُس کا سر مونڈ دیا جائے۔

مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ عقیقہ بچے کے لئے شیطانی اَثرات اور بلیات سے حفاظت کا ایک اہم ذریعہ ہے؛ اِس لئے جتنی جلد ممکن ہو سکے بچے کا عقیقہ کردینا چاہئے، یہ بھی اُس کے اوپر احسان کی ایک صورت ہے، اور بلاوجہ اِس میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔

آج کل ہمارے معاشرہ میں اِس سلسلے میں بڑی کوتاہی پائی جاتی ہے کہ بڑی تقریب اور لمبی دعوت کے اہتمام میں عقیقہ کو ٹلا دیا جاتا ہے، اور بسا اَوقات اَولاد جوان ہوجاتی ہے؛ لیکن اُس کا عقیقہ نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے عقیقہ کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے، اور بعد میں عقیقہ کے نام پر محض ایک رسم نبھائی جاتی ہے جو بالکل مناسب نہیں۔

واضح ہو کہ عقیقہ میں دعوت اصل نہیں ہے؛ بلکہ جانور کا ذبح کرنا اصل ہے، پھر اُس کا گوشت خواہ کچا بانٹ دیا جائے یا پکا کر کھلا دیا جائے، حسبِ سہولت دونوں باتوں کا اختیار ہے، اِس میں بلاوجہ تکلفات کرنا بہتر نہیں ہے۔

اِسی طرح ایک اہم حکم بچوں کے بارے میں یہ ہے کہ بچپن ہی میں اُن کی ختنہ کرادی جائے، جو طہارت ونظافت کے ساتھ ساتھ ایک اِسلامی شعار اور علامت بھی ہے۔ (عالمگیری ۵/۳۵۷)

اور تجربہ یہ ہے کہ جتنی جلد ختنہ کرادی جائے اتنا ہی بہتر ہوتا ہے؛ کیوں کہ بعد میں اُس عمل کو انجام دینے سے بڑی دشواریاں پیش آجاتی ہیں۔

بچوں کو پاک صاف رکھیں!

کوشش کرنی چاہئے کہ بچے شروع ہی سے پاک وصاف رہیں، جب اُن کے بدن سے نجاست نکلے تو جلد از جلد دھو کر صاف کردیا جائے، اُنہیں نجاست میں لت پت پڑے نہ رہنے دیا جائے، اور محض بچہ سمجھ کر اُن کی پلیدگی کو نظر انداز نہ کردیا جائے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ بچہ کے بدن سے نکلنے والی نجاستیں بھی اِسی طرح ناپاک ہیں جیسے بڑوں کے فضلات؛ اِس لئے اُنہیں ہلکا نہ سمجھا جائے۔ بعض مائیں اِس کا بالکل لحاظ نہیں کرتیں اور بچوں سے بدبو اُٹھتی رہتی ہے مگر اُنہیں قطعاً احساس نہیں ہوتا، حالاں کہ صفائی ستھرائی اِسلام کا خاص وصف ہے، اِس لئے ضرورت ہے

کہ شروع ہی سے بچوں کو طہارت کی اہمیت معلوم ہو، ہمیشہ اُن کو استنجاء کرانے کا اہتمام رکھیں، اور اُنہیں نالیوں اور گندی جگہوں پر ہرگز کھیلنے نہ دیں۔ اِسی طرح حتی الامکان پاک صاف کپڑے پہنائیں، اِس پاکیزگی کے بہترین اثرات بچوں کی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں، جب کہ گندگی میں پرورش پانے والے بچوں کے اَخلاق شروع ہی میں بگڑ جاتے ہیں۔

بچہ کو بالکل بے شعور نہ سمجھیں!

جب بچہ بولنے کے قابل ہوتو بہتر ہے کہ اُس کی زبان سے اَولاً ''اللہ'' کا مبارک نام صادر ہو، اور اُسے اچھی باتیں یاد کرائی جائیں، اور اُس کے سامنے اچھی باتیں ہی بولی جائیں، بچہ بظاہر بے شعور معلوم ہوتا ہے؛ لیکن اُس کا دماغ اِس حالت میں بھی معلومات کو اخذ کرکے ذہن کے گوشوں میں محفوظ کرتا رہتا ہے۔ اِس کی واضح دلیل یہ ہے کہ بچہ بغیر کسی کے سکھائے گھر میں بولی جانے والی مادری زبان خود بخود سیکھ لیتا ہے، اِس کے لئے اُسے کوئی مزید محنت یا مشق نہیں کرنی پڑتی، بریں بنا بچے کی ذہنی اور فکری تربیت کے لئے اُسے پاکیزہ، صاف ستھرا اور باوقار ماحول عطا کرنا ضروری ہے۔

عام طور پر بچوں کو کہانی اور قصے سننے کا شوق ہوتا ہے، اور عموماً مائیں کتے بلی، اور بندروں کی کہانیاں سنا کر بچوں کو خوش کرتی ہیں، حالاں کہ ایسی کہانیوں کے مضر اثرات بچوں پر مرتب ہوتے ہیں، ماؤں کو چاہئے کہ وہ سچی کہانیاں اور انبیاء علیہم السلام اور بزرگوں کے عبرت آموز واقعات بچوں کو سنایا کریں، اِس سے جہاں اُنہیں نصیحتیں ملیں گی وہیں ایک اہم فائدہ یہ ہوگا کہ ابھی سے اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندوں کی محبت اُن کے دلوں میں راسخ ہوگی، اور آگے چل کر یہی عقیدت اُنہیں دین دار بنانے میں معاون بنے گی۔

اَفسوس ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں بچوں کی فکری نشو ونما میں بے احتیاطی عام ہے، چھوٹے چھوٹے بچے دل بہلانے کے لئے موبائل، ٹیلی ویژن یا کمپیوٹر پر کارٹونی فلمیں دیکھنے کے عادی بن جاتے ہیں، یا کچھ لکھنا پڑھنا آ گیا تو کارٹون والی کامکس پڑھنے میں وقت

گذاری کرتے ہیں، اور یہی مخرب اخلاق تصویریں اور مضامین اُن کے دل ودماغ میں جگہ بنا لیتے ہیں، اِس لئے ماں باپ اگر واقعۃً اپنے بچوں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کرنا چاہتے ہیں تو اُنہیں ایسے اخلاق سوز مناظر اور لٹریچر سے دور رکھنے کا بھرپور اہتمام کرنا چاہئے، اگر شروع ہی سے اِس جانب توجہ نہ دی گئی تو بعد میں اصلاح بہت مشکل ہوتی ہے۔

اور بچوں کی اصلاح جبھی ہوگی جب خود ماں باپ ایسے مشاغل سے دور رہیں، ورنہ خود اگر دور نہ رہیں گے تو بچوں پر روک ٹوک بھی نہ کر پائیں گے۔ آج کل کے بچے بالخصوص ہر معاملہ میں اپنے ماں باپ کی نقل اُتارنے کی کوشش کرتے ہیں، اچھے کاموں میں بھی وہ اُن کی پیروی کرتے ہیں اور برے کاموں میں بھی اُن کی اتباع کرتے ہیں؛ اِس لئے ماں باپ کو اَولاد کی خاطر ہی سہی اپنی اِصلاح سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔

بچوں کو نماز کی تاکید

جب بچے سات سال کی عمر کو پہنچیں تو اُنہیں نماز سکھانی چاہئے، والدین کو چاہئے کہ وہ بچوں کو وضو کرنا سکھائیں اور اپنے ساتھ نماز پڑھوائیں، اور رفتہ رفتہ ضروری قراءت اور نماز کے اَذکار یاد کرائیں، اور ہلکی پھلکی ترغیب دے کر نماز پڑھواتے رہیں، اور جب بچوں کی عمر دس سال کی ہوجائے تو اَب نماز نہ پڑھنے پر تادیب ضربی کا حکم ہے؛ تاکہ نماز کی اہمیت اور عظمت اُن کے دلوں میں جاگزیں ہو اور جب وہ بلوغ کی عمر میں پہنچیں تو پکے نمازی بن چکے ہوں۔ اِس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشَرِ سِنِيْنَ. (سنن أبي داؤد ۱/۷۰ رقم: ٤٩٥، سنن ترمذي ۱/۸۰ رقم: ٤٠٧، مشكوٰة شريف ۱/۵۸)

اپنے بچے بچیوں کو نماز کا حکم کرو، جب کہ اُن کی عمر سات سال ہو اور جب وہ دس سال کے ہوجائیں تو نماز نہ پڑھنے پر اُن کی پٹائی کرو۔

یہ مشاہدہ ہے کہ جس بچے کو بچپن سے نماز کی عادت پڑ جاتی ہے وہ مرتے دم تک نمازی رہتا ہے، اور بچپن میں اگر نماز کا عادی نہ بن پایا تو بعد میں نماز کی پابندی بڑی دشوار ہوتی ہے؛ اِس لئے حدیث شریف میں بطور خاص بچپن میں اس جانب توجہ مبذول کرنیکی تاکید کی گئی ہے، سبھی اہل اسلام کو اِس کا خیال رکھنا چاہیئے۔

بچوں کو صلحاء کا لباس پہنائیں

بچوں کے سلسلہ میں ایک اہم ہدایت یہ ہے کہ اُنہیں بچپن ہی سے صالحین اور نیک لوگوں کا لباس پہننے کا عادی بنایا جائے، بالخصوص بچیوں کا لباس پوری طرح ساتر ہو، اور جب وہ بڑی ہونے لگیں تو اوڑھنی یا دوپٹہ اُن کے سر پر ضرور ہو۔ افسوس ہے کہ اِس بارے میں آج اچھے اچھے دین دار گھرانوں میں بھی بڑی بے احتیاطی پائی جارہی ہے۔ آج کل بچوں کے سلے سلائے (ریڈی میڈ) کپڑے بازار میں دستیاب ہوتے ہیں، تو کسی تکلف کے بغیر وہی کپڑے بچوں اور بچیوں کو پہنائے جاتے ہیں، اُن میں سے بعض کپڑے تو اتنے بے ہودہ اور واہیات ہوتے ہیں کہ اُنہیں دیکھ کر ہی شرم آنے لگتی ہے، مگر کم عمری کا بہانہ بنا کر اُنہیں بلا کسی تردد کے پہنا دیا جاتا ہے، حالاں کہ اِس بے احتیاطی کا بدترین نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ بڑے ہو کر بچہ اسی غیر شرعی لباس کو اچھا سمجھنے لگتا ہے، اور بچیاں بڑے ہونے کے بعد بھی بے غیرتی والا لباس پہننے میں قطعاً شرم نہیں کرتیں۔ تو والدین کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اِس کوتاہی کی وجہ سے بچوں سے جو بھی گناہ صادر ہوگا، والدین سے بھی آخرت میں اُس کا مؤاخذہ کیا جائے گا۔

دینی واَخلاقی تربیت

ضروری ہے کہ جیسے جیسے بچوں میں شعور آتا جائے، اُن کی ذہنی وفکری بہترین تربیت کی جاتی رہے۔ خاص کر عقیدۂ توحید اُن کے ذہنوں میں راسخ کیا جائے، اور یہ یقین ہر بچے کے دل میں بٹھایا جائے کہ کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، جو بھی ہوتا ہے اُسی کے حکم سے

ہوتا ہے، اور وہ بالکل یکتا اور اکیلا ہے، اُس کا کسی بھی درجہ میں کوئی ساجھی اور شریک نہیں ہے۔

چناں چہ بعض روایات میں ہے کہ خانوادۂ نبوت میں کوئی بچہ جب بولنے کے قابل ہوتا، تو اُسے پیغمبر علیہ السلام یہ قرآنی آیت سکھایا کرتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا. (بنی اسرائیل: ۱۱۱، مصنف ابن أبي شيبة وغيره، بحوالہ: بچوں کے احکام ومسائل ۲۶۷ مولانا فیصل ندوی)

ہر طرح کی تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا، اور جس کی حکومت میں کوئی ساجھی نہیں ہے، اور احتیاج کی بنا پر اُس کا کوئی مددگار نہیں ہے (وہ مخلوق سے بالکل بے نیاز ہے) اور اے پیغمبر علیہ السلام! آپ اللہ تعالیٰ کی خوب بڑائی بیان فرمایئے۔

اِسی طرح سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما- جو پیغمبر علیہ السلام کے چچازاد بھائی اور نوعمر صحابہ میں سے ہیں- وہ خود فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی سواری پر سوار تھا، تو پیغمبر علیہ السلام نے مجھ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: ’’پیارے لڑکے! میں تم کو چند باتیں سکھاتا ہوں، اُنہیں یاد رکھو‘‘۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا:

اِحْفَظِ اللّٰهَ یَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰی أَنْ یَنْفَعُوْكَ بِشَیْءٍ لَمْ یَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی أَنْ یَّضُرُّوْكَ بِشَیْءٍ

اللہ کے احکام کی حفاظت کرو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں تمہاری حفاظت فرمائیں گے، اور اللہ کے حقوق کی پاس داری کرو تو تم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے پاؤ گے، اور جب تم مانگو تو اللہ سے مانگا کرو، اور جب تم مدد چاہو تو اللہ سے مدد چاہا کرو، اور اچھی طرح جان لو کہ اگر مخلوق تمہیں نفع پہنچانے پر متفق ہو جائے تو تمہیں صرف اُسی قدر نفع پہنچائے گی جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ

لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجُفَّتِ الصُّحُفُ. (سنن الترمذي / أبواب صفة القيامة رقم: ٢٥١٦)

دیا ہے، اور اگر سب لوگ تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو صرف اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حد تک ہی نقصان پہنچا پائیں گے، اور قلم اُٹھائے جاچکے اور صحیفے خشک ہوچکے ہیں۔

واضح ہو کہ یہ گفتگو کسی بڑی عمر کے شخص سے نہیں ہورہی؛ بلکہ ایک بہت کم عمر صحابی - جو غالباً اُس وقت صرف ۹ / یا ۱۰ / سال کے ہوں گے - سے ہورہی ہے۔ جس سے یہ سبق ملا کہ ہمیں بچوں کے سامنے اپنے بنیادی عقائد مضبوطی کے ساتھ پیش کرنے چاہئیں؛ حتیٰ کہ تقدیر کے بارے میں بھی اُن کے دل میں کامل یقین پیدا کرنا چاہئے۔ بچپن میں اگر یہ عقیدے راسخ ہوجائیں گے، تو اِن شاء اللہ مرتے دم تک وہ ایمان پر ثابت قدم رہیں گے، اور ناموافق ماحول اُن پر اثر انداز نہ ہوگا۔

اِیمانیات کے ساتھ ساتھ بچوں کے دلوں میں سرورِ عالم، محبوبِ کائنات، سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت ومحبت بھی جاگزیں کرنی چاہئے۔ اور اُس کی تدبیر یہ ہے کہ اُن کے سامنے بکثرت سیرتِ نبوی کے واقعات اور انبیاء سابقین کے حالات کا تذکرہ کیا جائے، عموماً بچوں کو قصوں کہانیوں سے دلچسپی ہوتی ہے، تو اُن کے سامنے سیرتِ طیبہ کے دلچسپ واقعات کا آسان انداز میں مذاکرہ کیا جائے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے وہ واقعات جو قرآنِ کریم میں مذکور ہیں، اُن کو بار بار سنایا جائے، اور سبھی صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی محبت وعقیدت دل میں بسائی جائے، اور اَولیاء اللہ کے احترام کا جذبہ بھی بیدار کیا جائے۔ اگر دل میں اہل اللہ کی عظمت رہے گی تو آگے چل کر یہ بچے بہت سی گمراہیوں اور فاسد افکار سے محفوظ رہیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

نیز کوشش کرنی چاہئے کہ بچوں کو علماء اور اہل اللہ کی مجلس میں لے کر جائیں؛ تاکہ اُنہیں اَولیاء اللہ کی صحبت اور برکتیں حاصل ہوں، اِس سے خود بخود بچوں کے دل میں اہل دین کی

عظمت قائم ہوگی، جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جائے گی۔ ہم نے یہ دیکھا ہے کہ جو لوگ اَکابر اہل اللہ سے تعلق رکھتے ہیں یا اُن کے گھروں میں علماء اور اکابر کی آمد ورفت رہتی ہے، تو عموماً اُن کی نسلوں میں بھی دین داری کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں؛ بلکہ یہ تعلق بسا اَوقات اُن خاندانوں میں علومِ نبوت جاری ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

ذکر ودعا کی تعلیم

ایک اہم ہدایت یہ ہے کہ بچوں کو شروع ہی سے ذکر ودعا کا عادی بنانا چاہئے، آتے جاتے سلام کرنے کی تاکید، کھاتے پیتے وقت بسم اللہ پڑھنے کی عادت، استنجاء کے لئے جاتے اور آتے وقت کی دعا، کپڑا پہنتے وقت کی دعا، کوئی ہدیہ ملے تو ''جزاک اللہ'' کہنے کا اہتمام، اور اِس طرح کی اسلامی تہذیب کی باتیں بچپن ہی سے بچوں کے اندر نظر آنی چاہئیں، اِس سے غیر شعوری طور پر اِسلامی تمدنی اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے نواسے سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو باقاعدہ دعائے قنوت ''اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا فِیْمَنْ ھَدَیْتَ'' الخ سکھلائی تھی۔

(ابوداؤد شریف حدیث: ۱۴۲۵)

حالاں کہ سب کو معلوم ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی وفات کے وقت سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک کل ۸؍ سال کی تھی، تو آپ نے اُن کو دعائے قنوت یقیناً اِس سے پہلے ہی سکھلائی ہوگی۔ (بچوں کے احکام ومسائل ۲۸۰، مؤلفہ: مولانا فیصل احمد ندوی)

اِسی طرح سیدنا حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور بڑے کم عمر صحابی تھے، اُن سے صحیح روایت میں مروی ہے کہ موصوف نماز کے سلام پھیرنے کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے:

لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَـهٗ، لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ	اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں، حکومت اُسی کی ہے، اور ہر

عَلٰی کُلِّ شَيْءٍ قَدِیْرٌ. لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ إِلَّا بِاللّٰہِ، لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ، وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِیَّاہُ، لَہُ النِّعْمَۃُ وَلَہُ الْفَضْلُ وَلَہُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ، لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ، وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ.

(صحیح مسلم رقم: ٥٩٤)

طرح کی تعریف کا وہی مستحق ہے، اور وہ ہر بات پر قادر ہے۔ طاقت وقدرت صرف اللہ ہی کے ذریعے ہے، اُس کے علاوہ کوئی حاکم نہیں، اور ہم صرف اُسی کی عبادت کرتے ہیں، ہر نعمت اور فضل وکرم اور بہترین تعریف اُسی کے لئے خاص ہے، اُس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہم سب اِخلاص کے ساتھ اس کے تابع دار ہیں؛ اگرچہ کافروں کو برا لگے۔

اور فرمایا کرتے تھے کہ ''حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد اِن کلمات کا وِرد فرماتے تھے''۔ (مسلم شریف حدیث:۵۹۴)

اَب آپ اندازہ لگائیں کہ جب کوئی شخص اِن کلمات کو ذہن نشیں رکھے گا، اور ہر نماز کے بعد اِن کو دوہرائے گا، تو اُس کا اِیمان کس قدر مضبوط ہوگا؟

بچوں کی اخلاقی تربیت

ابتدائی شعور کا زمانہ بہت نازک ہوتا ہے، اس میں عقل پختہ نہیں ہوتی، اور جسمانی تبدیلیوں اور جذبات کا ظہور ہوتا ہے، اگر اس وقت میں بچوں کی اچھی طرح نگرانی نہ کی گئی تو بعد میں اس کے بڑے خطرناک نتائج برآمد ہوتے ہیں؛ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں دس سال کی عمر ہونے پر سختی سے نماز کی تاکید کرنے کا حکم دیا ہے وہیں یہ بھی فرمایا کہ:

وَفَرِّقُوْا بَیْنَہُمْ فِي الْمَضَاجِعِ.

اور بچوں کے بستر الگ الگ کردو۔

(سنن ابوداؤد ۱/۷۰ رقم: ٤٩٥، مشکوٰۃ ۱/۵۸)

شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ دس سال کی عمر کے بعد ہر بچے بچی کا بستر الگ کردینا چاہئے، حدیث کا مقصود صرف یہی نہیں کہ بچے الگ لیٹیں اور بچیاں الگ سوئیں؛ بلکہ ہم عمر

لڑکے اور ہم عمر لڑکیاں بھی ایک بستر پر نہ سویا کریں؛ اس لئے کہ اس عمر میں بے خیالی میں بھی لپٹنا چمٹنا اخلاق پر نہایت برا اثر ڈالتا ہے۔

افسوس ہے کہ آج کل عموماً رہائش گاہوں کی تنگی کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پاکیزہ اور مفید ہدایت پر عمل نہیں کیا جاتا، پھر بھی حتی الامکان اس پر عمل کی کوشش کرنی چاہئے، کم ازکم ہر بچے کا لحاف اور چادر تو یقیناً الگ ہونا چاہئے، اور باشعور بچے بچیاں ایک لحاف میں ہرگز نہ سویا کریں۔

نیز قرآنِ کریم میں یہ بھی حکم دیا گیا کہ گھر میں میاں بیوی کے خلوت کے اَوقات میں باشعور بچے بلااِجازت کمرے میں نہ جایا کریں، اِس کا تعلق بھی اخلاقی تربیت سے ہے۔ چناں چہ فرمایا گیا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْکُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ، مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَکُمْ مِنَ الظَّھِیْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ، ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّکُمْ، لَیْسَ عَلَیْکُمْ وَلَا عَلَیْھِمْ جُنَاحٌ بَعْدَھُنَّ، طَوّٰفُوْنَ عَلَیْکُمْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ، کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ. وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْکُمُ الْحُلُمَ فَلْیَسْتَاْذِنُوْا	اے ایمان والو! تمہارے غلام باندیاں اور وہ بچے جو ابھی بالغ نہیں ہوئے ہیں، وہ تمہارے پاس تین وقتوں میں اِجازت لے کر ہی آیا کریں (۱) فجر کی نماز سے پہلے (۲) اور جس وقت تم دوپہر میں کپڑے اُتار کر رکھ دیتے ہو (۳) اور عشاء کی نماز کے بعد، یہ تین اَوقات تمہارے بدن کے کھلے رہنے کے ہیں (البتہ) اِن اَوقات کے علاوہ میں تم پر اور اُن (بچوں اور باندیوں وغیرہ) پر (آنے جانے میں) حرج نہیں ہے، وہ تم پر ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہی ہیں، اِسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے باتیں کھولتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سب

كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ، كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيَاتِهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. (النور: ۵۸-۵۹)

کچھ جاننے والے اور حکمت والے ہیں۔ اور جب بچے بلوغ کی حد کو پہنچ جائیں تو وہ اِسی طرح اِجازت لیا کریں جیسے کہ وہ لوگ اِجازت لیتے ہیں جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے (یعنی عام لوگوں کی طرح) یوں ہی اللہ تعالیٰ تم پر اپنی باتیں کھول کھول کر سناتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے حکمت والے ہیں۔

اِس آیت مبارکہ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ بے حجابی کے اَوقات میں چھوٹے باشعور بچوں کو خلوت میں بلا اِجازت نہیں آنے دینا چاہئے؛ کیوں کہ اِس سے اَخلاقی خرابیاں پیدا ہونے کا شدید اندیشہ ہے۔ اور جب بچے بالغ ہوجائیں تو پھر اُنہیں اور زیادہ اِس بات کا اہتمام رکھنا چاہئے کہ کسی وقت بھی ماں باپ کے کمرے میں بلا اِجازت داخل نہ ہوں۔

اِس سے آپ شریعتِ اسلامیہ کی بے مثال پاکیزگی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

چھٹی فصل:

سچائی اور اَمانت داری کی تربیت

بچپن ہی سے بچوں کو سچ بولنے کا عادی بنانے کی کوشش ہونی چاہئے، اور اگر اُن سے کوئی جھوٹی بات صادر ہو تو اُس پر ایسی تنبیہ کرنی چاہئے کہ وہ آئندہ جھوٹ بولنے کی ہمت نہ کر سکیں: اِس لئے کہ سچائی وہ صفت ہے جو اِنسان کو دارین میں عزت عطا کرتی ہے، جب کہ جھوٹ بولنے سے آدمی بالآخر ذلیل ہوکر رہتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچائی کو اختیار کرنے اور جھوٹ سے بچنے کی نہایت تاکید فرمائی ہے۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا. وَإِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ؛ فَإِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا. (صحيح مسلم، أبواب البر والصلة / باب قبح الكذب وحسن الصدق وفضله رقم: ٢٦٠٧، مشكاة المصابيح ٤١٢/٢)

سچ کو اختیار کرو؛ اس لئے کہ سچ بولنا نیکی کی طرف لے جاتا ہے، اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے، اور آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کا متلاشی رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک اس کا نام صدیقین میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ سے بچتے رہو؛ اس لئے کہ جھوٹ فسق وفجور کی طرف لے جاتا ہے، اور فسق وفجور جہنم تک پہنچا دیتا ہے، اور آدمی برابر جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کو تلاش کرتا رہتا ہے، تا آں کہ اللہ کے یہاں اس کا نام جھوٹوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔

نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

تَحَرَّوُا الصِّدْقَ وَإِنْ رَأَيْتُمْ أَنَّ الْهَلَكَةَ فِيهِ، فَإِنَّ فِيهِ النَّجَاةَ. (الترغيب والترهيب مكمل ص: ٦١٦ رقم: ٤٤٤٣، بيت الأفكار)

سچ کو تلاش کرو؛ اگرچہ تمہیں اس میں ہلاکت معلوم ہو؛ اِس لئے کہ نجات اسی (سچ بولنے) میں ہے۔

تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ جھوٹے آدمی کا اعتماد لوگوں میں مجروح ہوجاتا ہے، اور لوگ اُسے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے، یہی وجہ ہے کہ اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹ سے زیادہ کوئی صفت ناپسند نہ تھی، اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی شخص کا جھوٹا ہونا معلوم ہوجاتا، تو جب تک وہ اچھی طرح توبہ نہ کرلیتا، آپ کا دل اُس کی طرف سے صاف نہ ہوتا تھا''۔ (الترغیب والترہیب مکمل ص: ۶۱۸ حدیث: ۴۴۶۵ بیت الافکار الدولیۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی اِرشاد ہے کہ ''مؤمن میں ہر صفت ہوسکتی ہے؛ لیکن وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا''۔ (یعنی اگر جھوٹا ہو تو اُس کے اِیمان میں نقص ہوگا) (رواہ مالک مرسلاً، الترغیب والترہیب مکمل ص: ۶۱۸ حدیث: ۴۴۵۸ بیت الافکار الدولیۃ)

اِس طرح کی اَحادیث بچوں کے سامنے بار بار ذکر کرنی چاہئیں؛ تاکہ اُن کے ذہن میں سچائی کی اہمیت اور جھوٹ کی برائی راسخ ہوجائے۔

ماں باپ بھی جھوٹ سے بچیں!

اور ماں باپ کو خود بھی خصوصاً بچوں کے ساتھ ہمیشہ سچائی ہی کا مظاہرہ کرنا چاہئے؛ کیوں کہ اگر والدین خود جھوٹ بولیں گے، تو اُن کی نصیحت کا بچوں پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ اِس سلسلے میں ایک نصیحت آموز واقعہ احادیث شریفہ میں موجود ہے، جو یاد رکھنے کے قابل ہے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارے مکان میں تشریف فرما تھے، میری والدہ صاحبہ نے (میری جانب بند مٹھی بڑھا کر) کہا کہ: ’’یہاں آؤ! میں تمہیں دوں گی‘‘ (جیسے مائیں بچے کو پاس بلانے کے لئے ایسا کرتی ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے والدہ سے اِرشاد فرمایا کہ: ’’تمہارا اِسے کیا دینے کا اِرادہ تھا؟‘‘ والدہ نے جواب دیا کہ ’’میں اِسے کھجور دینا چاہتی تھی‘‘۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ:

أَمَا إِنَّکِ لَوْ لَمْ تُعْطِهِ شَيْئًا کُتِبَتْ عَلَيْکِ کَذِبَةٌ. (رواه أبو داؤد رقم: ٤٩٩١، الترغيب والترهيب مكمل ص: ٦١٩، رقم: ٤٤٦٨ بيت الأفكار الدولية)

اگر تم اسے کوئی چیز نہ دیتیں تو تمہارے نامۂ اَعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ بہت سی ایسی باتیں جنہیں معاشرہ میں جھوٹ نہیں سمجھا جاتا ہے، اُن پر بھی جھوٹ کا گناہ ہوسکتا ہے۔ آج کل بچوں کو جھوٹی تسلیاں دینا اور جھوٹے وعدے کرنا ہر جگہ رائج ہے؛ حتیٰ کہ اِسے جھوٹ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ حالاں کہ اِرشادِ نبوی کے مطابق یہ بھی جھوٹ میں داخل ہے۔

جھوٹے قصے اور لطیفوں سے پرہیز

اِسی طرح بچے جب پڑھنے کے قابل ہوجائیں تو اُنہیں جھوٹے قصے کہانیوں والی کتابیں پڑھنے سے بھی دور رکھنا چاہئے۔ مناسب ہے کہ ابتدائی عمر میں حضراتِ انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اَولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے حالات و واقعات پر مشتمل آسان کتابیں اور رسائل بچوں کو پڑھنے کے لئے دئے جائیں، اِس سے اُن کی بہترین تربیت بھی ہوگی، اور قدرتی طور پر اہل اللہ سے تعلق اور اُن کی عظمت دل میں بیٹھے گی۔

بالخصوص کچی عمر میں ہنسنے ہنسانے والے جھوٹے لطیفوں اور مزاحیہ کارٹونوں پر مشتمل لٹریچر سے بھی بچوں کو بچانا چاہئے، اور اُن کے ذہن میں یہ بات راسخ کرنی چاہئے کہ ہنسنے ہنسانے کے لئے بھی جھوٹ بولنا شریعت میں جائز نہیں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذاق میں بھی جھوٹ بولنے سے ممانعت فرمائی؛ بلکہ ایسے شخص کے لئے تین مرتبہ بددعاء فرمائی ہے۔

وَيۡلٌ لِّمَنۡ يُّحَدِّثُ فَيَكۡذِبُ لِيُضۡحِكَ بِهِ الۡقَوۡمَ، وَيۡلٌ لَهُ، وَيۡلٌ لَهُ. (رواه أبوداؤد رقم: ٤٩٩٠، مشكاة المصابيح ٤١٣/٢، الترغيب والترهيب مكمل ص: ٦١٩)

جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولے اس کے لئے بربادی ہو، بربادی ہو، بربادی ہو۔

اور سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ اِرشاد نقل فرمایا ہے کہ: ''کوئی شخص اُس وقت تک کمالِ ایمان حاصل نہیں کرسکتا؛ جب تک کہ مذاق (تک) میں جھوٹ بولنے اور جھگڑا کرنے سے باز نہ آجائے، اگرچہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو''۔ (الترغیب والترہیب مکمل ص: ۶۱۷ حدیث: ۴۴۵۴ بیت الافکار الدولیۃ)

اَمانت داری کی تاکید

اسی طرح بچوں کے اندر شروع ہی سے اَمانت ودیانت کی عادت ڈالنے کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ اگر بچپن سے اَمانت داری کا جذبہ نہ ہو، تو بعد میں مالی بے احتیاطی کے جراثیم اُن میں پروان چڑھنے لگتے ہیں، جو بڑھتے بڑھتے خیانت اور چوری تک پہنچ جاتے ہیں، اِس لئے اِس بارے میں بچوں کی سخت نگرانی کی ضرورت ہے، اُن کو سمجھانا چاہئے کہ اُنہیں جب بھی کسی کام کے لئے پیسے کی ضرورت ہو، تو وہ والدین سے اُس کا تذکرہ کریں، اور اُن کی اِجازت کے بغیر کہیں بھی رکھے ہوئے پیسوں کو ہرگز نہ اُٹھائیں۔ اِسی طرح گھر کے لوگوں کی جیبوں یا الماریوں کو نہ ٹٹولیں، اور دوسرے کی چیز اُس کی اِجازت کے بغیر ہرگز استعمال نہ کریں، اور جب اُنہیں پیسہ دے کر دوکان سے کوئی سامان لانے کے لئے بھیجا جائے تو واپسی پر اُن سے حساب ضرور لیا جائے، اگر اِس میں ڈھیل برتی جائے گی تو بچے کی عادت بگڑنے کا شدید اندیشہ ہے۔

(مستفاد: بچوں کے اَحکام ومسائل ۲۹۲ مولانا فیصل احمد ندوی)

خلاصہ یہ کہ بچپن ہی سے اگر بچے میں اَمانت کا جذبہ پیدا ہوگا تو وہ سچا مؤمن اور ایک باعزت انسان بن کر زندگی گذارے گا، اور سب کا حق اَدا کرنے والا ہوگا، اللہ کا بھی حق اَدا کرے گا اور بندوں کا بھی۔ اور اگر خدانخواستہ خیانت اور بددیانتی کی عادت پڑ گئی تو آگے چل کر ذلت ہی ذلت سے دوچار ہوگا۔

اِس سلسلے میں ایک نصیحت آموز واقعہ روایت میں وارد ہے کہ ابوالحوراء سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ کو حضرت (نانا جان) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات یاد ہے؟ تو سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''ہاں! مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ بچپن میں صدقہ کی کھجوروں میں سے گری ہوئی ایک کھجور میں نے اُٹھا کر منہ میں رکھ لی (اور بسا اَوقات بچے بے شعوری میں ایسا کر لیتے ہیں) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسے ہی نظر پڑی، آپ نے وہ کھجور میرے منہ سے نکال کر صدقہ کے ڈھیر میں ڈال دی، جب کہ وہ کھجور میرے لعاب سے تر ہو چکی تھی''۔ تو حاضرین میں سے کسی نے پوچھ لیا کہ: ''اِس ایک کھجور کے کھانے میں کیا حرج تھا؟'' یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ہم (خانوادۂ نبوت کے لوگ) صدقہ کا مال نہیں کھاتے''۔ اور فرمایا کہ پیغمبر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے:

دَعْ مَا يَرِيْبُكَ إِلىٰ مَا لَا يَرِيْبُكَ؛ فَإِنَّ الصِّدْقَ طَمَانِيْنَةٌ وَالْكِذْبَ رِيْبَةٌ. (المسند لإمام أحمد بن حنبل رقم: ١٧٢٣- ١٧٢٧، سنن الترمذي رقم: ٢٥١٨)

یعنی شک والی بات کو چھوڑ کر وہ کام کرو جس کی صحت میں کوئی شک نہ ہو؛ اِس لئے کہ سچائی سے قلبی اطمینان نصیب ہوتا ہے، اور جھوٹ شک اور بے اطمینانی کا سبب ہے۔

اِس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اَمانت داری کے بارے میں اَولاد کی تربیت کے متعلق پیغمبر علیہ السلام کس قدر اہتمام فرماتے تھے، بلاشبہ یہ ہم سب کے لئے بہترنمونہ ہے۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ”لَا إِیْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ“ (المسند للإمام أحمد بن حنبل ۱۳۳/۳ رقم: ۱۲٤۱، مشكاة المصابيح ۱۵) (یعنی جس آدمی کے دل میں امانت نہ ہو، وہ گویا مؤمن ہی نہیں ہے) اِس لئے ہمیں بھی اِس بارے میں فکرمند رہنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور ہماری نسلوں کو کامل طور پر امانت داری کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

بچوں کے دل کو حسد اور کینہ سے پاک رکھیں!

ابتدائی تعلیم کے دور میں بچوں کے اندر بسا اَوقات احساسِ کمتری کے جذبات پیدا ہوجاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اپنے ہم عمر ساتھیوں سے کینہ دل میں بٹھا لیتے ہیں، اور حسد اور جلن کے مرض کا شکار ہوجاتے ہیں۔ مثلاً: کسی بچے نے اچھی طرح سبق سنادیا، یا امتحان میں اچھے نمبر لے آیا، یا کھیل کود کے مقابلے میں آگے نکل گیا، تو دوسرے بچے خود محنت کر کے آگے بڑھنے کے بجائے کامیاب ہونے والوں سے حسد کرنے لگتے ہیں، جس کی وجہ سے دلوں میں دوریاں پیدا ہوتی ہیں، اور کبھی کبھار لڑائی جھگڑے کی بھی نوبت آجاتی ہے۔ ایسے مواقع پر والدین کو ہوش مندی کے ساتھ بچوں کی ذہن سازی کرنے کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ والدین کا فرض بنتا ہے کہ وہ بچے کو احساسِ کمتری سے نکالیں، اور اُس کے اندر آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کریں۔ اور کامیاب ہونے والے بچوں کی طرف سے اُس کا ذہن صاف کریں؛ بلکہ اُن کی قدر ومحبت اُس کے دل میں پیدا کریں، اور یہ سمجھائیں کہ آج اُنہوں نے محنت کر کے یہ مقام حاصل کیا ہے، اگر تم بھی اُن کی طرح پڑھائی پر توجہ دوگے اور محنت کروگے، تو کل تم بھی اُن سے آگے نکل سکتے ہو۔

الغرض ابھی سے بچوں کی ذہن سازی اور اُن کے دلوں کو صاف شفاف رکھنے پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر اپنے نوعمر خادم سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

يَا بُنَيَّ! إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ لَيْسَ فِيْ قَلْبِكَ غِشٌّ لِأَحَدٍ فَافْعَلْ - ثُمَّ قَالَ لِيْ -: يَا بُنَيَّ وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِيْ، وَمَنْ أَحْيَا سُنَّتِيْ فَقَدْ أَحَبَّنِيْ، وَمَنْ أَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيْ فِيْ الْجَنَّةِ. (سنن الترمذي / أبواب العلم رقم: ٢٦٧٨)

پیارے بیٹے! اگر ہوسکے تو تمہاری صبح اور شام اِس حالت میں گذرنی چاہئے کہ تمہارے دل میں کسی کی طرف سے کینہ کپٹ نہ ہو (حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اُس کے بعد آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا) کہ پیارے بیٹے! یہ (دل صاف رکھنا) میری سنت ہے، اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا، اُس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ قیمتی نصیحت فرمانا اِس بات کی واضح دلیل ہے کہ شروع ہی سے بچوں کی فکری تربیت کا اہتمام ہونا چاہئے؛ کیوں کہ ابھی سے یہ مزاج بنے گا تو آگے چل کر اُس کے مفید اثرات وثمرات ظاہر ہوں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

ساتویں فصل:

بچوں کی تادیب اور اُس کی حدود

بچپن کا زمانہ لاشعوری کا ہوتا ہے، اِس عمر میں بچوں کو اپنی اچھائی برائی کی کوئی پروا نہیں ہوتی، اور وہ ایک طرح سے آزادی اور لاپرواہی کی زندگی گذارنا پسند کرتے ہیں۔ اُن کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ہر فرمائش پوری کی جائے اور اُن کی کسی سرگرمی پر کوئی روک ٹوک نہ کرے، اِس لئے عمر کے اِس مرحلے میں والدین کی طرف سے بے جا نرمی اور حد سے زیادہ لاڈ اور پیار بچوں کے لئے تباہ کن ثابت ہوتا ہے، جس کی بنا پر بہت سے اخلاقی مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں، جو وقت کے ساتھ ساتھ طبعیت میں راسخ ہوتے چلے جاتے ہیں؛ لہٰذا والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اِس زمانے میں بچوں کی خیر خواہی اور ہمدردی سے کبھی غفلت نہ برتیں، اور شفقت کے ساتھ تادیب کا سلسلہ مسلسل جاری رکھیں۔

تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ والدین کا رویہ بچے کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر وہ سنجیدگی، وقار، خوش گفتاری اور بہترین حکمت عملی کے ساتھ بچوں کی تربیت پر توجہ دیں گے، تو ویسے ہی اثرات اُن میں ظاہر ہوں گے، اور وہ نصیحت قبول کرنے پر دل وجان سے آمادہ ہوں گے۔ اِس کے برخلاف معمولی بات پر ڈانٹ ڈپٹ، گالم گلوچ اور تحقیر وتذلیل بچوں کے لئے انتہائی مہلک ثابت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اُن میں باغیانہ جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ نہ تو بے جا نرمی مفید ہے اور نہ ہی حد سے زیادہ سختی کارآمد ہے؛ بلکہ درمیانی راستہ اپنانے کی ضرورت ہے، اور وہ یہ ہے کہ غلط باتوں پر روک ٹوک کا سلسلہ اور ہلکی پھلکی تادیب کا رعب بچوں پر برقرار رکھا جائے۔ اور ساتھ میں حسب موقع اُن سے شفقت ومحبت کا

اظہار بھی کیا جائے؛ تاکہ نہ تو وہ احساسِ کمتری کا شکار ہوں، اور نہ ہی غلط کام کرنے سے بے خوف ہوں۔ یہی اسلام کی حکیمانہ اور دانش مندانہ تعلیم کا خلاصہ ہے۔

تادیب کی ضرورت

بعض جدت پسندوں کی طرح اِسلام نہ تو تادیب ضربی کو بالکل ممنوع قرار دیتا ہے، اور نہ ہی اُس کی اتنی چھوٹ دیتا ہے کہ حدود کی رعایت نہ رکھی جاسکے؛ اِس لئے کہ انسانی فطرت اِس بات کی متقاضی ہے کہ سزا کے خوف کے بغیر غلط روی سے بچنا دشوار ہوتا ہے؛ لہٰذا مطلقاً سزا کی اہمیت کو ہرگز نظرانداز نہیں کیا جاسکتا، یہ معاشرے کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔

چناں چہ ایک طویل حدیث میں مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ نصیحت کرنے کی درخواست کی، تو آپ نے اُس کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں، پھر اخیر میں ارشاد فرمایا:

اَنْفِقْ مِنْ طَوْلِکَ عَلیٰ أَهْلِکَ، وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاکَ، أَخِفْهُمْ فِي اللّٰهِ. (رواه الطبراني في المعجم الأوسط ۵۸/۸، السنن الکبریٰ للبیهقي ۳۰٤/۷)

اپنی وسعت کے بقدر گھر والوں پر خرچ کرو، اور (اُن کو اَدب سکھانے کے لئے) اُن سے اپنی چھڑی مت ہٹاؤ، اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے اُنہیں ڈراتے رہو۔

اِس ارشادِ عالی کا مفہوم یہ ہے کہ اِنسان کو چاہئے کہ وہ اپنے بچوں پر اپنا رعب داب رکھے؛ تاکہ وہ غلطی، گناہ اور لغو مشاغل وحرکات کرنے میں جری نہ ہوجائیں؛ بلکہ اُنہیں یہ ڈر رہے کہ اُن کی غلط بات پر گرفت ہوگی۔

بلاشبہ بچپن کے لاشعوری کے زمانے میں والدین اور اولیاء کی سخت تربیت اور نگرانی آدمی کی اگلی زندگی میں کامیابی کے لئے انتہائی اَہمیت رکھتی ہے۔

تادیب وتنبیہ میں اعتدال

البتہ تادیب ضربی کے وقت چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

الف:- صرف واقعی غلطی پر ہی تنبیہ کی جائے، زبردستی غلطیاں نہ کریدی جائیں۔

ب:- بچے کی جسمانی حالت کی رعایت کرتے ہوئے تادیب کی جائے۔

ج:- چہرے پر نہ مارا جائے۔

د:- اتنی زیادہ زور سے نہ ماریں جس سے بدن پر نشان پڑ جائیں۔

ہ:- ایک ساتھ تین مرتبہ سے زیادہ نہ ماریں۔

و:- مارنے سے صرف تنبیہ مقصود ہو؛ غصہ اُتارنا اور انتقام مقصود نہ ہو۔

اگر مذکورہ بالا حدود کی رعایت رکھتے ہوئے تادیب کی جائے گی تو اُس کا بہتر اثر ظاہر ہوگا؛ لیکن اگر حد سے تجاوز کرتے ہوئے مار پیٹ کی عادت بنالی جائے، تو اِس کی وجہ سے بچوں میں اِصلاح کے بجائے بگاڑ کا اندیشہ پیدا ہوجاتا ہے، اور اُن میں سرکشی کے جراثیم پیدا ہونے لگتے ہیں۔

الغرض تعلیم وتربیت کی غرض سے حدود میں رہتے ہوئے تادیب ضربی کی اِجازت ہے؛ لیکن حد سے تجاوز ہرگز درست نہیں؛ بلکہ یہ بجائے خود ایک بڑا مفسدہ ہے۔

اَفسوس یہ ہے کہ بہت سے والدین اور اَساتذہ اِس معاملے میں نہایت بے اعتدالی کا مظاہرہ کرتے ہیں جو ہرگز مناسب نہیں۔ اِس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ بچوں میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے؛ بلکہ اہل مدارس اور علماء کی شبیہ بھی خراب ہوتی ہے؛ لہٰذا برائیوں پر تنبیہ اور اِصلاح تو ضرور ہونی چاہیے؛ لیکن حکمت عملی اور حسن تدبیر کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ (مستفاد: بچوں کے اَحکام ومسائل، مؤلفہ: مولانا فیصل احمد ندوی)

اہل مدارس سے متعلق چند پُرنور ملفوظات

اِس سلسلے میں عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند ملفوظات قابل ملاحظہ ہیں:

(۱) فرماتے ہیں: ’’آج ذراسی اور معمولی بات پر طلبہ کی سخت پٹائی ہوتی ہے، معلوم ہوتا

ہے کہ دشمن قبضہ میں آ گیا ہے، جس سے جی بھر کر انتقام لینا ہے۔

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ نے تو سبق یاد نہ ہونے پر بھی اُستاذ کے مارنے کو منع فرمایا ہے؛ چناں چہ خانقاہ میں سخت تاکید تھی کہ کوئی اُستاذ طالب علم کو نہ مارے، اس کی اطلاع تعلیم کے ذمہ دار کو دی جائے، وہ مناسب سزا تجویز کرے گا، اُستاذ کی طرف سے طالب علم کے دل میں اگر تکدر ہوگیا، تو پھر اُس کو فیض نہیں ہوسکتا، نیز بسا اَوقات (بلاوجہ) مارنے سے بھی اجتناب نہیں کرتے، حالاں کہ حدیث پاک میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے۔

مارنے والے اِس پر غور کریں کہ ہم اپنے بارے میں کیا چاہتے تھے، کیا طالب علمی کے زمانے میں ہماری بھی خواہش رہی ہے کہ روزانہ بدن پر چھڑیاں اور قمچیاں لگائی جائیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر شاگرد کے لئے کیوں پسند کیا جارہا ہے؟ حدیث پاک میں آیا ہے: ”**لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیْهِ مَا یُحِبَّ لِنَفْسِهٖ**“۔

یعنی اُس وقت تک کوئی کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اُس کے اندر یہ بات نہ ہو کہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے“۔ (آداب المعلمین ص:۱۳)

(۲) فرمایا: ”لڑکوں کو مارا نہ جائے، اس کو اکابر نے بالکل پسند نہیں کیا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بڑی تاکید کے ساتھ اس کی ممانعت کرتے تھے، شفقت اور محبت سے پڑھایا جائے، اس کا اثر بہت اچھا ہوتا ہے (طالب علم) ایک وقت میں اگر نہ سنا سکے تو دوپہر کی چھٹی صرف کھانا کھانے کی دی جائے، اس کے بعد پھر اس کو پڑھنے بٹھا دیا جائے، اس قسم کے کند ذہن لڑکوں کو بلا کر برابر سمجھایا جائے اور توجہ دلائی جائے کہ اچھی طرح محنت کرو، اس قسم کے لڑکوں کا حال مجھے بھی بتایا جائے، مشورہ سے جو کچھ طے ہو اُس پر عمل کیا جائے، مارنے سے ذہن اور دماغ پر بھی اثر پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں ان کے والدین نہیں، وہ مارے گئے تو ان کو کوئی تسلی دینے والا نہیں، اس میں ان کی طبعیت رنجیدہ ہوگی اور ایسی حالت میں سبق کیا یاد کریں گے؟ ہم ہی لوگ اُن کے سب کچھ ہیں، اَولاد کی طرح ان کو سمجھنا چاہیئے، اس کی بڑی ذمہ داری ہے۔ آخر قیامت میں ہم سب

سے بھی تو سوال ہوگا کہ اس ذمہ داری کو کس طرح پورا کیا، مدرسہ میں سب ہی کو محنت کرنی ہے اور اپنا کام سمجھ کر کرنا ہے"۔ (احقر صدیق احمد غفرلہ ۲۲/ذی قعدہ ۱۳۸۲ھ) (ماخوذ: تحفہ مدارس ۲۳۷-۲۳۸ مرتبہ: مفتی محمد زید صاحب مظاہری)

(۳) فرمایا: "اَساتذہ کو چاہیے کہ شاگردوں پر شفقت کریں، اور اُن کو اپنے بیٹوں کے برابر جانیں، غصہ اور طیش میں آ کر کبھی بچوں کو سزا نہ دیں؛ کیوں کہ کوئی حکیم غصہ میں بھرا ہوا مریض کے مرض کو ختم نہیں کرسکتا۔ غصہ میں دل قابو میں نہیں رہتا، جب اُستاذ کا دل ہی قابو میں نہیں تو وہ شاگرد کو کیسے اپنے قابو میں لاسکتا ہے؟ اِس میں تو اور خرابی کا اندیشہ ہے۔

تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ سخت کلمات کی بنسبت نرم کلمات زیادہ مؤثر ہوتے ہیں، یہ حماقت ہے کہ جس برتن میں آدمی کچھ ڈالنا چاہے پہلے ہی اُس میں سوراخ کردے، جب شاگرد کے دل کو اپنی سختی اور مار پیٹ سے چھلنی کردے گا تو اُس میں خیر کی بات کس طرح ڈال سکے گا۔

خوف دلانے اور دباؤ ڈالنے سے خواہ وقتی طور پر کام چل جائے؛ مگر یہ کامیابی عارضی ہوتی ہے، اور آج کل تو وقتی کامیابی بھی نہیں ہوتی؛ بلکہ ایک فتنہ کھڑا ہوجاتا ہے، جو اراکین اور ذمہ دار حضرات کے لئے انتہائی پریشانی اور مدارس کے لئے ناقابل تلافی نقصان کا باعث ہوتا ہے"۔ (آداب المعلمین بحوالہ: تحفہ مدارس ۲۴۴-۲۴۵)

بچوں کو کوسنے اور بددعا دینے سے بچیں!

بہت سے ماں باپ کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اَولاد کی طرف سے پیش آمدہ ناگوار باتوں پر فوراً کوسنے لگتے ہیں، اور بددعا دینے لگتے ہیں، تو یہ طریقہ ہرگز مناسب نہیں ہے؛ کیوں کہ بہت ممکن ہے کہ غصہ کے وقت میں کی گئی بددعا قبول ہوجائے، اور پھر والدین خود مصیبت میں پڑ جائیں، اور زندگی بھر اَفسوس کرتے رہیں، اِس لئے ایسے مواقع پر صبر وضبط اور تحمل و برداشت کا مظاہرہ ہونا چاہیے۔

ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نصیحت کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

لَا تَدْعُوْا عَلٰی أَنْفُسِکُمْ، وَلَا تَدْعُوْا عَلٰی أَوْلَادِکُمْ، وَلَا تَدْعُوْا عَلٰی أَمْوَالِکُمْ، لَا تُوَافِقُوْا مِنَ اللّٰہِ سَاعَةً یُسْئَلُ فِیْهَا عَطَاءٌ فَیَسْتَجِیْبَ لَکُمْ. (صحیح مسلم / حدیث جابر الطویل ۲/۴۱٦ رقم: ۲۰۰٦)

اپنے اور اپنی اَولاد اور اَموال پر بددعا مت کیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تمہاری بددعا اُس گھڑی میں واقع ہو، جس میں اللہ تعالیٰ سے جو بھی مانگا جائے وہ اُسے قبول فرمالیتا ہے۔

لہٰذا حتی الامکان بددعائیہ جملے زبان پر نہیں لانے چاہئیں؛ بلکہ ہمیشہ اَولاد کے لئے خیر کی دعائیں زبان پر رہنی چاہئیں، اَولاد کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے بہترین کردار سے والدین کی دعائیں سمیٹنے کی کوشش کرتے رہیں؛ کیوں کہ والدین کی مخلصانہ دعائیں اَولاد کے لئے سب سے بڑے سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اِرشاد فرمایا:

ثَلَاثُ دَعْوَاتٍ یُسْتَجَابُ لَهُنَّ لَا شَکَّ فِیْهِنَّ: دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ لِوَلَدِہٖ. (سنن ابن ماجة، کتاب الدعاء / باب دعوة المظلوم ودعوة الوالد ص: ۲۷۵ حدیث: ۳۸٦۲)

تین لوگوں کی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں، ان میں کوئی شک نہیں ہے: (۱) مظلوم کی بددعا (۲) مسافر کی دعا (۳) اور اَولاد کے حق میں والد کی دعا۔

اور ترمذی شریف کی روایت میں دُعَاءُ الْوَالِدِ عَلٰی وَلَدِہٖ کے اَلفاظ ہیں۔ (ترمذی شریف ۲/۱۲) یعنی اَولاد کے لئے والد کی بددعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

لہٰذا جہاں اَولاد کی سعادت مندی کا تقاضا ہے کہ وہ والدین کا دل خوش کرکے اُن کی

دعاؤں کا مستحق بنیں اور اُن کی بددعاؤں سے بچیں، وہیں والدین کی طرف سے ہمدردی اور خیرخواہی کا مقتضی ہے کہ وہ معمولی معمولی باتوں پر اَولاد کو کوسنے اور لعن طعن کرنے سے اجتناب کریں، گھر کا ماحول پرسکون بنائے رکھیں، چیخ پکار، گھن گرج اور بدزبانی سے بچتے ہوئے بچوں کی کردارسازی پر محنت کریں، اور ہمیشہ اُن کے حق میں دعاء خیر کرتے رہیں، تو یہ بچے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور بن جائیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی اَولادوں کو اَخلاقِ فاضلہ اور علم وعمل سے آراستہ فرمائیں اور ہر قسم کی بدخلقی اور بدعملی سے محفوظ رکھیں، آمین۔

آٹھویں فصل:

اہلِ تقویٰ کی پیشوائی کی دعا

اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی دعا کا ایک اہم جملہ یہ ہے کہ: ﴿وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ [الفرقان، جزء آیت: ۷٤] (یعنی اے اللہ! آپ ہمیں اہلِ تقویٰ کا اِمام اور پیشوا بنادیجئے) غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اِس دعائیہ جملے میں دو باتوں کی دعا مانگی گئی ہے:

(۱) اول یہ کہ ہماری نسلوں کے اَفراد اہلِ تقویٰ پر مشتمل ہوں۔

(۲) دوسرے یہ کہ خود ہمارا شمار بھی متقیوں میں ہو؛ اِس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ متقیوں کا پیشوا بھی متقی ہی ہوگا۔

اور یہ دونوں باتیں بہت اہمیت رکھتی ہیں، جن کی جانب ہر مسلمان کو پوری توجہ دینی چاہئے۔ اَولاً اَولاد کی دینی تربیت کی پوری فکر ہو، اور ساتھ میں خود بھی تقویٰ والی زندگی گذارنے کا بھرپور جذبہ ہو، اگر یہ جذبہ عام ہوگا تو اُمت کے اندر ہر سطح پر تقویٰ اور پرہیزگاری کے مناظر نظر آئیں گے، اور زندگی کا ہر شعبہ اِطاعتِ خداوندی اور اِتباعِ سنت کے نور سے منور ہو جائے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

تقویٰ کی حقیقت

تقویٰ کے حاصل معنی عموماً خشیت اور ڈرنے کے کئے جاتے ہیں، اور جب آدمی کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور اُس کی ناراضگی اور عذاب کا ڈر ہوتا ہے، تو وہ اُس کے احکامات کو پوری طرح بجالاتا ہے، اور نافرمانی سے بچنے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہے۔

اِسی پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے حضراتِ صحابہ کرامؓ اور اکابر علماء اور سلف صالحینؒ سے تقویٰ کے متعلق مختلف تعبیرات منقول ہیں، جن سے بڑی بصیرت حاصل ہوتی ہے، اور مختلف گوشے کھل کر سامنے آتے ہیں۔ تو اِس طرح کے چند ملفوظات برائے اِفادہ ذیل میں پیش کئے جارہے ہیں:

○ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: ''اَلتَّقْوىٰ تَرْكُ الْإِصْرَارِ عَلَى الْمَعْصِيَةِ وَتَرْكُ الْاِغْتِرَارِ بِالطَّاعَةِ''. (التفسير الكبير للرازي ٢٤/١) (تقویٰ کے معنی گناہ کی عادت چھوڑ دینا اور طاعت کے بجالانے پر دھوکے میں نہ رہنا ہے) یعنی متقی وہ ہے جو عبادت کرنے کے باوجود اپنے کو پارسا نہ سمجھے؛ بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف نظر رکھے۔

○ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کمالِ تقویٰ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''أَنْ يُطَاعَ فَلَا يُعْصىٰ وَأَنْ يُذْكَرَ فَلَا يُنْسىٰ، وَأَنْ يُشْكَرَ فَلَا يُكْفَرُ. (تفسير ابن كثير مكمل ص: ٢٥٤ دار السلام رياض) (تقویٰ کا حق یہ ہے کہ اللہ ہی کی اِطاعت کی جائے، اور نافرمانی نہ کی جائے، اور اُس کو یاد رکھا جائے بھلایا نہ جائے، اور اُس کا شکر ادا کیا جائے، ناشکری نہ کی جائے)

○ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِيْقَةَ التَّقْوىٰ حَتّٰى يَدَعَ مَا حَاكَ فِي الصَّدْرِ''. (صحيح البخاري، كتاب الإيمان / باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس) (اُس وقت تک آدمی تقویٰ کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا؛ جب تک کہ دل میں کھٹکنے والی بات کو نہ چھوڑ دے)

○ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے متقین کی تشریح کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا: ''اَلَّذِيْنَ يَحْذَرُوْنَ مِنَ اللّٰهِ عُقُوْبَتَهٗ فِيْ تَرْكِ مَا يَعْرِفُوْنَ مِنَ الْهُدىٰ، وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ فِي التَّصْدِيْقِ بِمَا جَاءَ بِهٖ''. (تفسير ابن كثير مكمل ص: ٣٧ دار السلام رياض) (متقی لوگ وہ ہیں جو ہدایت کی معروف باتیں چھوڑ دینے پر اللہ کی طرف سے مقرر کردہ

سزا سے ڈرتے رہتے ہیں، اور جس شریعت کو اللہ نے نازل فرمایا ہے اُس کی تصدیق کرنے میں اللہ کی رحمت کے اُمیدوار رہتے ہیں)

○ سیدنا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: "تَمَامُ التَّقْوٰی أَنْ تَتَّقِي اللّٰہَ حَتّٰی تَتْرُکَ مَا تَرٰی أَنَّہٗ حَلَالٌ خَشْیَۃَ أَنْ یَکُوْنَ حَرَامًا". (فتح الباري ۱/۶۷)

(تقویٰ کا کمال یہ ہے کہ تم اللہ سے اِتنا ڈرو کہ جس چیز کو تم حلال سمجھتے ہو، اُس کو اِس خطرے سے چھوڑ دو کہ وہ کہیں حرام نہ ہو)

○ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "اَلتَّقْوٰی أَنْ لَا تَخْتَارَ عَلَی اللّٰہِ سِوَی اللّٰہِ وَتَعْلَمَ أَنَّ الْأُمُوْرَ کُلَّھَا بِیَدِ اللّٰہِ". (التفسیر الکبیر للرازي ۱/۲٤) (تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ تم اللہ پر اللہ کے سوا کسی کو ترجیح مت دو، اور اِس بات کا یقین رکھو کہ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں)

○ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے: "اَلتَّقْوٰی أَنْ لَا یَجِدَ الْخَلْقُ فِي لِسَانِکَ عَیْبًا وَلَا الْمَلَائِکَۃُ فِي أَفْعَالِکَ عَیْبًا وَلَا مَلِکُ الْعَرْشِ فِي سِرِّکَ عَیْبًا". (التفسیر الکبیر للرازي ۱/۲٤) (تقویٰ یہ ہے کہ مخلوق تمہاری زبان میں کوئی عیب نہ پائے، اور فرشتے تمہارے کاموں میں کوئی خرابی نہ پائیں، اور مالک العرش رب العالمین کو تمہاری پوشیدہ زندگی میں کوئی قابل اعتراض چیز نہ ملے)

○ علامہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اَلتَّقْوٰی أَنْ تُزَیِّنَ سِرَّکَ لِلْحَقِّ کَمَا زَیَّنْتَ ظَاھِرَکَ لِلْخَلْقِ". (التفسیر الکبیر للرازي ۱/۲٤) (تقویٰ کا مقتضی یہ ہے کہ تم اپنی پوشیدہ زندگی کو اللہ تعالیٰ کے لئے اِسی طرح مزین کرو جیسا کہ ظاہری حال کو مخلوق کے لئے مزین کرتے ہو)

○ بعض علماء کا مقولہ ہے: "اَلتَّقْوٰی أَنْ لَا یَرَاکَ مَوْلَاکَ حَیْثُ نَھَاکَ".

(التفسیر الکبیر للرازي ۱/۲٤) (تقویٰ یہ ہے کہ تمہارا رب تمہیں اُس مقام پر نہ دیکھے جس سے

اُس نے تمہیں منع کیا ہے)

○ بعض حضرات نے متقی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: "اَلْمُتَّقِي مَنْ سَلَكَ سَبِيلَ الْمُصْطَفٰى، وَنَبَذَ الدُّنْيَا وَرَاءَ الْقَفَا، وَكَلَّفَ نَفْسَهُ الْإِخْلَاصَ وَالْوَفَاءَ، وَاجْتَنَبَ الْحَرَامَ وَالْجَفَاءَ". (التفسير الكبير للرازي ٢٤/١-٢٥) (متقی وہ ہے جو راہِ مصطفیٰ پر چلے، اور دنیا کو پس پشت ڈال دے، اور اپنے آپ کو اخلاص ووفا کا پابند رکھے، اور حرام اور ظلم وجفا سے بچتا رہے)

○ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اَلْمُتَّقِي مَنْ إِذَا قَالَ قَالَ لِلّٰهِ، وَمَنْ إِذَا عَمِلَ عَمِلَ لِلّٰهِ". (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي ١٥٧/١) (متقی وہ ہے جو اپنے قول وعمل میں اللہ تعالیٰ کی رضا پیش نظر رکھے)

○ شیخ ابوسلیمان الدارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اَلْمُتَّقُوْنَ الَّذِيْنَ نَزَعَ اللّٰهُ عَنْ قُلُوْبِهِمْ حُبَّ الشَّهَوَاتِ". (الجامع لأحكام القرآن الكريم للقرطبي ١٥٧/١) (متقی لوگ وہ ہیں جن کے دلوں سے اللہ تعالیٰ نے لذات وشہوات کی محبت نکال دی ہے)

○ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تقویٰ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اَلْمُرَادُ بِالتَّقْوٰى وِقَايَةُ النَّفْسِ عَنِ الشِّرْكِ وَالْأَعْمَالِ السَّيِّئَةِ وَالْمُوَاظَبَةُ عَلَى الْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ". (فتح الباري ٦٦/١) (تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ شرک اور برے اعمال سے نفس کو محفوظ رکھا جائے، اور نیک اعمال کی پابندی کی جائے)

○ علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اَلتَّقْوٰى فِي تَعَارُفِ الشَّرْعِ حِفْظُ النَّفْسِ عَمَّا يُؤْثِمُ وَذٰلِكَ بِتَرْكِ الْمَحْظُوْرِ وَيُتِمُّ ذٰلِكَ بِتَرْكِ بَعْضِ الْمُبَاحَاتِ". (عمدة الحفاظ فى تفسير اشرف الالفاظ ٦٤٠ دار السعيد استنبول) (شریعت کے عرف میں تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ نفس کو گناہ والے کام سے محفوظ رکھا جائے، اور یہ بات تمام منہیات کو چھوڑنے سے حاصل ہوتی ہے، اور اِس کی تکمیل بعض مباحات کو چھوڑنے سے ہوتی ہے)

○ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے بہت جامع اَنداز میں تقویٰ کا مفہوم بیان فرمایا ہے کہ: "فَحَاصِلُ التَّقْوٰی اَلْاِھْتِمَامُ وَحَاصِلُ الْاِسْتِغْنَاءِ عَدَمُ الْاِھْتِمَامِ". (بیان القرآن مکمل ۳/۱ حاشیہ) (تقویٰ کا حاصل (شریعت پر چلنے کا اہتمام کرنا ہے، اور اِس کے بالمقابل استغناء کا مطلب (شریعت سے) لاپرواہی برتنا ہے)

ایک مثال سے تقویٰ کی وضاحت

بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا حضرت ابیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کی حقیقت کے بارے میں دریافت فرمایا، تو سیدنا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: "حضرت! کیا آپ کبھی کانٹے دار راستے سے گذرے ہیں؟ تو وہاں سے گذرتے وقت آپ نے کیا طریقہ اختیار فرمایا؟" اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "کپڑا اسمیٹ کر ڈرتے ہوئے گذرنا ہوا"، تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: "بس تقویٰ اِسی کا نام ہے" (کہ آدمی گناہوں کے کانٹوں سے اپنی زندگی کو بچا کر گذرے) (تفسیر قرطبی ۱/۱۵۷، تفسیر ابن کثیر مکمل ۳۷ دارالسلام ریاض)

اسی بات کو ایک شاعر "ابن المعتز" نے اِن اَشعار میں بیان کیا ہے:

خَلِّ الذُّنُوْبَ صَغِيْرَهَا ❖ وَكَبِيْرَهَا ذَاكَ التُّقٰى

وَاصْنَعْ كَمَاشٍ فَوْقَ اَرْ ❖ ضِ الشَّوْكِ يَحْذَرُ مَا يَرٰى

لَا تَحْقِرَنَّ صَغِيْرَةً ❖ إِنَّ الْجِبَالَ مِنَ الْحَصٰى

(تفسیر قرطبی ۱/۱۵۷، تفسیر ابن کثیر مکمل ۳۷ دارالسلام ریاض)

(۱) چھوٹے بڑے سب گناہوں کو چھوڑ دو؛ یہی تقویٰ ہے۔

(۲) اور وہی کام کرو جو کانٹے دار زمین میں چلنے والا کرتا ہے کہ وہ سامنے نظر آنے والی چیز (کانٹے) سے ڈرتا ہے۔

(۳) اور کسی بھی چھوٹے گناہ کو کم مت سمجھنا؛ کیوں کہ پہاڑ بھی تو کنکر ہی سے مل کر بنتے ہیں۔

حصولِ تقویٰ کے ۱۰ اَسباب

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے حصولِ تقویٰ کے لئے ۱۰ چیزوں کو لازمی قرار دیا ہے۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

''جب تک اِنسان اِن ۱۰ چیزوں کو اپنے اُوپر فرض نہ کرلے تب تک کامل ورع (وتقویٰ) حاصل نہیں ہوتا:

(۱) زبان کو غیبت سے بچائے (۲) بدظنی سے بچے (۳) مسخرہ پن یعنی ہنسی ٹھٹھے سے پرہیز کرے (۴) حرام سے آنکھ بند رکھے (۵) سچ بولے (۶) ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کا احسان جانے؛ تاکہ اُس کا نفس مغرور نہ ہو (۷) اپنا مال راہِ خدا حق میں خرچ کرے اور راہِ باطل میں خرچ کرنے سے بچے (۸) اپنے نفس کے لئے بلندی اور بڑائی طلب نہ کرے (۹) نمازوں کی محافظت کرے (۱۰) اہل سنت والجماعت (کے عقائد) پر اِستقامت اختیار کرے''۔

(مکتوباتِ امام ربانی مکتوب: ۶۶ جلد دوم، بحوالہ: تقویٰ اور اُس کے ثمرات/مضمون: مولانا مدثر جمال تونسوی جامعہ فاروقیہ کراچی)

تقویٰ کے ثمرات وفوائد

جس اِنسان کو تقویٰ کی دولت نصیب ہوجائے، وہ بلاشبہ سب سے خوش نصیب اِنسان ہے؛ کیوں کہ:

- تقویٰ کی بدولت اللہ تعالیٰ کی محبت کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔
- متقی شخص دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہوتا ہے۔
- متقی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت ہوتی ہے۔
- تقویٰ سے پریشانیوں سے نجات ملتی ہے۔
- تقویٰ سے دل میں نور آتا ہے۔
- تقویٰ سے شیطان کے مقابلے میں قوت حاصل ہوتی ہے۔

- تقویٰ والا راستہ روزی میں کشادگی اور وسعت کا سبب ہے۔
- متقی کو دشمنوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔
- تقویٰ اللہ کے مقرب بندوں اور اَولیاء اللہ کی امتیازی صفت ہے۔
- تقویٰ سے دنیا وآخرت میں عزت ملتی ہے۔
- تقویٰ اَعمال کے مقبول ہونے کا سبب ہے۔
- قیامت میں متقین سے تعلق کام آئے گا۔
- متقین کا ٹھکانا جنت ہے۔

اور اِس کے علاوہ بھی بہت سی بشارتیں قرآن وحدیث میں وارد ہیں۔

سیدنا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے یہ نصیحت آموز شعر منقول ہے:

يُرِيْدُ الْمَرْأُ أَنْ يُؤْتٰى مُنَاهُ ❖ وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا مَا أَرَادَا

يَقُوْلُ الْمَرْأُ فَائِدَتِي وَمَالِي ❖ وَتَقْوَى اللّٰهِ أَفْضَلُ مَا اسْتَفَادَا

(تفسیر قرطبی ۱/۱۵۷)

(۱) آدمی اپنی تمنائیں پوری کرنا چاہتا ہے؛ حالاں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اِرادے کے علاوہ کسی کی تمنا پوری نہیں فرماتے۔

(۲) آدمی کہتا ہے کہ یہ میرا نفع اور یہ میرا مال ہے؛ حالاں کہ اللہ سے ڈرنا اور تقویٰ اختیار کرنا یہی سب سے افضل اور نفع بخش فائدہ ہے۔

لہٰذا دارین میں سرخ روئی کے لئے خود اپنے اور اپنی اَولاد ومتعلقین کو متقی بنانے کی کوشش کرنی چاہیے، اور ہمیشہ زبان پر یہی دعا رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری نسلوں کو متقین میں شامل فرمائیں، آمین، برحمتک یا ارحم الراحمین۔

نویں فصل:

تقویٰ؛ بہترین زادِ راہ

اللہ سے ڈرتے ہوئے اور شرعی اَحکامات کی بجا آوری کرتے ہوئے زندگی گذارنا اِنسان کے لئے آخرت کے اعتبار سے سب سے بڑا توشہ اور زادِ راہ ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى. (البقرة، جزء آیت: ۱۹۷)

اور توشہ ساتھ لو: اِس لئے کہ بہترین توشہ پرہیز گاری (اور مخلوق سے بے نیازی) ہے۔

یہ آیت اگرچہ ایک خاص پس منظر میں نازل ہوئی؛ لیکن اِس کے عموم میں ہر سطح پر تقویٰ اور پرہیزگاری کا مفہوم بھی شامل ہے۔

خادمِ رسول سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم علیہ السلام کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! میں سفر کا اِرادہ کررہا ہوں، آپ مجھے بطور برکت توشہ سے نوازیئے!'' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے یہ دعا دی:

زَوَّدَکَ اللّٰهُ التَّقْوٰى ...... وَغَفَرَ ذَنْبَكَ ...... وَيَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ. (سنن الترمذي / أبواب الدعوات رقم: ۳٤٤٤، ومثله في سنن الدارمي رقم: ۲۷۱۳)

اللہ تعالیٰ تمہیں تقویٰ سے سرفراز فرمائیں، تمہارے گناہ معاف فرمائیں، اور تم جہاں بھی رہو تمہارے لئے خیر اور بھلائی آسان فرمائیں۔

بریں بنا ہر مسلمان کو تقویٰ کے حصول کے لئے بہرحال فکرمند رہنا چاہئے۔

اَحادیث شریفہ میں تقویٰ کی تاکید

متعدد اَحادیث شریفہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُمت کو تقویٰ والی زندگی اپنانے کی تاکید فرمائی ہے:

○ سیدنا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اُن سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا:

اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُ مَا کُنْتَ، وَاَتْبِعِ السَّیِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ. (سنن الترمذي، أبواب البر والصلة / باب ما جاء في معاشرة الناس رقم: ۱۹۸۷)

تم جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرتے رہو، اور گناہ کے بعد نیکی کرو، تو وہ نیکی گناہ کو مٹادے گی، اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

○ سیدنا حضرت یزید بن سلمہ جعفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ نبی اکرم علیہ السلام سے درخواست کی کہ ''اے اللہ کے رسول! میں آپ سے بہت سی باتیں سن چکا ہوں؛ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ میں اُن سب کو یاد نہ رکھ سکوں؛ اِس لئے آپ مجھے کوئی جامع نصیحت فرمادیجئے''۔ تو نبی اکرم علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا:

اِتَّقِ اللّٰہَ فِیْمَا تَعْلَمُ. (سنن الترمذي / أبواب البر والصلة رقم: ۲۶۸۳)

جو باتیں تمہارے علم میں ہیں اُن میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

یعنی اپنے علم کے مطابق اللہ کے فرائض بجالاؤ، اور منکرات ومعاصی سے دور رہو۔ (تحفۃ الاحوذی)

○ عبداللہ بن سفیان اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ''میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتادیجئے کہ اُس کے بعد مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہو''۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

اِتَّـقِ الـلّٰهَ ثُمَّ اسْتَقِمْ. (سنن الدارمي رقم: ۲۸۳۳) اللہ سے ڈرتے رہو، پھر اُسی پر جم جاؤ۔

یعنی تقویٰ کا صرف زبانی دعویٰ نہ ہو؛ بلکہ استقامت کے ساتھ اُس کے تقاضوں پر عمل کرتے رہو۔

❍ سیدنا حضرت ابوذرغفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''میں ایک ایسی آیت سے واقف ہوں کہ اگر سب لوگ اُس پر مضبوطی سے عمل کرلیں تو وہی اُن کے لئے کافی ہوجائے''۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! وہ کونسی آیت ہے؟'' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

وَمَـنْ يَّتَّـقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا. (الطلاق، جزء آیت: ، سنن ابن ماجة، کتاب الزهد / باب الورع والتقویٰ رقم: ۴۲۲۰) اور جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کے لئے راستہ کھول دیتے ہیں۔

تقویٰ موجب عزت ہے

❍ سیدنا حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

اَلْـحَسَـبُ: اَلْـمَـالُ وَالْـكَـرَمُ: التَّقْوىٰ. (سنن الترمذي رقم: ۳۲۷۱) دنیوی عزت کا سبب مال ہے، اور اصل شرافت: تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

یعنی عام طور پر دنیوی اعتبار سے جو چیز اِنسان کو عزت بخشتی ہے، وہ اُس کا مالدار ہونا ہے؛ حالاں کہ اللہ کے نزدیک وہی شخص عظیم المرتبت ہے، جو متقی اور پرہیزگار ہو، اور محض باپ دادا اور خاندان پر عزت کا مدار نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی تحت رقم: ۳۲۷۱)

❍ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن خطبہ اِرشاد فرمایا کہ:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَاظُمَهَا بِآبَائِكُمْ، فَالنَّاسُ رَجُلَانِ: رَجُلٌ بَرٌّ تَقِيٌّ كَرِيْمٌ عَلَى اللّٰهِ. وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيِّنٌ عَلَى اللّٰهِ. وَالنَّاسُ بَنُوْ آدَمَ، وَخَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ مِنْ تُرَابٍ. قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ: ﴿يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (سنن الترمذي / أبواب تفسير القرآن رقم: ٣٢٧٠)

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانۂ جاہلیت کے فخر وغرور اور آباء واَجداد کی بنیاد پر ایک دوسرے پر بڑائی کے اظہار کو مٹا دیا ہے۔ پس دنیا کے سبھی لوگ دو طرح کے ہیں: (۱) نیک اور متقی شخص جو اللہ کے نزدیک معزز ہے (۲) اور بدعمل بدنصیب شخص جو اللہ کے نزدیک بے حیثیت ہے۔ اور سب اِنسان آدم کی اَولاد ہیں، اور اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اِرشادِ خداوندی ہے: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہیں آپسی تعارف کے لئے مختلف قبیلوں اور خاندانوں میں بانٹ دیا ہے، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے قابل عزت وہ ہے جو تم میں سب سے بڑا متقی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا خبردار ہے۔

بلاشبہ یہ جامع خطبہ ہر مسلمان کو یاد رکھنا چاہئے، بطور خاص جو لوگ دنیوی اعتبار سے نسبی شرافت سے مالا مال ہیں، اُنہیں محض فخر ومباہات کے بجائے اس غیراختیاری نعمت پر شکر بجالاتے ہوئے تقویٰ والی زندگی ضرور گذارنی چاہئے؛ تاکہ وہ آخرت میں بھی سرخ روئی حاصل کرسکیں۔

تقویٰ؛ جنت میں داخلے کا بڑا سبب

○ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

سوال کیا گیا کہ: ''سب سے زیادہ کونسی صفت جنت میں داخلے کا سبب ہے؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

اَلتَّـقْوىٰ وَحُسْنُ الْخُلُقِ. (سنن ابن ماجة / كتاب الزهد رقم: ٤٢٤٦) پرہیزگاری اور اچھے اخلاق۔

یعنی تقویٰ سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے، اور حسن خلق سے بندوں کے دل میں محبت پیدا ہوتی ہے۔

سب سے اَفضل اِنسان

○ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسا آدمی سب سے اَفضل ہے؟ تو آپ نے اِرشاد فرمایا: ''کُـلُّ مَـخْـمُـوْمِ الْـقَـلْـبِ صَدُوْقِ اللِّسَانِ'' (ہر صاف دل اور زبان کا سچا) تو صحابہ نے عرض کیا کہ ''صدوق اللسان'' کو تو ہم نے پہچان لیا؛ لیکن ''مخموم القلب'' سے کون مراد ہے؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

هُوَ التَّقِيُّ النَّقِيُّ لَا إِثْمَ فِيْهِ وَلَا بَغِيَ وَلَا غِلَّ وَلَا حَسَدَ. (سنن ابن ماجة، كتاب الزهد / باب الورع والتقوىٰ رقم: ٤٢١٦) وہ متقی اور صاف ستھرا آدمی ہے، جس کی زندگی گناہ، ظلم، کینہ کپٹ اور حسد سے پاک ہو۔

یہی وہ بہترین صفات ہیں، جن سے اِنسان کو سربلندی نصیب ہوتی ہے۔

متقی لوگوں کو پیغمبر علیہ السلام کا قرب حاصل ہوگا

○ سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب نبی اکرم علیہ السلام نے یمن کے لئے روانہ فرمایا، تو آپ بذاتِ خود اُن کو مدینہ منورہ سے باہر تک پیدل رخصت کرنے کے لئے تشریف لے گئے؛ جب کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سواری پر سوار تھے، اور اِس دوران پیغمبر علیہ السلام

اُنہیں ہدایات دیتے رہے، پھر اخیر میں آپ نے یہ اِرشاد فرمایا کہ: ’’معاذ! شاید اِس سال کے بعد تم مجھ سے ملاقات نہ کر پاؤ گے، اور ممکن ہے کہ تمہارا میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے گذر ہو‘‘۔ یہ بات سن کر نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جدائی کے تصور سے سیدنا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بے اختیار رو پڑے، تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ منورہ کی طرف رخ کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِي الْمُتَّقُوْنَ مَنْ كَانُوْا وَحَيْثُ كَانُوْا. (المسند للإمام أحمد / مسند الأنصار، حديث معاذ بن جبلؓ رقم: ۲۲۰۵۲)

مجھ سے (آخرت میں) سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے، جنہوں نے تقویٰ والی زندگی گذاری ہوگی، چاہے وہ کسی بھی خاندان سے تعلق رکھتے ہوں یا کسی بھی علاقے کے رہنے والے ہوں۔

پیغمبر علیہ السلام کا یہ اِرشاد یقیناً محبانِ رسالت کے لئے بہت ہی عظیم بشارت ہے، جس کی قدر و قیمت کا اندازہ اَربابِ دانش ہی لگا سکتے ہیں۔

متقی لوگوں سے ربط وضبط رکھنے کی ہدایت

○ سیدنا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا، وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ. (سنن أبي داؤد / أول كتاب الأدب رقم: ٤٨٣٢)

تم صرف اِیمان والوں کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا کرو، اور تمہارا کھانا صرف متقی لوگ کھائیں۔

ساتھ رہنے اور کھانے پینے کا اَثر اِنسان کی طبعیت پر ضرور پڑتا ہے؛ اِس لئے ہدایت کی گئی کہ تمہارا رہن سہن اور کھانا پینا نیک اور متقی لوگوں کے ساتھ ہونا چاہئے؛ تاکہ طبعیت پر اچھے اثرات ظاہر ہوں۔

دسویں فصل:

ورع وتقویٰ کے تقاضے

تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی ہر اُس بات سے پرہیز کرے جس پر دل مطمئن نہ ہو؛ حتیٰ کہ بہت سی بظاہر جائز چیزوں سے بھی اِس خطرے سے دور رہے کہ کہیں وہ معصیت تک نہ پہنچادیں؛ چناں چہ سیدنا حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِرشاد فرمایا:

لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتّٰى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهٖ حَذَرًا لِمَا بِهِ الْبَأْسُ. (سنن ابن ماجة، کتاب الزهد / باب الورع والتقویٰ رقم: ٤٢١٥)

آدمی اُس وقت تک کامل متقی نہیں بن سکتا؛ جب تک کہ بظاہر جائز باتوں کو بھی ناجائز میں پڑنے کے خطرے سے نہ چھوڑ دے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”آدمی کو اُس وقت تک تقویٰ کی حقیقت حاصل نہیں ہوسکتی؛ جب تک کہ دل میں کھٹکنے والی بات کو نہ چھوڑ دے“۔ (صحیح البخاری، کتاب الایمان/ باب قول النبی بنی الاسلام علی خمس ۲۲/۱)

مشتبہ معاملات سے پرہیز

خاص طور پر آدمی کو ہر ایسے معاملے سے اجتناب کرنا چاہئے جس کی حلت وحرمت کے بارے میں اطمینان نہ ہو، اِس احتیاط کے بغیر آدمی کامل دین دار نہیں کہلایا جاسکتا۔ اِس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں انتہائی جامعیت کے ساتھ بنیادی

اُصولوں کو متعین فرما دیا ہے۔ سیدنا حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

إن الْحَلالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ إِسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ.

حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی ظاہر ہے، اور اِن دونوں کے درمیان مشتبہ اُمور ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے، پس جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچ گیا، اُس نے اپنا دین اور اپنی عزت بچالی اور جو شخص شبہ کی چیزوں میں پڑ گیا وہ حرام میں (بھی) پڑ جائے گا۔

كَالرَّاعِي يَرْعىٰ حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيْهِ، أَلا! وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمىً أَلا! وَإِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهُ.

جیسے کوئی چرواہا، اگر بادشاہ کی ممنوعہ چراگاہ کے قریب جانور چرائے تو عنقریب اُس کے جانور ممنوعہ علاقہ میں بھی چرنے چلے جائیں گے۔ خبردار رہو! ہر بادشاہ کا ممنوعہ علاقہ (حمی) ہوتا ہے، اللہ کا ممنوعہ علاقہ اُس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔

أَلا! وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلا! وَهِيَ الْقَلْبُ. (صحيح مسلم، كتاب المساقاة / باب: أخذ الحلال وترك الشبهات ٢٨/٢ رقم: ١٥٩٩ بيت الأفكار)

خبردار! اِنسان کے بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ درست ہے تو پورا بدن درست رہتا ہے، اور اگر وہ بگڑ جائے تو پھر پورا بدن بگڑ جاتا ہے۔ سن لو! یہ ٹکڑا اِنسان کا دل ہے۔

یہ حدیث شریف دین کی بنیادی اور اُصولی حدیثوں میں شمار ہوتی ہے، اِس کے مضامین اتنے جامع ہیں کہ بہت سے علماء نے اِس کو ایک تہائی دین، اور بعض نے ایک چوتھائی دین حتیٰ

کہ بعض علماء نے اِس کو تمام دینی اَحکامات کا جامع قرار دیا ہے۔ (تکملہ فتح الملہم ۱/۶۲۱، فیض القدیر ۳/۵۱۹، اکمال المعلم ۵/۲۸۴-۲۸۵)

اِس حدیث شریف کے تین اجزاء ہیں:

الف:- پہلے جزو میں حلال وحرام اور مشتبہ اَشیاء کا تذکرہ ہے۔

ب:- دوسرے جزو میں مشتبہ چیزوں سے بچنے کی اہمیت ایک مثال کے ذریعہ بیان کی گئی ہے۔

ج:- اور تیسرے جزو میں دل کے تزکیہ پر زور دیا گیا ہے۔

مناسب ہے کہ اِن تینوں اجزاء کی الگ الگ کچھ تشریح کردی جائے۔

مشتبہ اُمور کون سے ہیں؟

الف:- حلال اور حرام کا واضح ہونا تو ظاہر ہے، یعنی وہ اُمور کہ جن کی حلت وحرمت پر صراحۃً نصوص موجود ہیں، جیسے اَشیاءِ طیبہ کا حلال ہونا اور اَشیاء خبیثہ کا حرام ہونا، اَب اِن دونوں کے درمیان میں ایک درجہ مشتبہ ہونے کا ہے، یہ کون سا درجہ ہے؟ اِس سلسلے میں حضرات محدثین نے طویل بحثیں فرمائیں ہیں، جن کا خلاصہ ذیل میں درج ہے:

(۱) مسلم شریف کے اَولین شارح صاحبِ ''معلم'' علامہ مازریؒ نے اِرشاد فرمایا کہ: مشتبہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا جزئیہ پایا جائے جو ایک اعتبار سے حلت کی دلیل کے مشابہ ہو، اور دوسری طرف اس کا حرمت کی دلیل کے دائرہ میں آنے کا بھی امکان ہو، اور مبتلا بہ شخص کسی ایک جانب کو ترجیح دینے پر قادر نہ ہو۔

اِس کی مثال دیتے ہوئے علامہ موصوف نے فرمایا کہ مثلاً: حضرت اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ سمندر میں پایا جانے والا خنزیر حلال ہے یا حرام؟ تو آپ نے اِس سلسلے میں فتویٰ دینے سے توقف فرمایا، اور وجہ یہ تھی کہ آپ کے سامنے دو الگ الگ نصوص تھیں، ایک

طرف تو آیت: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ﴾ [المائدة، جزء آیت: ۳] (تم پر مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کو حرام کر دیا گیا) جس کے عموم میں پانی کے خنزیر کے شامل ہونے کا بھی امکان ہے۔ دوسری طرف آیت: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ﴾ [المائدة، جزء آیت: ۹۶] (اور تمہارے لئے حلال ہے سمندر کا شکار) سے اِس بات کا بھی امکان ہے کہ خنزیر سمندر کے دیگر جانوروں کے شکار کی حلت کے عمومی حکم میں شامل ہو، اور اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی واضح ترجیح کسی ایک جانب کی سامنے نہیں آئی، اِس لئے آپ نے اِس مسئلے میں توقف فرمایا۔

تو گویا کہ مشتبہ اُس حکم کو کہیں گے جس میں حلت وحرمت کے دلائل متعارض ہو جائیں اور متعلقہ شخص کسی ایک جانب کو ترجیح دینے سے عاجز رہ جائے۔ (اکمال المعلم ۲۸۵/۵-۲۸۶)

(تنبیہ:- واضح رہے کہ حنفیہ کے نزدیک مچھلی کے علاوہ دیگر دریائی جانور حلال نہیں ہیں)

(۲) اور دوسری توجیہہ یہ کی جاسکتی ہے کہ مسئلہ کا اصلی حکم تو معلوم ہو؛ لیکن اِس کے انطباق میں اشتباہ پیدا ہو جائے، مثلاً یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ انسان اپنی ملکیت کی چیز کو استعمال کرسکتا ہے، اور دوسرے کی چیز اُس کی اِجازت کے بغیر استعمال نہیں کرسکتا؛ لیکن بسا اَوقات کسی شئ کے بارے میں یہ تعیین دشوار ہو جاتی ہے کہ وہ اُس کے لئے حلال ہے یا نہیں؟

مثال کے طور پر ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بستر پر ایک کھجور پڑی پائی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس خطرے سے اُس کو نوش نہیں فرمایا کہ کہیں یہ صدقہ نہ ہو، جس کا استعمال آپ کے لئے حلال نہیں، تو اِس طرح کی مشتبہ چیزوں سے اجتناب ہی ورع وتقویٰ کی دلیل ہے۔

لیکن یہاں یہ ملحوظ رہے کہ یہ اشتباہ واقعی اور مبنی بر قرائن ہونا چاہئے، محض وہم اور ضعیف شبہ کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں۔ مثال کے طور پر کوئی شخص دنیا میں کسی عورت کو پیغام نکاح ہی

نہ دے، اِس خطرہ سے کہ کہیں وہ میری رضاعی بہن ہو، تو قرینہ کے بغیر اِس طرح کے شبہ کا اعتبار نہیں۔ (اکمال المعلم ۲۸۶/۵)

(۳) اور مشہور شارحِ حدیث علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے مشتبہ اُمور کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایسے احکامات ہیں، جن کا علم ہر ایک کو نہیں ہے، بعض لوگ اسے جانتے ہیں اور بعض نہیں جانتے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ خود اپنی ذات ہی سے مشتبہ ہیں؛ اِس لئے کہ شریعت میں ہر حکم کسی نہ کسی دائرہ میں ضرور بیان کردیا گیا ہے؛ البتہ یہ بیان دو طرح کا ہے:

(۱) ایک بیان جلی؛ جس کو ہر ایک سمجھ سکتا ہے۔

(۲) اور دوسرا بیان خفی؛ جسے بعض مخصوص علماء ہی سمجھ سکتے ہیں، اور اس کے ذریعہ اصل حکم تک پہنچ سکتے ہیں۔

اِس رائے کا حاصل یہ ہے کہ جب تک ناواقف شخص کسی مسئلہ کا شرعی حکم خود اپنی صلاحیت سے (جب کہ خود مجتہد ہو) یا دوسرے علماء سے پوچھ کر (جب کہ خود مجتہد نہ ہو) معلوم نہ کرے اُس وقت تک اُس کے لئے اس مسئلہ پر عمل کرنا جائز نہیں؛ بلکہ اُس سے اجتناب کرنا ضروری ہے، جب تک مسئلہ کے حکم پر شرح صدر نہ ہوجائے، اس پر عمل کرنے اور فتویٰ دینے کی اِجازت نہیں۔ حدیث کے اَلفاظ: ’’لَا یَعْلَمُهَا کَثِیْرٌ مِنَ النَّاسِ‘‘ سے بھی اِس کی تائید ہوتی ہے۔ (تکملہ فتح الملہم ۶۲۲/۱)

(۴) اور محدثِ کبیر حضرت اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شبہات سے مراد وہ تمام مجتہد فیہ اختلافی مسائل ہیں، جن میں اَئمہ کے درمیان حلت وحرمت کا اختلاف ہوا، ایسے مسائل میں مطلقاً ورع وتقویٰ واحتیاط اور اُس سے اجتناب اَولیٰ ہے، یعنی اگرچہ کسی مجتہد یا مقلد کے نزدیک کوئی جانب راجح ہو، پھر بھی اختلاف کی وجہ سے حلت پر عمل نہ کرنا اُس کے لئے اولیٰ ہے۔

اِس صورت کے اعتبار سے مشتبہ سے بچنے کا حکم بطور فتویٰ نہیں؛ بلکہ بطور تقویٰ ہے۔

(تکملہ فتح الملہم ۶۲۳/۱، فیض القدیر ۵۱۷/۳)

مشتبہ اُمور سے بچنا کب واجب ہوتا ہے اور کب مستحب؟

مشہور محقق اور شارحِ حدیث شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے مشتبہ اُمور سے بچنے کی شرعی حیثیت کے بارے میں اِرشاد فرمایا کہ: اِس حکم سے متعلق معلومات حاصل کرنے والا یا تو خود مجتہد ہوگا یا عامی شخص، اگر عامی شخص کے لئے اشتباہ کی صورت پیش آئے، تو اُس کی دو شکلیں ہیں:

(۱) یا تو اِس وجہ سے اشتباہ ہو رہا ہے کہ اُس نے اِس سلسلے میں کسی معتبر عالم سے تحقیق نہیں کی، تو ایسی صورت میں جب تک وہ تحقیق نہ کرلے اس مشتبہ معاملہ سے بچتے رہنا اُس پر لازم ہے۔

(۲) یا اشتباہ کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے اور فتاویٰ الگ الگ ہیں، تو ایسی صورت میں مشتبہ سے اجتناب اُس عامی کے لئے واجب تو نہیں؛ البتہ مستحب ضرور ہے۔

اور اگر اشتباہ کسی مجتہد کو پیش آئے تو اُس کی تین شکلیں ہیں:

(۱) یا تو اشتباہ اِس لئے پیش آیا کہ اس خاص مسئلہ میں اُس نے خود ابھی کوئی اجتہاد نہیں کیا، تو ایسی صورت میں اُس مجتہد اور عامی کا حکم برابر ہے، یعنی شرح صدر کے بغیر اُس پر عمل جائز نہیں۔

(۲) یا اِس اشتباہ کی وجہ یہ ہے کہ دلائل متعارض ہیں اور ترجیح دینے پر قادر نہیں، تو ایسی صورت میں اُس پر مشتبہ سے بچنا لازم اور واجب ہے۔

(۳) دلائل میں تعارض تو ہے؛ لیکن اُس کی نظر میں اِباحت کو ترجیح حاصل ہے، تو ایسی صورت میں اگرچہ وہ راجح مسئلہ پر عمل کرسکتا ہے؛ لیکن اولیٰ یہ ہے کہ وہ اس سے بھی اجتناب کرے۔ (تکملہ فتح الملہم ۱/۶۲۳)

درج بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جب تک کسی معاملے کے جائز ہونے پر پوری طرح اطمینان نہ ہوجائے، اُس کی طرف پیش قدمی نہیں کرنی چاہئے؛ اور حتی الامکان احتیاط سے کام لینا چاہئے؛ اِس لئے کہ مشتبہ چیزوں میں احتیاط نہ کرنا اِنسان کو حرام کے اِرتکاب تک

بآسانی پہنچادیتا ہے۔(آج کل رائج شیئر مارکیٹ یا ''بٹ کوئن'' وغیرہ کے مسائل میں بھی یہی تفصیل ملحوظ رہنی چاہیئے)

مثال کی وضاحت

ب:- اِس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آسان مثال پیش فرمائی۔ عرب میں یہ دستور تھا کہ بادشاہ اور شہر کے بااثر اُمراء اپنے جانوروں کی چراگاہ اپنے لئے الاٹ کر کے مخصوص کر لیتے تھے، اُن کے مخصوص علاقہ میں کسی دوسرے شخص کو اپنا جانور چرانے کی قطعاً اجازت نہ ہوتی تھی۔ اور اگر کوئی اِس کی ہمت کر لیتا تو اُس کو سخت سزا سے دوچار ہونا پڑتا تھا، اِس لئے دانش منداور عقل مند لوگ اُس علاقہ سے اپنے جانوروں کو بہت دور رکھا کرتے تھے کہ کہیں بے خیالی میں یہ جانور ممنوعہ علاقہ میں نہ چلے جائیں، اور جو شخص یہ احتیاط نہیں کرتا تھا اس کے جانور ممنوعہ علاقہ میں داخلے سے محفوظ نہیں رہ پاتے تھے، اور اسے سزا بھگتنی پڑتی تھی۔

اِس مثال کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما کر حلال اور حرام ومشتبہ چیزوں پر انطباق اِس طرح کیا کہ تمام ہی معاصی اور منکرات اور حرام معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممنوعہ علاقہ کے درجہ میں ہیں، اَب جو شخص اُن کے قریب جائے گا، یعنی مشتبہ چیزوں کو اختیار کرے گا، وہ رفتہ رفتہ حرام کا مرتکب بھی ہوجائے گا، مثلاً چوری کرنے والا پہلے چھوٹی چھوٹی چیزوں کی چوری کی عادت بناتا ہے، پھر آگے چل کر خطرناک ڈاکو بن جاتا ہے، اگر شروع ہی سے احتیاط کر لی جاتی، تو اگلے مرحلے کی نوبت نہ آتی۔

دل کی پاکیزگی کا اہتمام

ج:- حدیث کے تیسرے اور آخری جزو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنسان کے دل کی اہمیت اور اُس کے تزکیہ کی طرف توجہ دلائی ہے، انسان کے تمام اَعضاء اور جوارح

دل کے تابع دار ہوتے ہیں، جب دل اِرادہ کرلیتا ہے تو کوئی عضو اُس کے حکم کی تابع داری سے ہرگز انکار نہیں کرتا؛ لہٰذا دل کو ایسے سانچے میں ڈھالنے کی ضرورت ہے کہ وہ اعضاء وجوارح کو جو بھی حکم دے وہ رضائے خداوندی کے مطابق ہو، اگر دل میں صلاح پیدا ہوجائے گی، تو اِنسان کی پوری زندگی دائرۂ صلاح میں آجائے گی، اور اگر دل میں صلاح کا رجحان نہ ہو؛ بلکہ بے احتیاطی، لااُبالی پن؛ حتیٰ کہ بد دیانتی کے جذبات ہوں، تو پھر دیگر اعضاء کا سیدھے راستہ پر گامزن رہنا ممکن نہیں، گویا کہ دل کی بے راہ روی انسان کی پوری زندگی کو گمراہی کے راستے پر چلنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

تقویٰ کا تعلق دل سے ہے

واقعہ یہ ہے کہ ورع وتقویٰ کا تعلق اصل میں دلی کیفیت سے ہے، دل میں اگر خشیت خداوندی جاگزیں ہو، تو کیسے ہی ناموافق حالات ہوں، اِنسان برائی سے اپنے کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اور اگر دل کے اندر کھوٹ ہو تو برائی سے بچنا بہت دشوار ہے؛ جیسا کہ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمایا ہے کہ:

اَلتَّقْوىٰ هٰهُنَا، وَيُشِيْرُ إِلىٰ صَدْرِهٖ ثَلاثَ مَرَّاتٍ. وَفِيْ رِوَايَةٍ: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلىٰ أَجْسَادِكُمْ وَلَا إِلىٰ صُوَرِكُمْ؛ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلىٰ قُلُوْبِكُمْ، وَأَشَارَ بِأَصَابِعِهٖ إِلىٰ صَدْرِهٖ. (صحيح مسلم رقم: ٢٥٦٤)

آپ نے تین مرتبہ اپنے سینے کی طرف اِشارہ کرکے فرمایا کہ ”تقویٰ یہاں ہے“۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور صورتوں کو نہیں دیکھتے؛ بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتے ہیں، اور اپنی اُنگلیوں سے سینے کی طرف اِشارہ فرمایا۔

اِس لئے ہر مسلمان کو بہرحال اپنی دلی حالت کو درست رکھنے کی ضرورت ہے۔

”منجیات ومہلکات“

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

ثَلاثٌ مُنْجِيَاتٌ وَثَلاثٌ مُهْلِكَاتٌ. فَأَمَّا الْمُنْجِيَاتُ: فَتَقْوَى اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلانِيَةِ، وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِي الرِّضَا وَالسَّخَطِ، وَالْقَصْدُ فِي الْغِنٰى وَالْفَقْرِ. وَأَمَّا الْمُهْلِكَاتُ: فَهَوًى مُتَّبَعٌ، وَشُحٌّ مُطَاعٌ، وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ نَفْسَهُ، وَهِيَ أَشَدُّهُنَّ. (البيهقي في شعب الإيمان رقم: ٧٢٥٢، مشكاة المصابيح / باب الغضب والكبر ص: ٤٣٤)

تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین باتیں ہلاکت خیز ہیں۔ پس نجات دینے والی باتیں یہ ہیں: (۱) لوگوں کے سامنے اور تنہائی میں ہر جگہ اللہ سے ڈرنا (۲) خوشی یا ناراضگی میں بہرحال حق بات کہنا (۳) اور مال داری اور فقر میں میانہ روی اختیار کرنا۔ اور ہلاکت خیز باتیں یہ ہیں: (۱) خواہش کی پیروی (۲) ایسی لالچ اور حرص جس میں آدمی مغلوب ہوجائے (۳) اور اپنے آپ کو دوسروں سے اچھا سمجھنا۔ اور یہ صفت سب سے زیادہ نقصان دہ اور سخت ہے۔

بہرحال خلاصہ یہ کہ جب ہم اللہ تعالیٰ سے ''متقیوں کی اِمامت'' کی دعا کریں، تو ساتھ میں ہر اعتبار سے خود کو متقی بنانے کی فکر بھی کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، اور اِس قرآنی دعا کو پوری اُمت کی طرف سے قبول فرمائیں، آمین۔

سولھواں باب:

اُولٰٓئِکَ یُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَةَ بِمَا صَبَرُوۡا وَیُلَقَّوۡنَ فِیۡهَا تَحِیَّةً وَّسَلٰمًا ○ خَالِدِیۡنَ فِیۡهَا، حَسُنَتۡ مُسۡتَقَرًّا وَّمُقَامًا ○

[الفرقان: ٧٥-٧٦]

اِنعام واِکرام

پہلی فصل:

جنت میں مقرب بندوں کا اعزاز واکرام

’’عباد الرحمٰن‘‘ (اللہ کے خاص بندوں) کی اہم اِمتیازی صفات بیان کرنے کے بعد اَخیر میں اُن کے لئے آخرت میں عظیم الشان اعزاز واِکرام کا اعلان کیا جارہا ہے؛ چناں چہ اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿اُولٰٓئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَیُلَقَّوْنَ فِیْهَا تَحِیَّةً وَّسَلَامًا. خَالِدِیْنَ فِیْهَا، حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا﴾ [الفرقان: ۷۵-۷۶] (یعنی یہی لوگ ہیں جن کو (اَعمالِ صالحہ پر) صبر واِستقامت کی بدولت جنت کے بلند وبالا مکانات عطا کئے جائیں گے؛ جہاں اُن کا مبارک بادی اور سلامتی کے ساتھ استقبال ہوگا، جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، اور وہ بہترین مقام اور ٹھہرنے کی جگہ ہے)

قرآنِ کریم میں متعدد جگہوں پر جنت کے بالا خانوں کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے؛ چناں چہ سورۂ زمر میں اِرشادِ خداوندی ہے:

لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَبْنِیَّةٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، وَعْدَ اللّٰهِ، لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِیْعَادَ. (الزمر: ۲۰)	لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے، اُن کے لئے بالاخانوں پر بالاخانے بنے بنائے تیار ہیں، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتے۔

اور سورۂ عنکبوت میں اِرشاد فرمایا گیا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا، نِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ. (العنکبوت: ۵۸)

اور جو لوگ اِیمان لائے اور اُنہوں نے اچھے اَعمال کئے، تو ہم اُن کو یقیناً جنت کے بالاخانوں میں ٹھہرائیں گے، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے، نکوکاروں کا کیا ہی بہترین بدلہ ہے۔

اور سورۂ سبا میں اَعمالِ صالحہ کرنے والے مؤمنین کو یہ بشارت سنائی گئی:

وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ اٰمِنُوْنَ. (سباء: ۳۷)

اور تمہارے مال اور اَولاد ایسی چیز نہیں ہیں جو تم کو درجات کے اعتبار سے ہمارا مقرب بنادے؛ البتہ جو شخص اِیمان کے ساتھ اچھے اَعمال بجالائے، تو ایسے لوگوں کو اُن کے اَعمالِ صالحہ کی بدولت کئی گنا اَجر ملے گا، اور وہ جنت کے بالاخانوں میں آرام اور چین سے رہیں گے۔

اور اَحادیث شریفہ میں جنت کے بالاخانوں سے متعلق ناقابل تصور تفصیلات درج کی گئی ہیں؛ چناں چہ سیدنا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَتَرَاءَوْنَ أَهْلَ الْغُرَفِ مِنْ فَوْقِهِمْ كَمَا يَتَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ الدُّرِّيَّ الْغَابِرَ فِي الْأُفُقِ مِنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لِتَفَاضُلِ مَا بَيْنَهُمْ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! تِلْكَ مَنَازِلُ الْأَنْبِيَاءِ لَا يَبْلُغُهَا

جنتی حضرات آپس میں درجات کے فرق کے اعتبار نیچے سے بالاخانوں والے جنتیوں کو اِس طرح دیکھیں گے جیسے (دنیا میں) لوگ مشرق یا مغرب کے اُفق پر چمکنے والے ستارے کو دیکھتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا وہ (اُونچے بالاخانے) اَنبیاء علیہم السلام کی

غَيْرُهُمْ، قَالَ: بَلىٰ! وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ رِجَالٌ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَصَدَّقُوْا الْمُرْسَلِيْنَ. (صحيح البخاري رقم: ٣٢٥٦، صحيح مسلم رقم: ٢٨٣١)

قیام گاہیں ہوں گی؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیوں نہیں؟ اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ پر اِیمان لائے اور اُنہوں نے رسولوں کی باتوں کو تسلیم کیا تھا''۔

اور سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ''إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا تُرىٰ ظُهُوْرُهَا مِنْ بُطُوْنِهَا، وَبُطُوْنُهَا مِنْ ظُهُوْرِهَا'' (یعنی جنت میں کچھ بالاخانے ہیں، جن میں اندر سے باہر کا اور باہر سے اندر کا منظر نظر آتا ہے) گویا کہ وہ صاف شفاف شیشوں کے بنے ہوئے ہیں۔ یہ سن کر ایک دیہاتی شخص کھڑا ہوا، اور اُس نے عرض کیا کہ ''اے اللہ کے رسول! اِن بالاخانوں کا مستحق کون ہوگا؟'' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ، وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ، وَأَدَامَ الصِّيَامَ، وَصَلّٰى لِلّٰهِ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ. (سنن الترمذي، أبواب البر والصلة / باب ما جاء في قول المعروف رقم: ١٩٨٤، مشكاة المصابيح رقم: ١٢٣٢)

یہ (شیش محل) اُن خوش نصیبوں کو ملیں گے جو عمدہ گفتگو کرنے والے، کھانا کھلانے والے، روزہ رکھنے کے عادی، اور جب لوگ سوتے رہتے ہیں تو اُس وقت رات میں اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں۔

بہرحال جو لوگ اِیمان کے ساتھ صفاتِ حسنہ کو اپنائیں گے، اُن کو اللہ تعالیٰ آخرت میں نہایت عزت ووقار کے ساتھ ہر طرح کی نعمت اور راحت سے سرفراز فرمائیں گے، یعنی جن لوگوں نے دنیا میں ''رب چاہی'' زندگی گذاری ہوگی، اُن کو جنت میں ''من چاہی'' حیاتِ طیبہ نصیب ہوگی۔ اِرشادِ خداوندی ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

اللہ تعالیٰ نے مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ، وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ. (التوبة: ۷۲)

سے ایسی جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور ایسے شاندار اور بہترین قیام گاہوں کا وعدہ فرمایا ہے، جو ہمیشگی والی جنت میں ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی یہ سب سے بڑی نعمت ہے، اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

نیز اہل جنت کے اَحوال بیان کرتے ہوئے ''سورۃ الغاشیہ'' میں فرمایا گیا:

وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ. لِسَعْیِهَا رَاضِیَةٌ. فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ. لَّا تَسْمَعُ فِیْهَا لَاغِیَةً. فِیْهَا عَیْنٌ جَارِیَةٌ. فِیْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ. وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ. وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ. وَّزَرَابِیُّ مَبْثُوْثَةٌ. (الغاشیة: ۸-۱۶)

اُس دن کچھ چہرے بارونق ہوں گے، اور اپنے (نیک) اَعمال پر خوش ہوں گے، اُن کا قیام بلند وبالا جنت میں ہوگا۔ جہاں کوئی لغوبات نہ سنیں گے (کوئی شور شرابہ نہ ہوگا؛ بلکہ نہایت سکون کا ماحول ہوگا) اُس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے۔ اُس میں اُونچے اُونچے تخت ہوں گے، اور (سلیقے سے) رکھے ہوئے آب خورے (پیالے) ہوں گے، اور قرینے سے برابر لگے ہوئے گدے ہوں گے، اور ہر طرف (بہترین) قالین بچھے ہوں گے۔

الغرض ''رحمٰن کے خاص بندوں'' کے لئے ایسے شاندار انتظامات ہوں گے، جو دنیا میں رہتے ہوئے کسی کے خواب وخیال میں بھی نہیں آسکتے۔

ناقابل تصور نعمتیں

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

أَعْـدَدْتُّ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَا لَا عَيْـنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَـمِعَتْ وَلَا خَـطَـرَ عَلىٰ قَلْبِ بَشَرٍ، وَاقْرَءُ وْا إِنْ شِـئْـتُمْ: ﴿فَلَا تَـعْـلَمُ نَفْـسٌ مَا أُخْـفِـيَ لَهُـمْ مِـنْ قُـرَّـةِ اَعْـيُـنٍ﴾ (السجدة: ١٧، صحيح البخاري رقم: ٣٢٤٤، صحيح مسلم رقم: ٢٨٢٤، سنن الترمذي رقم: ٣١٩٧)

میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسے (شاندار) انتظامات کئے ہیں، جو کسی آنکھ نے دیکھے نہیں، کسی کان نے سنے نہیں، اور کسی اِنسان کے دل میں اُن کا خیال بھی نہیں گذرا، اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: (ترجمہ) ''پس کوئی نہیں جانتا کہ اُس کے لئے کیسے آنکھوں کی ٹھنڈک مخفی رکھی گئی ہے''۔

اور سیدنا حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اُس مجلس میں حاضر تھا، جس میں آپ نے جنت کی نعمتوں کا آخر تک ذکر فرمایا، اور اخیر میں اِرشاد فرمایا:

فِيْهَـا مَـا لَا عَيْـنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَـمِعَتْ وَلَا خَـطَـرَ عَـلىٰ قَلْبِ بَشَـرٍ. ثُـمَّ قَـرَأَ هَـاتَيْنِ الآيَتَيْنِ: ﴿تَتَجَافىٰ جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَـدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُـمْ يُنْفِقُوْنَ. فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِـمَـا كَـانُـوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (السجدة: ١٦-١٧، صحيح مسلم رقم: ٢٨٢٥)

اُس جنت میں وہ نعمتیں ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، اور کسی کان نے سنی نہیں، اور نہ ہی کسی اِنسان کے دل میں اُن کا خیال آیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو آیتیں پڑھیں: (ترجمہ) اُن کے پہلو خواب گاہوں سے جدا رہتے ہیں (راتوں میں عبادت کرتے ہیں) وہ اپنے رب کو عذاب کے ڈر اور رحمت کی اُمید میں پکارتے ہیں، اور ہم نے جو اُنہیں روزی دی اُس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں، تو ایسے لوگوں میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اُن کے لئے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک والی نعمتیں مخفی رکھی گئی

ہیں، یہ اُن کے نیک اَعمال کا بدلہ ہے۔

تو معلوم ہوا کہ خواہشوں کی تکمیل کی اصل جگہ صرف اور صرف جنت ہی ہے، جہاں جو چیز چاہیں گے وہ ضرور دستیاب ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

جنت میں اہل اِیمان کا استقبال

جنت میں داخلے کے وقت جنتیوں کا بہت ہی شاندار اِستقبال ہوگا، جس سے اُن کی مسرت میں مزید اِضافہ ہوجائے گا۔ قرآنِ کریم میں جگہ جگہ اِس استقبال کی منظرکشی کی گئی ہے۔ ''سورۂ حم السجدۃ'' میں ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ. نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ. نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ (حم السجدۃ: ۳۰-۳۲)

بے شک جن لوگوں نے یہ اِقرار کیا کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور پھر اُسی پر جم گئے (اِیمان کے تقاضوں کو بجالائے) تو اُن پر فرشتے اُتریں گے، اور کہیں گے کہ کچھ خوف اور غم مت کرو، اور اُس جنت کی بشارت قبول کرو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا، ہم دنیا میں بھی تمہارے ساتھ تھے اور آخرت میں بھی تمہارے حامی ہیں۔ اور تم کو جنت میں وہ سب کچھ ملے گا جو تمہارا دل چاہئے گا۔ اور وہاں وہ سب نصیب ہوگا جو تم مانگو گے، یہ رب غفور رحیم کی طرف سے میزبانی ہے۔

اور سورۂ یونس میں فرمایا گیا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَہۡدِیۡہِمۡ رَبُّہُمۡ بِاِیۡمَانِہِمۡ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہِمُ الۡاَنۡہٰرُ فِیۡ

بے شک جو لوگ اِیمان لائے، اور اُنہوں نے نیک اَعمال کیے، تو اُنہیں اُن کے اِیمان کی بدولت اُن کا رب منزل مقصود (جنت) تک

جَنّٰتِ النَّعِيمِ. دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. (یونس: ۹-۱۰)

پہنچائے گا، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ نعمت کے باغات میں (جنت کی شاندار نعمتیں دیکھ کر) وہ سبحان اللہ بول اُٹھیں گے، اور جنت میں اُن کی (آپس میں اور فرشتوں کی) ملاقات ''السلام علیکم'' کے ساتھ ہوگی، اور اُن کی گفتگو کا خاتمہ اس جملے پر ہی ہوگا کہ ''اصل خوبیاں تو صرف اللہ رب العالمین کو زیب دیتی ہیں''۔

اور سورۂ زمر میں اِس انداز میں منظر کشی کی گئی:

وَسِيقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا، حَتّٰى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِيْنَ. وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ. وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الزمر: ۷۳-۷۵)

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ہوں گے، اُنہیں مختلف جماعتوں کی شکل میں جنت تک لے جایا جائے گا؛ حتیٰ کہ جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے اور اُن کے لئے جنت کے دروازے کھول دئے جائیں گے، تو وہاں کے محافظ فرشتے اُن کی خدمت میں سلام عرض کریں گے، اور کہیں گے کہ تم پاکیزہ ہو؛ لہٰذا ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہوجاؤ۔ اور جنتی (جذبہ تشکر سے معمور ہوکر) کہیں گے کہ سب شکر اللہ تعالیٰ کا ہے، جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اور ہمیں جنت کی زمین کا مالک بنا دیا، ہم جنت میں جہاں چاہیں ٹھکانا بنالیں، سو محنت کرنے والوں کا کیا خوب بدلہ ہے، اور (اُس دن)

آپ فرشتوں کو عرشِ خداوندی کے اِرد گرد گھیرا بناتے ہوئے دیکھیں گے، وہ سب اپنے رب کی تسبیح وتحمید میں مشغول ہوں گے، اور (قیامت کے روز) سب (مخلوق) کے درمیان حق کا فیصلہ کردیا جائے گا، اور (ہر طرف) یہی گفتگو (اور گونج) ہوگی کہ حمد کا مستحق تو صرف اللہ تعالیٰ ہے، جو سب جہانوں کا پالنہار ہے۔

اور سورۂ رعد میں سچے مؤمنین اور زندگی کے ہر موڑ پر حق پر ثابت قدم رہنے والوں کو جنت کی عظیم بشارتیں سناتے ہوئے اِرشاد فرمایا گیا:

وَالْمَلآئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ. سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ. (الرعد: ٢٣-٢٤)

اور فرشتے اُن کے پاس ہر دروازے سے آتے ہوں گے (اور کہتے ہوں گے) تم اپنے دین پر اِستقامت کی وجہ سے ہمیشہ سلامتی میں رہو گے، سو یہاں پر تمہارا انجام بہت بہترین ہے۔

بلاشبہ اِن بشارتوں کو دیکھ کر اہل اِیمان کا حوصلہ بڑھتا ہے، اور جنت کے ذوق وشوق میں مزید اِضافہ ہوتا ہے۔

دوسری فصل:

جنت کی نعمتیں دائمی ہیں

اگر دنیا میں کسی جگہ ہر طرح کے اَسبابِ راحت بالفرض جمع بھی کر لئے جائیں، تو ایک وقت وہ ضرور آتا ہے جب اُن راحتوں کا تسلسل باقی نہیں رہتا، اور اُس کی متعدد وجوہات ہو سکتی ہیں۔ مثلاً:

الف:- اِنسان بیمار پڑ جائے۔

ب:- بڑھاپے کی وجہ سے نعمتوں سے فائدہ اُٹھانے کے قابل نہ رہے۔

ج:- یا اُس کی موت آ جائے۔

د:- یا راحت کی جگہ سے کسی وجہ سے نکلنا پڑ جائے۔ (جیسا کہ تفریح گاہوں میں ایک وقت تک کے لئے ہی فائدہ اُٹھانے کی اِجازت ہوتی ہے، اُس کے بعد نکال دیا جاتا ہے)

ہ:- اور یہ بھی بہت ممکن ہے؛ بلکہ مشاہدہ ہے کہ خود اَسبابِ راحت ایک مدت گذرنے کے بعد خراب اور بیکار ہو جاتے ہیں، وغیرہ۔

لیکن اللہ کی بنائی ہوئی جنت ایسی راحت کی جگہ ہے جہاں مذکورہ کسی بھی خطرے کا گذر نہیں ہے؛ اِس لئے کہ وہاں داخل ہونے والا کوئی شخص کبھی بیمار نہ ہوگا، وہ ہمیشہ جوان رہے گا، کبھی بوڑھا نہ ہوگا۔ اور کسی جنتی کو کبھی موت نہ آئے گی، اور نہ اُسے کبھی جنت سے نکالا جائے گا، اور جنت اپنی تمام نعمتوں کے ساتھ ہمیشہ تر و تازہ رہے گی، اُس میں پائے جانے والے اَسبابِ راحت اور وہاں کی زیب و زینت اور رونقوں میں کبھی بھی کوئی خلل نہ آئے گا۔ اِسی لئے اللہ

تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں جہاں جنت کا ذکر فرمایا، وہاں یہ بشارت بھی سنائی ہے کہ: ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا﴾ (یعنی جنتی تمام تر ظاہری و باطنی نعمتوں کے ساتھ ہمیشہ جنت میں رہیں گے) بلاشبہ یہ ''اعلانِ خلود'' اُن کے لئے مزید سکون اور اطمینان کا باعث بنتا رہے گا۔

''جنت'' سے بہتر کوئی رہنے کی جگہ نہیں

اور اِس میں ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ کائنات میں سب سے بہترین رہنے کا مقام صرف اور صرف ''جنت'' ہی ہے۔ اور بالخصوص ہر مسلمان کو اوّلین مرحلے میں جنت میں جانے کا بے انتہا شوق ہونا چاہئے۔ اور جس قدر یہ شوق ذہن و دماغ پر غالب ہوگا، اُتنا ہی نیک اَعمال کرنے پر طبعیت آمادہ ہوگی، اور آدمی دین کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار ہوجائے گا۔ اِسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت وضاحت کے ساتھ جنت کی لازوال نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

چند اَحادیث شریفہ کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

- جنت کے سو درجات ہیں، اور ہر ایک درجہ کے درمیان زمین وآسمان کے بقدر مسافت ہے۔ (بخاری شریف ۱/۳۹۱ حدیث: ۲۷۹۰)
- جنت کی خوشبو ۵۰۰/ سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے۔ (صحیح ابن حبان ۹/۲۳۹، الترغیب والترہیب مکمل ص: ۶۷۷ حدیث: ۵۵۶۲ بیت الافکار الدولیہ)
- جنت کی عمارتوں میں ایک اینٹ سونے اور ایک چاندی کی لگی ہے، اور اُن کا سیمنٹ مشک ہے، اور اُن کی کنکریاں ہیرے جواہرات کی ہیں، اور مٹی زعفران کی ہے، جو اُن میں داخل ہوجائے گا وہ کبھی پریشان نہ ہوگا، ہمیشہ مزے میں رہے گا، اور کبھی وہاں کسی کو موت نہ آئے گی، نہ کپڑے پرانے ہوں گے، اور نہ کبھی جوانی ختم ہوگی۔ (مسند احمد ۲/۳۰۵، الترغیب والترہیب مکمل ص: ۶۸۲ حدیث: ۵۵۹۱ بیت الافکار)
- ایک جنتی کو ایسا خیمہ عطا ہوگا جو صرف ایک خول دار موتی سے بنا ہوگا، جس کی لمبائی

چوڑائی ۶۰ رمیل کے بقدر ہوگی، اور اُس مؤمن کے متعدد گھر والے اُس میں مقیم ہوں گے، اُس خیمے کی وسعت کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکیں گے۔ (بخاری شریف ۲۴۲/۲، مسلم شریف ۳۸۰/۲، الترغیب والترہیب مکمل ص: ۷۸۳)

○ جنت میں ایک نہر ہے، جس کا نام ''کوثر'' ہے، اُس نہر کے کنارے سونے کے ہیں، اور اُس کی نالیوں میں ہیرے جواہرات بچھے ہوئے ہیں، اور اُس کی مٹی مشک سے زیادہ معطر اور اُس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور اولے سے زیادہ سفید ہے۔ (سنن ابن ماجہ حدیث: ۳۴، ترمذی شریف ۱۷۴/۲، الترغیب والترہیب ص: ۷۸۴ بیت الافکار الدولیہ)

○ جنت میں ایک درخت اتنا بڑا سایہ دار ہے کہ اگر کوئی تیز رفتار گھوڑ سوار سو سال تک متواتر دوڑتا رہے، پھر بھی اُس درخت کے سایہ کو قطع نہ کر سکے گا۔ (بخاری شریف ۲۴۲/۲، مسلم شریف ۳۷۸/۲، مسند احمد ۲۵۷/۲)

○ جنت کی عورتوں اور حوروں کے حسن و جمال کا عالم یہ ہے کہ اگر اُن میں سے کوئی عورت دنیا میں جھانک بھی لے، تو پوری زمین اُس کی بے مثال خوشبو سے معطر اور اُس کی روشنی اور چمک دمک سے منور ہو جائے، اور اُس عورت کی اوڑھنی کی قیمت تمام دنیا جہاں کی دولتوں سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ (بخاری شریف ۳۹۲/۱ حدیث: ۲۷۹۶)

○ جنت کی حوریں اپنے شوہروں کو نہایت شاندار انداز میں مسحور کن آواز میں گانے سنائیں گی اور حمد و ثنا اور شکر کے اَشعار اپنی خوب صورت آواز میں پڑھا کریں گی۔ (رواہ الطبرانی، الترغیب والترغیب ص: ۷۹۳ حدیث: ۵۶۶۵ بیت الافکار الدولیہ)

○ جنت میں ایک عظیم بازار ہوگا جہاں جنتی ہر ہفتہ جایا کریں گے، وہاں شمال کی طرف سے ایسی ہوائیں چلتی ہوں گی جن کی وجہ سے اُن جنتیوں کے حسن و جمال میں بے حد اِضافہ ہو جائے گا؛ چناں چہ جب وہ اپنے گھروں کو لوٹیں گے تو اُن کی بیویاں کہیں گی کہ آپ کے بازار جانے سے آپ کے حسن و جمال میں واقعی اِضافہ ہو گیا ہے، یہ سن کر وہ جنتی اپنی بیویوں کے بارے میں بھی یہی جملہ کہیں گے۔ (مسلم شریف ۳۷۹/۲ حدیث: ۲۸۳۳)

○ جنت میں ہر شخص کو دنیا کے سو مردوں کے برابر کھانے پینے اور جماع کی طاقت عطا ہوگی، اور سب کی عمریں ۳۳ سال کے جوان کے بقدر ہمیشہ رہیں گی۔ (کتاب العاقبۃ ۲۸۲-۲۸۳)

○ کم سے کم تر درجہ کے جنتی کو جنت میں ۸۰ ہزار خدام اور ۷۲ بیویاں عطا ہوں گی۔ (کتاب العاقبۃ ۲۸۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اِس کے علاوہ بھی بہت سی اَحادیثِ شریفہ میں جنت کی منظر کشی فرمائی گئی ہے۔

خلاصہ

اِس پورے مربوط مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ رحمٰن ورحیم کے خاص مقرب بندے وہ ہیں، جو درج ذیل صفات سے متصف ہیں:

(۱) تواضع (۲) جھک بازی سے اجتناب (۳) تہجد گذاری (۴) جہنم سے پناہ (۵) اِسراف سے پرہیز (۶) بخل سے اجتناب (۷) میانہ روی (۸) توحید پر اِستقامت اور شرک سے بے زاری (۹) قتل ناحق سے احتراز (۱۰) بدکاری سے پرہیز (۱۱) گناہوں سے توبہ کی عادت (۱۲) جھوٹی گواہی سے اجتناب (۱۳) لغویات سے دوری (۱۴) نصیحت کی باتوں کو قبول کرنا (۱۵) اپنے گھر والوں کی اِصلاح کی فکر اور تقویٰ اور پرہیز گاری۔

پس جو شخص دنیا کی زندگی میں مذکورہ صفات پر مضبوطی سے قائم رہے گا، اُس کا انجام اِن شاء اللہ بہت شان دار ہوگا، جس کا وعدہ مذکورہ آیات میں کیا گیا ہے۔

آخری فریاد اور دعا

اے اللہ! ہم اپنی زندگی کی سیہ کاریوں پر دل سے شرمندہ ہیں، مگر آپ کی رحمت عامہ سے ہرگز مایوس نہیں ہیں، آپ کی عزت وجلال اور کبریائی کے واسطے سے فریاد کرتے ہیں کہ آپ ہماری چھوٹی بڑی تمام خطاؤں سے درگذر فرما کر اپنے دامن رحمت میں جگہ عطا فرمائیے، اور بلا کسی اِستحقاق کے اپنے مقرب ومقبول اور منعم علیہم بندوں میں شامل فرمالیجئے، اور اپنی مخلوق

سے ہمارے عیوب چھپا لیجئے، اور ہمیں دارین میں ہرگز رسوا مت فرمایئے!! بے شک آپ غفار الذنوب اور ستار العیوب ہیں، آپ ہمیں اپنے فضل سے محروم مت فرمایئے، اور ہمارے سبھی متعلقین، محبین اور محسنین کے بارے میں ہر قسم کے شرور وفتن سے ہمیشہ محفوظ رہنے کے فیصلے فرمایئے! آمین یا ارحم الراحمین۔

﴿رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا، رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّـئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ. رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ (آل عمران: ۱۹۳-۱۹۴)

و آخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد

و آلہٖ و صحبہٖ و ذریاتہٖ أجمعین

ماٰخذ ومراجع

(اس کتاب کی ترتیب وتالیف میں درج ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے۔مرتب)

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر
۱	القرآن الکریم	ترجمہ:حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (م۱۳۳۹ھ)	مدینہ منورہ
۲	القرآن الکریم	ترجمہ:حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م۱۳۶۲ھ)	فرید بک ڈپو دہلی
۳	تفسیر روح المعانی	علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی بغدادیؒ (م۱۲۷۰ھ)	زکریا بک ڈپو دیوبند
۴	تفسیر ابن کثیر (مکمل)	علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ (م:۷۷۴ھ)	دار السلام ریاض
۵	الجامع لاحکام القرآن	الامام ابوعبداللہ محمد بن احمد الاندلسی القرطبیؒ (م ۶۶۸ھ)	دار الفکر بیروت
۶	احکام القرآن	الامام ابوبکر جصاص الرازیؒ (م۳۷۰ھ)	زکریا بک ڈپو دیوبند
۷	تفسیر کبیر للرازی	الامام محمد فخر الدین الرازیؒ (م۶۰۴ھ)	دار الفکر بیروت
۸	تفسیر درمنثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطیؒ (م۹۱۱ھ)	مطبع امیریہ،مصر
۹	عمدۃ الحفاظ فی تفسیر اشرف الالفاظ	علامہ شہاب الدین احمد بن مسعود الحلبیؒ (م۷۵۶ھ)	دار السید استنبول
۱۰	تفسیر البغوی	الشیخ حسین بن مسعود البغویؒ (م۵۱۶ھ)	دار طیبہ
۱۱	تفسیر ابن عباس	مرتب:عبدالعزیز بن عبداللہ الجہنی	
۱۲	بیان القرآن	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م۱۳۶۲ھ)	جوگیشوری ممبئی
۱۳	معارف القرآن	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ (م۱۳۹۵ھ)	معراج بک ڈپو دیوبند
۱۴	صحیح البخاری	الامام ابومحمد بن اسمٰعیل بن بردزبۃ البخاریؒ (م۲۲۶ھ)	مکتبۃ الاصلاح مرادآباد
۱۵	صحیح مسلم	الامام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیریؒ (م۲۶۱ھ)	مختار اینڈ کمپنی دیوبند ومرقم:دار الفکر بیروت
۱۶	جامع الترمذی	الامام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذیؒ (م۲۷۹ھ)	مختار اینڈ کمپنی دیوبند
۱۷	سنن ابی داؤد	الامام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانیؒ (م۲۷۵ھ)	اشرفی بک ڈپو دیوبند ومرقم:دار الفکر بیروت

۱۸	سنن النسائی	الامام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائیؒ (م۳۰۳ھ)	اشرفی بک ڈپو دیوبند ومرقم: دارالفکر بیروت
۱۹	سنن ابن ماجہ	الامام ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینیؒ (م۲۷۵ھ)	اشرفی بک ڈپو دیوبند ومرقم دارالفکر بیروت
۲۰	مسند امام احمد بن حنبل (تحقیق: احمد محمد شاکر)	الامام احمد بن محمد بن حنبلؒ (م۲۴۱ھ)	دارالحدیث القاہرہ
۲۱	مشکوۃ المصابیح	الامام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزیؒ (م۷۴۱ھ)	اشرفی بک ڈپو دیوبند
۲۲	الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان	الحافظ محمد بن حبان ابوحاتم البستیؒ (م۳۵۴ھ) الامیر علاء الدین علی بن بلبانؒ (م۷۳۹ھ)	دارالفکر بیروت
۲۳	المعجم الکبیر	علامہ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ (م۳۶۰ھ)	داراحیاء التراث بیروت
۲۴	المعجم الاوسط	علامہ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ (م۳۶۰ھ)	مکتبۃ المعارف ریاض
۲۵	المعجم الصغیر	علامہ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ (م۳۶۰ھ)	داراحیاء التراث بیروت
۲۶	السنن الکبریٰ للبیہقی	الامام ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیہقیؒ (۴۵۸ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۷	شعب الایمان	الامام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقیؒ (م۴۵۸ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۸	مصنف ابن ابی شیبہ	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفیؒ (م۲۳۵)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۹	کنز العمال	علی ابن حسام الدین المتقیؒ (م۹۷۵ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۳۰	مجمع الزوائد	علامہ ابوبکر ہیثمیؒ (م۸۰۷ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۳۱	المستدرک للحاکم	الامام ابوعبداللہ الحاکمؒ (م۴۰۵ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۳۲	مسند البزار	علامہ ابوبکر ہیثمیؒ (م۸۰۷ھ)	مؤسسۃ الرسالہ بیروت
۳۳	الادب المفرد	الامام ابومحمد بن اسمٰعیل بن بردزبۃ البخاریؒ (م۲۲۶ھ)	المطبعۃ السلفیۃ القاہرہ
۳۴	مراسیل ابی داؤد	الامام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانیؒ (م۲۷۵ھ)	دارالقلم بیروت
۳۵	السنن الکبریٰ للنسائی	الامام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائیؒ (م۳۰۳ھ)	مؤسسۃ الرسالہ بیروت
۳۶	السراج المنیر	ابوالفضل جلال الدین عبدالرحمٰن ابوبکر السیوطیؒ (م۹۱۱ھ)	دارالصدیق مکہ مکرمہ
۳۷	ریاض الصالحین	العلامہ محی الدین بن یحییٰ النوویؒ (م۶۷۶ھ)	اِدارہ اِشاعت دینیات، دہلی
۳۸	کتاب العاقبۃ	الحافظ الامام ابوبکر عبداللہ بن ابی الدنیاؒ (م۲۸۱ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۳۹	مسند ابویعلی الموصلی	تحقیق: حسین سلیم اسد	دارالمامون دمشق

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر
۴۰	فیض القدیر	العلامہ زین الدین عبدالرؤوف محمد بن علی المناویؒ (م۱۰۳۱ھ)	دارالفکر بیروت
۴۱	کتاب الدعاء للطبرانیؒ	ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانیؒ (۳۶۰ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۴۲	فتح الباری	حافظ ابن حجر العسقلانیؒ (م۸۵۲ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۴۳	نووی علی مسلم	شیخ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النوویؒ (م۶۷۷ھ)	مختار اینڈ کمپنی دیوبند
۴۴	تکملہ فتح الملہم	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم	مکتبہ دارالعلوم کراچی
۴۵	اکمال المعلم	الحافظ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض الیحصبیؒ (م۵۴۴ھ)	دارالوفاء، دمشق
۴۶	بذل المجہود	الشیخ خلیل احمد السہارنفوریؒ (م۱۳۴۶ھ)	مرکز الشیخ ابی الحسن الندویؒ
۴۷	مرقاۃ المفاتیح	العلامہ علی بن السلطان محمد القاریؒ (م۱۰۱۴ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۴۸	اعلاء السنن	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ (م۱۳۹۴ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۴۹	اوجز المسالک	حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ (م۱۴۰۲ھ)	دارالقلم دمشق
۵۰	الکنز المتواری	حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ (م۱۴۰۲ھ)	مؤسسۃ الخلیل پاکستان
۵۱	شرح الطیبی	الشیخ حسین بن عبداللہ بن محمد الطیبیؒ (م۷۴۳ھ)	مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز
۵۲	تحفۃ الاحوذی	الشیخ عبدالرحمٰن المبارک فوری	دارالکتب العلمیہ بیروت
۵۳	الروض الانف	العلامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلیؒ (م۵۸۱ھ)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۵۴	زادالمعاد	ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر الدمشقیؒ "ابن قیم الجوزیۃ" (م۷۵۱ھ)	مؤسسۃ الرسالۃ بیروت
۵۵	البدایہ والنہایہ	علامہ ابن کثیر دمشقیؒ (م۷۷۴ھ)	دارالفکر بیروت
۵۶	الرحیق المختوم	مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری	المجلس العلمی علی گڑھ
۵۷	دلائل النبوۃ	العلامہ ابوبکر احمد بن الحسین البیہقیؒ (م۴۵۸ھ)	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۵۸	اسد الغابۃ	الامام عزالدین ابن الاثیر الجزریؒ (م۶۳۰ھ)	دارالفکر، بیروت
۵۹	درمختار	شیخ علاء الدین الحصکفیؒ (م۱۰۸۸ھ)	زکریا بک ڈپو دیوبند
۶۰	ردالمحتار (فتاوی شامی)	علامہ محمد امین الشہیر بابن عابدینؒ (م۱۲۵۲ھ)	دارالفکر، ودار احیاء التراث بیروت، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، زکریا بک ڈپو دیوبند
۶۱	الفتاوی التاتارخانیہ	علامہ عالم بن علاء انصاری دہلویؒ (۷۸۶ھ) (بتحقیق: مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی)	ادارۃ القرآن کراچی زکریا بک ڈپو دیوبند
۶۲	البحر العمیق	امام ابوالبقاء محمد بن احمد بن محمد بن الضیاء المکی الحنفیؒ (م:۸۵۴ھ)	المکتبۃ المکیۃ
۶۳	الموسوعۃ الفقہیہ	مجموعۃ من العلماء	وزارۃ الشئون الاسلامیہ کویت

۶۴	فتاویٰ محمودیہ	حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (م ۱۴۱۷ھ)	زکریا بک ڈپو دیوبند
۶۵	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	الامام ابن ابی العز الدمشقی (م ۷۹۲ھ)	موسسۃ المختار قاہرہ
۶۶	شرح فقہ اکبر	العلامہ علی بن سلطان القاریؒ (م ۱۰۱۴ھ)	دار الکتب العلمیہ بیروت
۶۷	بدر اللیالی شرح بدأ الامالی	الشیخ المفتی رضاء الحق	دار العلوم لینیسیا افریقہ
۶۸	المہند علی المفند	حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ	مکتبہ خلیلیہ سہارن پور
۶۹	علماء دیوبند کے عقائد ونظریات	مولانا محمد توحید صاحب بجنوری	اِدارہ فکر وعمل دیوبند
۷۰	کتاب الزہد	شیخ الاسلام عبداللہ بن المبارک المروزیؒ (م ۱۸۱ھ)	دار الکتب العلمیہ بیروت
۷۱	الترغیب والترہیب	الحافظ ذکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذریؒ (م ۶۵۶ھ)	بیت الافکار الدولیۃ
۷۲	الزواجر عن اقتراف الکبائر	الامام ابو العباس احمد بن محمد بن علی بن حجر المکیؒ (م ۹۷۴ھ)	دار الکتب العلمیہ بیروت
۷۳	جامع المہلکات	الشیخ عرفان بن سلیم الدمشقی	دار الکتب العلمیہ بیروت
۷۴	احیاء العلوم	حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد الغزالیؒ (م ۵۰۵)	نول کشور لکھنؤ
۷۵	رسائل ابن ابی الدنیا	الحافظ الامام ابو بکر عبداللہ بن ابی الدنیاؒ (م ۲۸۱ھ)	مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ
۷۶	حجۃ اللہ البالغۃ	احمد بن عبد الرحیم شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ)	مکتبہ حجاز دیوبند
۷۷	رحمۃ اللہ الواسعہ	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ	مکتبہ حجاز دیوبند
۷۸	نصیحۃ المسلمین	شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزماں الٰہ آبادی	دار المعارف الٰہ آباد
۷۹	الاعتدال فی مراتب الرجال	حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ (م ۱۴۰۲ھ)	مکتبہ اتحاد دیوبند
۸۰	شمائل کبریٰ	حضرت مولانا مفتی محمد ارشاد صاحب	فرید بک ڈپو دہلی
۸۱	آداب المعلمین	حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ	جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ
۸۲	تحفہ مدارس	مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی	مکتبہ نعیمیہ دیوبند
۸۳	خطباتِ علی میاںؒ	مولانا ممشاد علی صاحب	شاہ ولی اللہ اکیڈمی پھلت
۸۴	فیض ابرار	مولانا محمد ابرار دھولیوی	اِدارہ فیض ابرار بلساڑ
۸۵	غلو فی الدین	مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب	مکتبہ مسیح الامت بنگلور
۸۶	بچوں کے احکام ومسائل	مولانا فیصل احمد ندوی	اِدارہ احیاء علم ودعوت لکھنؤ

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

مرتب کی علمی کاوشیں

سیرتِ طیبہ:

❑ نعت النبی ﷺ نمبر (ماہنامہ ندائے شاہی):

۶۵۸ر صفحات پر مشتمل اِس ضخیم نمبر میں علماء دیوبند اور اُن کے ہم مشرب شعراء کی حمد ونعت اور منقبت پر مشتمل ۵۳۸ر نظمیں (عربی، فارسی اور اُردو) نہایت خوب صورتی سے جمع کردی گئی ہیں، بفضلہٖ تعالیٰ اس مجموعہ کے مطالعہ سے قارئین کے قلوب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت سے معمور ہورہے ہیں، عشاقِ رسول کے لئے یہ ایک قیمتی سوغات ہے۔

❑ شمائلِ رسول:

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شمائل طیبہ سے متعلق ۴۰ر اَحادیث کا مختصر مجموعہ ہے، اُردو ترجمہ مولانا مفتی محمد عفان منصورپوری زید علمہ نے کیا ہے، یہ رسالہ بار بار چھپ چکا ہے، اور کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔ جیبی سائز، صفحات: ۶۴

❑ خطباتِ سیرتِ طیبہ:

سرورِ عالم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے مختلف گوشوں پر دس خطبات کا یہ مجموعہ خاص طور پر نوجوانوں اور عام مسلمانوں کے لئے شائع کیا گیا ہے، یہ خطبات مرادآباد کی ''مسجد ابراہیمی'' محلہ کسرول میں بالترتیب دس روز تک جاری رہے، بعد میں انہیں کتابی شکل دے دی گئی۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ گھروں میں اس کی تعلیم ہو؛ تاکہ نبی اکرم علیہ السلام کی

سیرت کے متعلق اہم معلومات مسلم معاشرہ کو حاصل ہوں۔ الحمدللہ یہ کتاب متعدد بار چھپ چکی ہے، نیز ہندی زبان میں بھی اِس کی اِشاعت ہوچکی ہے۔ صفحات: ۲۴۰

❑ مسک الختام فی الصلوٰۃ علی خیر الانام:

اِس رسالے میں اَولاً درود شریف کے مختصر فضائل جمع کئے گئے ہیں، بعد اَزاں اَحادیثِ شریفہ اور سلفِ صالحین رحمہم اللہ سے منقول درود شریف کے چالیس منتخب اور پسندیدہ کلمات یکجا کردئے گئے ہیں۔ اور اخیر میں چند مقبول دعائیں بھی درج ہیں، جن کی قبولیت کی بہت اُمید ہے، اِن شاءاللہ تعالیٰ۔ تمام عربی عبارتوں کا سلیس اور عام فہم ترجمہ بھی کیا گیا ہے؛ تاکہ عوام کے لئے سہولت ہو۔ جیبی سائز، صفحات: ۱۰۴

فقہ وفتاویٰ:

❑ کتاب المسائل (۵؍ جلدیں، کتاب الطہارت تا کتاب النفقات):

واقعہ یہ ہے کہ مسائل کا یہ مجموعہ ہر مسلمان گھرانے کی دینی ضرورت ہے، اور عوام وخواص سب کے لئے یکساں طور پر مفید ہے، اور چوں کہ ہر مسئلہ کے ساتھ اصل فقہی عبارات مذکور ہیں؛ اس لئے یہ کتاب حضراتِ علماء کرام اور مفتیانِ عظام کے لئے اصل ماٗخذ سے مراجعت میں سہولت کا ذریعہ بھی ہے۔ کتاب کی اصل افادیت کا اندازہ اس کے مطالعہ ہی سے ہوسکتا ہے، اس منصوبہ پر آگے بھی کام جاری ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔ ملنے کا پتہ: فرید بک ڈپو دریا گنج دہلی

صفحات جلدِ اول: ۵۹۰، جلدِ ثانی: ۳۵۲، جلدِ ثالث: ۵۲۸، جلدِ رابع: ۳۲۸، جلدِ خامس: ۵۱۲

❑ کتاب النوازل (۱۹؍ جلد):

یہ کتاب مرتب کے اُن فتاویٰ کا منتخب مجموعہ ہے، جو دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد سے گذشتہ پچیس سالوں میں جاری ہوئے ہیں۔ ترتیب وتحقیق کا کام جناب مولانا مفتی

محمد ابراہیم قاسمی سلمہ نے انجام دیا ہے۔ فتاویٰ کی زبان نہایت آسان اور اُسلوب دل نشیں ہے، اور ہر فتویٰ معتبر حوالہ جات سے بھرپور مزین ہے۔ ۱۹؍جلدیں شائع ہوچکی ہیں، جن میں طہارت سے لے کر فرائض تک کے مسائل جمع ہوگئے ہیں۔

صفحات جلدِ اول: ۶۸۸، صفحات جلدِ دوم: ۵۶۰، صفحات جلدِ ثالث: ۶۴۸، صفحات جلدِ رابع: ۶۳۲، صفحات جلدِ خامس: ۵۷۶، صفحات جلدِ سادس: ۶۲۴، صفحات جلدِ سابع: ۶۴۰، صفحات جلدِ ثامن: ۵۷۶، صفحات جلدِ تاسع: ۶۰۸، صفحات جلدِ عاشر: ۵۴۴، صفحات جلدِ حادی عشر: ۵۲۸، صفحات جلدِ ثانی عشر: ۶۴۰، صفحات جلدِ ثالث عشر: ۶۰۸، صفحات جلدِ رابع عشر: ۶۹۶، صفحات جلدِ خامس عشر: ۶۲۴، صفحات جلدِ سادس عشر: ۶۰۸، صفحات جلدِ سابع عشر: ۶۲۴، صفحات جلدِ ثامن عشر: ۵۲۸، صفحات جلدِ تاسع عشر: ۴۷۲

❑ دینی مسائل اور اُن کا حل:

دورِ حاضر کے اہم پیش آمدہ مسائل کے ۶۵۰؍ مختصر اور جامع جوابات پر مشتمل یہ قیمتی مجموعہ ہر گھر کی ضرورت اور قدم قدم پر رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ یہ مسائل کئی سال سے رسالہ ’’تحفۂ خواتین‘‘ مرادآباد میں سوال وجواب کی صورت میں شائع ہورہے تھے، اَب اُنہیں عربی عبارات اور حوالوں کے ساتھ جمع کرکے شائع کیا گیا ہے، جو عوام کے علاوہ اہلِ علم اور اَربابِ افتاء کے لئے بھی مفید ہے۔ صفحات: ۴۱۶

❑ درسی سوال وجواب:

یہ اُن پانچ سو سے زائد سوال وجواب کا مجموعہ ہے، جو مسلم شریف اور ترمذی شریف کے درس کے دوران طلبہ دورۂ حدیث شریف کی طرف سے کئے گئے، ہر جواب مختصر جامع اور مدلل ہے۔ مطالعہ ہی سے اس کی اَہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

صفحات: ۴۰۰، ملنے کا پتہ: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

❑ مسائلِ موبائل:

اِس رسالہ میں موبائل سے متعلق ضروری سوالات کے جوابات مدلل طور پر دئے گئے

ہیں، اپنے موضوع پر یہ ایک مقبول رسالہ ہے، کئی زبانوں میں اِس کی اِشاعت ہوچکی ہے، اور عوام وخواص اِس سے فائدہ اُٹھارہے ہیں۔ فالحمدللہ تعالیٰ۔

□ فتویٰ نویسی کے رہنما اُصول:

یہ فقیہ العصر علامہ ابن عابدین شامیؒ کی معروف کتاب ''شرح عقود رسم المفتی'' کی روشنی میں اُصولِ افتاء پر ایک انوکھی کتاب ہے، جس میں ۳۴ر اُصول متعین کر کے ہر اُصول کے اِجراء اور تمرین کے لئے رہنمائی کی گئی ہے۔ جو طلبہ اِفتاء نظر میں گہرائی اور مطالعہ میں گیرائی کے مشتاق ہیں، اُن کے لئے یہ کتاب قدم قدم پر معاون بن رہی ہے۔ نیز بفضلہٖ تعالیٰ تجربہ سے یہ طرز اِجراء بہت مفید ثابت ہوا ہے۔

کتاب کے شروع میں ایک قیمتی ابتدائیہ ہے، جس میں فقہ وحدیث اور تفسیر سے متعلق ماٰخذ کی ۱۱۹ر کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے، جو طلبہ اور علماء کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ہے۔

صفحات: ۴۲۹، ناشر: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

□ فتاویٰ شیخ الاسلام:

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی علمی اور فقہی آراء اور مکتوبات کا یہ مرتب مجموعہ بالخصوص فقہ وفتاویٰ کے شائقین کے لئے گراں قدر تحفہ ہے۔ ہر مسئلہ حوالہ جات سے مزین ہے، اور نادر علمی نکات، فقہی تحقیقات اور قیمتی اِفادات کو بہت سلیقہ اور عمدگی سے مرتب کیا گیا ہے، یہ کتاب ہندوستان کے علاوہ پاکستان میں بھی شائع ہوچکی ہے۔

صفحات: ۲۵۱، ناشر: مکتبہ دینیہ دیوبند

□ تحفۂ رمضان:

رمضان المبارک، رؤیتِ ہلال، صدقہ فطر، اعتکاف، زکوٰۃ اور عیدین وغیرہ سے متعلق فضائل ومسائل پر مشتمل یہ مختصر کتاب اپنے موضوع پر بہت جامع ہے، اور مرتب کے سلسلۂ تالیفات کی پہلی کڑی ہے، اور عرصۂ دراز سے مختلف کتب خانوں سے شائع ہورہی ہے۔ صفحات: ۱۷۲۔

❏ الفہرس الحاوی علی حاشیۃ الطحطاوی:

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح'' کی تفصیلی فہرست تیار فرمائی تھی، اُسی کو مختلف نسخوں سے ملا کر مرتب نے بہت اچھے انداز میں شائع کیا ہے، جس کی بنا پر اِس کتاب سے استفادہ بہت آسان ہوگیا ہے۔ حضرات اہل علم وطلبۂ افتاء بطور خاص اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

صفحات: ۲۰۰، ناشر: مرکز نشر وتحقیق لالباغ مرادآباد

❏ حج وزیارت نمبر (ندائے شاہی):

۲۳۲ ؍صفحات پر مشتمل یہ معلوماتی نمبر حجاجِ کرام کی رہنمائی میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے، اور اپنی جامعیت کی وجہ سے نہایت مقبول ہے۔

❏ ایک مجلس کی تین طلاق کا مسئلہ دلائل کی روشنی میں:

یہ رسالہ خاص طور پر تین طلاق کے سلسلہ میں جمہور علماء اہل سنت کے موقف کی تائید میں تحریر کیا گیا ہے، اور اس میں فرقۂ غیر مقلدین کے پیش کردہ دلائل کا مناسب جواب دیا گیا ہے۔

دعوت واِصلاح:

❏ ایک جامع قرآنی وعظ:

یہ قرآنِ کریم کی ایک جامع ترین آیت: ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الــخ﴾ کی مبسوط ومفصل شرح پر مشتمل ایک ضخیم تالیف ہے، جس میں اسلام کی انسانیت نواز فطری تعلیمات کو بہت مثبت اور مؤثر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عوام وخواص بالخصوص داعیانِ قوم، ائمہ وعلماء کرام کے لئے اس کتاب میں بیش بہا مواد جمع کردیا گیا ہے، فالحمدللہ۔

صفحات: ۲۸۷، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی

❑ اللہ سے شرم کیجئے:

اِس کتاب میں اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کے متعلق ایک جامع اِرشادِ نبوی ﷺ کی تفصیلی شرح کے ضمن میں نہایت مفید اِصلاحی مضامین (آیاتِ قرآنیہ اَحادیثِ طیبہ اور اَحوال واَقوالِ سلف) خوب صورتی کے ساتھ جمع کردیئے گئے ہیں، یہ کتاب مردہ ضمیر کو جھنجوڑنے، اور غفلت کے پردے ہٹانے میں تریاق کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو شخص بھی صدق دل سے اور عمل کی نیت سے اِس کا مطالعہ کرے گا، اُسے اِن شاء اللہ یقیناً نفع ہوگا۔ کتاب کی زبان سادہ اور عام فہم ہے، ہر بات حوالہ جات سے مزین ہے۔ عوام وخواص کے لئے یکساں طور پر مفید ہے۔ اب تک ہندو پاک کے مختلف کتب خانوں سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں، اور مسلسل اِس کی اِشاعت جاری ہے۔ کئی زبانوں میں اِس کا ترجمہ بھی ہوچکا ہے، فالحمد للہ۔

صفحات: ۴۳۲، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی وغیرہ

❑ اللہ والوں کی مقبولیت کا راز:

اِس کتاب میں اَکابر واَسلاف کی مقبول صفات مثلاً: تواضع، زہد وتقویٰ، عفو ودرگذر، حلم وبردباری، جود وسخا اور خوف وخشیت سے متعلق پُر اَثر اور حیرت انگیز حالات وواقعات بیان کرکے اُن کی روشنی میں اپنے کردار کا مؤثر انداز میں جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ کتاب علماء، طلباء اور اَپنی اِصلاح کے خواہش مند حضرات کے لئے اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ زبان بہت آسان اور عام فہم ہے، یہ کتاب بھی ہندو پاک کے متعدد کتب خانوں سے مسلسل شائع ہورہی ہے، الحمد للہ۔

صفحات: ۱۹۲، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی وغیرہ

❑ دعوتِ فکر وعمل:

یہ کتاب مختلف دینی، اِصلاحی، سماجی اور معاشرتی موضوعات پر مبنی ۹۷ رقیمتی مضامین کا مجموعہ ہے، جن میں پوری قوت کے ساتھ فکری اِصلاح پر زور دیا گیا ہے۔ اِن مضامین کے

مطالعہ سے اِصابت رائے اور اعتدال کے جذبات پروان چڑھتے ہیں، موجودہ دور میں دینی خدمات میں مشغول حضرات کے لئے اِس کتاب کا مطالعہ نہایت کارآمد ہے، اکابر علماء کی تقریظات سے کتاب مزین ہے، متعدد کتب خانوں سے اِس کی اِشاعت ہورہی ہے۔

صفحات: ۵۴۰، ملنے کا پتہ: فرید بک ڈپو دہلی وغیرہ

❑ لمحاتِ فکریہ:

اِس کتاب میں ماہنامہ ''ندائے شاہی'' مارچ ۲۰۰۳ء سے لے کر مئی ۲۰۰۵ء تک کے اِدارتی مضامین اور دو رسالوں ''اِسلام کی اِنسانیت نوازی'' اور ''اِسلامی معاشرت'' کو یکجا کر کے شائع کیا گیا ہے۔ اِس مجموعۂ مضامین میں قرآن وسنت اور آثارِ صحابہ سے نہایت قیمتی ہدایات نقل کی گئی ہیں۔

صفحات: ۳۲۰، قیمت: ۱۰۰/روپئے، ناشر: فرید بک ڈپو دہلی

❑ مشعلِ راہ:

یہ کتاب بھی ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد کے اِدارتی مضامین ''نظر وفکر'' کا مجموعہ ہے، جس میں جون ۲۰۰۵ء سے ستمبر ۲۰۰۸ء تک کے مضامین شامل کئے گئے ہیں، اِس مجموعے میں خاص طور پر اُمت میں رائج کج فکری اور بدعملی پر نکیر سے متعلق مستند تحریریں شامل ہیں، جو علماء اور عوام سبھی کے لئے مفید ہیں۔ صفحات: ۴۰۰، ناشر: مرکز نشر وتحقیق لالباغ مرادآباد

❑ کتاب الوعظ والتذکیر (جلد اول):

یہ مرتب کے اُن اصلاحی بیانات کا مجموعہ ہے جو مختلف موضوعات پر ملک وبیرونِ ملک میں کئے گئے ہیں، اُن کو ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے تحریری شکل دے کر نظر ثانی کر کے بالترتیب اِشاعت کی جارہی ہے۔ جلد اول میں ۲۰/ بیانات جمع کئے گئے ہیں۔ آگے بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ صفحات: ۳۳۰، ناشر: مکتبہ عکاظ دیوبند

❑ نظر کی پاکیزگی:

حیا اور پاک دامنی کے بارے میں اِسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے متعلق اِس رسالہ میں مفید اور مستند معلومات جمع کر دی گئی ہیں، یہ رسالہ اس قابل ہے کہ گھر گھر پہنچایا جائے؛ تاکہ فواحش کا سدِ باب ہو سکے۔

❑ نورِ نبوت:

یہ رسالہ ۹۹ رقیمتی اَحادیثِ طیبہ اور اُن کی مختصر تشریحات پر مشتمل ہے۔ جو حضرات اَحادیثِ شریفہ کو یاد رکھنا چاہیں، اُن کے لئے یہ بہت مفید اور نفع بخش مجموعہ ہے۔

صفحات: ۷۲، ناشر: مرکز نشر وتحقیق لالباغ مرادآباد

❑ اِسلام کی اِنسانیت نوازی:

اِس مختصر رسالہ میں اختصار کے ساتھ اسلام کی اِنسانیت نواز تعلیمات کو بہت خوش اُسلوبی کے ساتھ اُجاگر کیا گیا ہے، اور اِسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کا مناسب جواب دیا گیا ہے۔

❑ درسِ سورۂ فاتحہ:

یہ رسالہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر پر مبنی مرتب کے درسی اِفادات پر مشتمل ہے، یہ ہفتہ واری درس ہر پیر کو عصر کے بعد مدرسہ احسن البنات محلّہ طویلہ میں گذشتہ بیس سال سے جاری ہے، فالحمد للہ۔

صفحات: ۷۲، ناشر: مرکز نشر وتحقیق لال باغ مرادآباد

سیر وسوانح:

❑ ذکرِ رفتگاں (۴ رجلدیں):

یہ ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد میں گذشتہ (۱۹۸۹ء تا ۲۰۲۰ء) میں وفات پانے والی

اُمت کی اہم اور مؤثر شخصیات پر شائع شدہ تعزیتی مضامین کا بیش قیمت مجموعہ ہے، جس میں بہت سے اَکابر اور اہم حضرات کے مختصر سوانحی خاکے اور تأثرات جمع ہوگئے ہیں۔ تذکرۂ اکابر کے شائقین کے لئے یہ بیش بہا تحفہ اور سیر وسوانح کے باب میں قیمتی معلومات کا ذخیرہ ہے، جس کا مطالعہ انشاء اللہ ذہن میں تازگی اور روح میں بالیدگی کا سبب ہوگا۔

صفحات جلدِ اَول: ۶۴۸، صفحات جلدِ دوم: ۵۲۰، صفحات جلدِ سوم: ۴۴۸، صفحات جلدِ چہارم: ۴۶۰

❑ تذکرۂ فدائے ملتؒ:

یہ امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ صدر جمعیۃ علماء ہند کی یاد میں منعقدہ فدائے ملت سیمینار (منعقدہ ۲۰۰۸ء) میں پیش کردہ مقالات کا بہترین مجموعہ ہے، جس میں نہ صرف حضرت فدائے ملتؒ کے حالات اور قابلِ تقلید روشن کارنامے جمع ہوگئے ہیں؛ بلکہ ملتِ اسلامیہ ہند کی گذشتہ نصف صدی کی تاریخ کے اہم پہلو بھی اس مجموعۂ مضامین میں جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔ اکابر کی سوانح سے دل چسپی رکھنے والوں کے لئے یہ ایک قیمتی سوغات ہے، جسے جمعیۃ علماء ہند نے بہت اہتمام سے شائع کیا ہے، اور مختصر مدت میں اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔ صفحات: ۱۲۰۰، ناشر: جمعیۃ علماء ہند

❑ فدائے ملت نمبر (ندائے شاہی):

حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی حیاتِ طیبہ اور خدماتِ عالیہ پر یہ ایک تاریخی اور جامع دستاویز ہے، جس میں نصف صدی کی ملی تاریخ کے اہم واقعات یکجا ہوگئے ہیں۔ اس ضخیم نمبر کے صفحات کی تعداد ۷۸۸ ہے۔

❑ مشاہدات وتأثرات:

یہ کتاب حضرت مولانا سید حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مختلف حضرات کے تأثراتی مضامین کا مجموعہ ہے، جسے مرتب نے حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ سابق مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے حکم سے ترتیب دیا تھا۔

خصوصی ضمیمہ:

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے مایۂ ناز مہتمم حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر یہ ضمیمہ شائع کیا گیا تھا، جس میں حضرت موصوفؒ کی گراں قدر خدمات اور تأثراتی مضامین کا اِحاطہ کیا گیا ہے۔

تحریک ریشمی رومال؛ ایک مختصر تعارف:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی اِنقلابی تحریک ریشمی رومال کے متعلق تاریخی اور دستاویزی معلومات پر مشتمل یہ مقالہ مرتب نے طالبِ علمی کے زمانہ میں شیخ الہند سیمینار (منعقدہ جنوری ۱۹۸۶ء) کے لئے لکھا تھا، جو بعد میں رسالہ کی شکل میں شائع کیا گیا، اور موقع بموقع ہندو پاک میں اس کی اِشاعت ہوتی رہتی ہے۔ صفحات: ۴۱، ناشر: جمعیۃ علماء ہند

پیکرِ عزم وہمت، اُستاذ اور شاگرد:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہما کی سبق آموز حیاتِ طیبہ پر مشتمل کئی قیمتی مضامین اِس مختصر رسالہ میں شامل ہیں، جن کا مطالعہ علماء اور طلباء کے لئے بالخصوص مفید ہے۔

صفحات: ۸۰، ناشر: مرکز نشر وتحقیق لال باغ مرادآباد، ملنے کا پتہ: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

تاریخ:

تحریک آزادئ ہند میں مسلم عوام اور علماء کا کردار:

ہندوستان کی تحریکاتِ آزادی میں شروع سے لے کر اخیر تک مسلم عوام اور علماء نے جو عظیم ترین قربانیاں پیش کی ہیں، اُن کو نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ سوال وجواب کے انداز میں اِس کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔ انداز نہایت دلچسپ ہے، اور ہر بات حوالہ سے مدلل ہے۔ کتاب کے اَخیر میں مولانا معز الدین احمد صاحبؒ کے قلم سے اُن حضرات کا جامع

تعارف بھی شامل ہے، جن کا نام کتاب کے اندر کسی نہ کسی عنوان سے آیا ہے، اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقفیت کے لئے نئی نسل کے حضرات کو اِس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

صفحات: ۲۲۸، ناشر: مرکز نشر و تحقیق لال باغ مراد آباد، ملنے کا پتہ: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

❑ تاریخ شاہی نمبر (ندائے شاہی):

مرکز العلوم الاسلامیہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کی سوا سو سالہ تاریخ پر مبنی یہ نمبر دستاویزی حیثیت کا حامل ہے، اور نادر و نایاب تاریخی معلومات کو شامل ہے، اِس کی اہمیت کا اندازہ باذوق حضرات ہی لگا سکتے ہیں۔

صفحات: ٦٤٨، ناشر: مکتبہ ندائے شاہی مراد آباد۔

ردِ قادیانیت:

❑ ردِ مرزائیت کے زریں اُصول:

یہ سفیرِ ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد صاحب چینوٹی رحمۃ اللہ علیہ (پاکستان) کے اُن تربیتی محاضرات کا مجموعہ ہے، جو موصوف نے ۱۴۰۹ھ کو دارالعلوم دیوبند میں رونق اَفروز ہوکر علماء وطلباء کے بڑے مجمع کے سامنے دئے تھے۔ اُنہیں مرتب نے اپنے رفقاء: مولانا شاہ عالم گورکھپوری اور مولانا عزیز الحق صاحب اعظمی کے تعاون سے اَز سرِنو ترتیب دیا، اصل کتابوں سے مراجعت کرکے حوالہ جات نوٹ کئے، اور پھر صاحبِ محاضرات کی نظر کے بعد اُسے شائع کیا گیا، یہ اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب ہے، جس کے متعدد ایڈیشن ہند و پاک میں شائع ہوچکے ہیں۔

صفحات: ۲۱٦، شائع کردہ: کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند

❑ قادیانی مغالطے:

یہ مختصر رسالہ اُن ہرزہ سرائیوں کے جوابات پر مشتمل ہے، جو قادیانی لوگ عام مسلمانوں

کو بہکانے اور شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کے لئے عوام میں پھیلاتے رہتے ہیں۔ مرزائیوں کی تلبیسات کا اِس رسالہ میں مضبوط جواب دیا گیا ہے۔

صفحات: ۱۲۴، شائع کردہ: کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند

❑ منامی بشارتیں:

یہ مختصر رسالہ اُن منامی بشارتوں پر مشتمل ہے جو تحفظ ختم نبوت کے لئے کام کرنے والوں کے بارے میں معتبر ذرائع سے معلوم ہوئی ہیں، اُن کے مطالعہ سے اِس عظیم خدمت میں لگے ہوئے لوگوں کو حوصلہ ملتا ہے، اور عزم وہمت میں اِضافہ ہوتا ہے۔

❑ مہدئ موعود:

مسیلمۂ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوئ مہدویت کی تردید پر مبنی یہ رسالہ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کی طرف سے شائع کیا گیا ہے، اِس رسالہ میں اختصار کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی ہرگز ہرگز وہ مہدی نہیں ہوسکتا، جس کے ظہور کی خبر اَحادیث میں دی گئی ہے۔

رابطہ:

محمد ابوبکر صدیق منصورپوری 8791034667 محمد اسجد قاسمی 9058602750